فتاویٰ حقانیہ
جلد چہارم

فہرست مضامین جلد چہارم

کتاب الحج

کتاب النکاح

عنوانات	صفحہ

باب الحلالۃ

باب ثبوت النسب

كتاب
الزكوة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

ان کو ان کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا اور قیامت کے دن ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے

سورة البقرة : آية ۲۷۷

باب صدقۃ الفطر

(صدقۃ الفطر کے احکام و مسائل کا بیان)

صدقۃ الفطر میں غناء کا نصاب

سوال: اگر ایک آدمی کے پاس کئی قسم کے حیوانات ہوں لیکن ان میں سے ایک صنف بھی نصاب کو نہیں پہنچتی ہو اور تجارت کے لیے بھی نہ ہوں تو کیا ایسے آدمی پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی اور صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے بنیادی طور پر غنا کی موجودگی کافی ہے اگر ان اموال میں نمو نہ ہو، اموال کا نامی ہونا زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر ایک آدمی کے پاس ضرورت سے زائد ایک جنس ہو اور اس کی قیمت مقدار نصاب کے برابر ہو تو اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے جبکہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے تاہم اس میں اس کی ضرورت کی رعایت کی جائے گی، زمیندار کو کھیتی باڑی کیلئے دو بیلوں کی ضرورت ہوتی ہے تو تیسرا بیل بلاضرورت شمار ہوگا۔

لما قال فی الہندیۃ: ولو بقرۃ وحدۃ غنی و بثلاثۃ ثیران اذا ساوی احدہما مائتی درہم صاحب نصاب۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۵ ص۲۹۲ کتاب الاضحیۃ الباب الاول فی تفسیرہا)[1]

زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کے وجوب کا نصاب

سوال: زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نصاب اور صدقۂ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے؟

الجواب: دونوں کا نصاب ایک ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت ہونے پر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، تاہم زکوٰۃ کے لیے نمو یا حولان حول یا سال بھر ہونا ضروری ہے جبکہ صدقۂ فطر کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامۃ اکمل الدین بابرتیؒ: ولا یشترط فیہ النمو ای لا یشترط ان

---

[1] قال العلامۃ طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ: وببقرۃ واحدۃ غنی بثلاثۃ ثیران اذا تساوی احدہا مائتی درہم صاحب نصاب۔
(خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۳۱۰ الفصل الثانی فی نصاب الاضحیۃ)

يكون النصاب بمال نام لانها وجبت بالقدرة الممكنة ونحوها فلا يشترط فيه بخلاف وجوبه بالقدرة الميسرة كالزكوة على ما عرف في الاصول.

(العناية على هامش فتح القدير ج۲ ص۲۱۹ باب صدقة الفطر) ملخصاً

صدقۂ فطر کی مقدار

سوال:- صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے اور قیمت کی ادائیگی میں بصورتِ تفاوت کون سی قیمت معتبر ہوگی؟

الجواب:- فقہ حنفی کی رو سے نصف صاع یعنی ایک سو چالیس[۱۴۰] تولہ گندم صدقۂ فطر کی مقدار ہے البتہ جَو یا کھجور سے ایک صاع یعنی دو سو اسی[۲۸۰] تولہ ادا کیا جائے گا۔ وفي الهندية: وهي نصف صاع من بر او صاع من شعير او تمر. (ج۱ ص۱۹۱ باب صدقة الفطر)
اس میں انگریزی کلو اور علاقائی سیر متفاوت ہے اس لیے تولہ کی مقدار سے علاقائی سیر کا تعین آسان ہے۔ ادائیگی میں فقیر کے مفاد کو مدِ نظر رکھا جائے، اگر قیمت میں فائدہ ہو تو مروجہ قیمت ادا کی جائے۔

قال علاء الدين الحصكفي رحمه الله: ويقوم في البلد الذي المال فيه.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵ باب زكوة الغنم)

صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟

سوال:- صدقۂ فطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟ اور اگر کوئی مروجہ صاع کے مطابق صدقۃ الفطر ادا کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۱۔ قال حسن بن عمار بن علي: (مالك النصاب) اعلم ان النصب ثلاثة نصاب يشترط فيه النمو وتتعلق به الزكوة وسائر الاحكام المتعلقة بالمال النامي ونصاب تجب به احكام اربعة حرمة الصدقة ووجوب الاضحية وصدقة الفطر ونفقة الاقارب ولا يشترط فيه النمو بالتجارة ولا حولان الحول ونصاب تثبت به حرمة السوال وهو ما اذا كان عنده قوت يومه. الخ

(مراقي الفلاح ص۳۹۴ باب صدقة الفطر)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۹۱ كتاب الزكوة الباب السابع فيمن يوضع فيه الصدقة الثاني

۲۔ قال الشيخ ابن الهمام رحمه الله: (وبقيمتها) اي الدنانير في البلد الذي فيه المال. الخ

(فتح القدير ج۲ ص۱۶۴ فصل في العروض)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۹ الفصل الثاني في العروض.

الجواب :۔ صدقۂ فطر ادا کرنے میں اصل اعتبار صاعِ شرعی کا ہے تاہم اگر مروجہ صاع کی مقدار مجہول ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں اور اگر مروجہ صاع شرعی صاع سے زائد ہو تو پھر زیادہ ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، البتہ جب مروجہ صاع کم ہو تو جب تک شرعی صاع کے مطابق ادائیگی نہ ہو تو ذمہ داری فارغ نہیں ہوگی۔

لما قال فی الهندیة :۔ ثم یعتبر نصف صاع من برّ او صاع من غیرہ بالوزن فیما روی ابو یوسف عن ابی حنیفۃؒ لان اختلف العلماء فی الصاع بانہ کم رطلا وھو اجماع منہم بانہ معتبر بالوزن وقیل هذہ العبارة والصاع ثمانیة ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استارا ۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ الباب الثامن فی صدقة الفطر) ؎۱

حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی میں صدقۂ فطر سے تعاون کرنا

سوال :۔ اگر کسی شخص پر حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی لازم ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا مصرف ایک ہے لہٰذا مذکورہ شخص کے ذمہ جب حکومت کا جرمانہ واجب الادا ہو تو مدیون ہونے کی وجہ سے اس کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ :۔ وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف ...الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۵ باب صدقۃ الفطر) ؎۲

اُجرت میں صدقۂ فطر دینا جائز نہیں

سوال :۔ اگر ائمہ مساجد کو امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اس سے صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟ اور خود امام کے لیے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

؎۱ قال الامام برہان الدین المرغینانیؒ :۔ ثم یعتبر نصف صاع من برّ وزنا فیما یروی عن ابی حنیفۃؒ وعن محمدؒ انہ یعتبر کیلا والدقیق اولیٰ من البرّ والدراہم اولیٰ من الدقیق ۔ (الہدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۲۹ باب صدقۃ الفطر)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۳ باب صدقۃ الفطر۔

؎۲ وفی الہندیۃ :۔ ومصرف ھذہ الصدقۃ ما ھو مصرف الزکوٰۃ ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۹۱ باب صدقۃ الفطر)
ومثلہ فی الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۸۶ باب صدقۃ الفطر

الجواب:۔ صدقۂ فطر کی ادائیگی میں یہ ضروری ہے کہ کسی خدمت کے عوض نہ ہو، صدقاتِ واجبہ کی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں تملیک بلا عوض شرط ہے۔ امامت یا اذان پر بذاتِ خود اجرت لینے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں لیکن صدقۂ فطر امامت کی اجرت میں دینا ناجائز ہے، تاہم اگر دیا گیا تو اجرت کی ادائیگی تو ہو جائے گی صدقۂ فطر کا ذمہ باقی رہے گا۔ البتہ اگر ایک امام غریب ہو اور اس کے لیے امامت کی اجرت (تنخواہ فیس) مقرر کی گئی ہو تو پھر بھائی تعاون کی صورت میں غریب امام کو صدقۂ فطر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاء الدین الحصکفیؒ: وصدقة الفطر كالزكوة في المصارف الا في الدفع الى الذمي۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۹ باب صدقة الفطر) ؎۱

صدقۂ فطر میں تجزی معتبر نہیں

سوال:۔ کیا ایک صدقۂ فطر ایک آدمی کو دینا لازمی ہے یا متعدد فقراء پر تقسیم کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر میں تجزی اور تقسیم معتبر ہیں، اس لیے ایک صدقۂ فطر متعدد فقراء پر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ایک ہی شخص کو متعدد صدقاتِ فطر دیئے جا سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام محمد بن عبد الله التمرتاشی الحنفیؒ: وجاز دفع كل شخص فطرته الى مسكين على المذهب كما جاز دفع صدقة جماعة الى مسكين واحد بلا خلاف۔ (تنویر الابصار متن الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۷ باب صدقة الفطر) ؎۲

❖ ❖ ❖

؎۱ قال ابن نجیم رحمه الله: وصدقة الفطر كالزكوة في المصارف الخ
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۴ باب صدقة الفطر)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۹۴ باب صدقة الفطر۔

؎۲ قال العلامة ابوبكر الكاسانی رحمه الله: ويجوز ان يعطي ما يجب في صدقة الفطر عن انسان واحد جماعة مساكين ويعطي ما يجب عن جماعة مسكيناً واحداً۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۵ فصل واما ركنها)
ومثله في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج ۱ ص ۲۳۳ باب صدقة الفطر۔

بیوی کا فطرانہ کس کے ذمہ واجب ہے

سوال:- کیا بیوی کا فطرانہ شوہر کے ذمے واجب ہے یا وہ خود ادا کرے گی، جبکہ اس کا مہر یا مال نصاب کو نہیں پہنچتا ہو؟

الجواب:- جب عورت مالک نصاب ہو تو صدقۂ فطر کی ادائیگی کی وہ خود ذمہ دار ہوگی، شوہر کے ذمے بیوی کا فطرانہ ادا کرنا لازم نہیں، تاہم اگر شوہر نے بیوی کی طرف سے فطرانہ دیدیا تو ادا ہو جائے گا، اور اگر وہ نصاب کی مالک نہ ہو تو سرے سے اس پر فطرانہ واجب ہی نہیں۔

لما قال العلامة المرغيناني: ولا يؤدي عن زوجته ولا عن أولاده الكبار وان كانوا في عياله ولو أدى عنهم أو عن زوجته أجزأهم استحساناً۔ (الهداية ج۱ ص[illegible] باب صدقة الفطر) [١]

کیا قرض معاف کر دینے سے صدقۂ فطر ادا ہوگا؟

سوال:- ایک شخص کے ذمے کچھ قرض ہے، اگر قرض دہندہ وہ قرض اس غریب آدمی کو صدقۂ فطر کی جگہ معاف کر دے تو کیا اس شخص کا صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- فطرانہ صدقات واجبہ میں سے ہے جس میں تملیک شرط ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ تملیک نہیں ہوتی بلکہ بغیر وصولی کے معاف کیا جاتا ہے اسلئے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا۔ تاہم اگر اس طرح کرنا ہی ہو تو پہلے غریب مقروض کو فطرانہ ادا کرے اور اس کے بعد اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے۔

لما قال العلامة الحصكفي: ويشترط ان يكون الصرف تمليكاً۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص[illegible] باب المصرف) [٢]

---

[١] وفي الهندية: ولا يؤدي عن زوجته ولا عن أولاده الكبار وان كانوا في عياله ولو أدى عنهم أو عن زوجته أجزأهم استحساناً۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۳ الباب الثامن في صدقة الفطر)

ومثله في الجوهرة النيرة ج۱ ص[illegible] باب صدقة الفطر۔

[٢] وفي الهندية: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى هذا في الشرع۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص[illegible] كتاب الزكوٰة الباب الأول في تفسيرها)

صدقۂ فطر اور قربانی میں احتیاط

سوال: ایک شخص صاحبِ جائیداد ہے لیکن اس کی آمدنی قوتِ لایموت کا ذریعہ ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد مال نہیں تو کیا اس شخص پر صدقۂ فطر یا قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں مفتیٰ بہ روایت یہ ہے کہ اس شخص پر قربانی یا فطرانہ واجب نہیں البتہ احتیاط یہی ہے کہ حتی الامکان فطرانہ یا قربانی ادا کرے۔ اور اگر جائیداد کی آمدنی اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو تو اس صورت میں بالاتفاق فطرانہ اور قربانی واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: سئل محمدؒ عمن له ارض يزرعها او حانوت يستغلها او دار غلتها ثلاثة آلاف لا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة يحل له اخذ الزكوة وان كانت قيمتها تبلغ الوفا وعليه الفتوى وعندهما لا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۷ باب صدقة الفطر)[1]

رمضان کے دوران صدقۂ فطر ادا کرنا

سوال: اگر ایک شخص صدقۂ فطر رمضان المبارک میں ادا کرے تو کیا اس سے اس شخص کا ذمہ فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: صدقۂ فطر کا وجوب عید الفطر کے دن طلوعِ فجر سے پہلے ہوگا لیکن اگر کوئی شخص عید سے قبل ہی فطرانہ ادا کرنا چاہے وہ رمضان کے کسی بھی دن میں ادا کرے تو اس کا فطرانہ ادا ہو جائے گا اگرچہ مستحب عید کے دن عیدگاہ میں جانے سے قبل ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: والمستحب ان يخرج الناس الفطرة يوم الفطر قبل الخروج الى المصلى ... فان قدموها على يوم الفطر جاز لانه ادى بعد تقرر السبب فاشبه التعجيل في الزكوة۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۹۳ باب صدقة الفطر)[2]

---

[1] وفي الهندية: ولو كان له حوانيت او دار غلة تساوي ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا تكفي لقوته وقوت عياله يجوز صرف الزكوة اليه في قول محمدؒ ولو كان له ضيعة تساوي ثلاثة آلاف الخ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع في المصارف)
ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف۔

[2] وفي الهندية: والمستحب للناس ان يخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر يوم الفطر قبل الخروج الى المصلى۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۹۲ الباب الثامن في صدقة الفطر)
ومثله في الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے

سوال: آجکل لوگ فطرانہ میں گندم وغیرہ کی قیمت دیدیتے ہیں تو کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ اور فطرانہ کا حکم ایک جیسا ہے جس طرح عشر میں جیسے اس کی قیمت ادا کرنا جائز ہے اسی طرح فطرانہ میں بھی غلہ کی قیمت دینا درست ہے بلکہ بہتر ہے بخلاف قربانی کے وہاں جانور ذبح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: - ودفع القيمة اى الدراهم افضل من دفع العين على المذهب المفتى به جوهرة وبحر عن الظهيرية وهذا فى السعة اما فى الشدة فدفع العين افضل كما لا يخفى. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج٢ ص٣٦٦ باب صدقة الفطر)[1]

علاقائی سطح پر گندم کی قیمت میں تفاوت کی صورت میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال: اگر پنجاب میں گندم کی قیمت کم ہو اور سرحد میں زیادہ ہو تو کیا ہم پنجاب میں گندم کی قیمت کا اعتبار کرکے فطرانہ دیں تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب: اصل یہ ہے کہ فطرانہ میں گندم یا دوسری چیز دی جائے جس کا اعتبار شریعت نے کیا ہے، اور اگر اس کے بدلے میں قیمت دینا چاہیں تو اپنے شہر کی قیمت کا اعتبار کرکے دی جائے، دوسرے علاقے یا شہر کی قیمت کا اعتبار کرنا درست نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: - ويقوم فى البلد الذى المال فيه ولو فى مفازة ففى اقرب الامصار اليه. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج٢ ص٢٨٦ باب زكوٰة الغنم)[2]

---

[1] وفى الهندية: والدقيق اولى من البر والدراهم اولى من الدقيق لدفع الحاجة وما سواه من الحبوب لا يجوز الا بالقيمة وذكر فى الفتاوى ان اداء القيمة افضل من عين المنصوص عليه وعليه الفتوى.
(الفتاوى الهندية ج١ ص١٩٢ الباب الثامن فى صدقة الفطر)
ومثله فى الجوهرة النيرة ج١ ص١٦٣ باب صدقة الفطر.

[2] وفى الهندية: ويقوم المالك فى البلد الذى فيه المال حتى لو بعث عبدا للتجارة الى بلد آخر فحال الحول تعتبر قيمته فى ذلك البلد ولو كان فى مفازة تعتبر قيمته فى اقرب الامصار الى ذلك الموضع.
(الفتاوى الهندية ج١ ص١٨٠ الباب الثالث فى زكوٰة الذهب والفضة والعروض)
ومثله فى فتاوى دارالعلوم ديوبند ج٦ ص٣٢٢ مسائل صدقة الفطر.

نصف صاع سے کم آٹا صدقۂ فطر میں دینے کا حکم

سوال:۔ اگر گندم کی بجائے آٹا نصف صاع سے کم اس لیے دیا جائے کہ گندم کے صاف کرنے اور اس کی پسائی پر کچھ رقم بھی خرچ ہوتی ہے، تو کیا اس طرح فطرانہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر کی صریح عبارات سے گندم اور آٹے کو برابر شمار کیا ہے کہ فطرانہ میں نصف صاع گندم یا آٹا یا ستو دینا واجب ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فطرانہ پوری طرح ادا نہیں ہوا، نصف سے جتنا کم آٹا دیا ہوا ہے اتنا آٹا اور دینا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ:۔ نصف صاع من بر او دقيقه او سويقه او زبيب

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۷۴ باب صدقة الفطر)۔ لہ

غیر منصوص اشیاء میں فطرانہ کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں چاول کی فصل زیادہ ہوتی ہے، اگر ہم صدقہ فطر میں چاول دینا چاہیں تو کس مقدار سے ادا کریں، نصف صاع کے اعتبار سے یا پورے صاع کے اعتبار سے؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنے کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنا چاہتا ہو تو منصوص اشیاء کی قیمت کا اعتبار کرکے اس قیمت کے برابر جتنے چاول یا دیگر غیر منصوص اشیاء بنتے ہوں دیئے جائیں تو اس طرح فطرانہ ادا ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ:۔ نصف صاع فاعل يجب من بر او دقيقه او سويقه او زبيب ..... او صاع تمر او شعير ولو رديئا وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۷۷ باب صدقة الفطر) لہ

لہ وفی الھندیة:۔ وھی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او تمر ودقیق الحنطة والشعیر وسویقھما مثلھما والخبز لا یجوز الا باعتبار القیمة وھو الاصح الخ (الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص۱۹۱ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

ومثلہ فی الھدایة ج ۱ ص۱۹۲ باب صدقة الفطر۔

لہ وفی الھندیة:۔ ثم الدقیق اولیٰ من البر والدراھم اولیٰ من الدقیق لدفع الحاجة وما سواہ من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة۔ (الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

ومثلہ فی الجوھرة النیرة ج ۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

میوہ جات میں گندم کی قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر کوئی علاقہ ایسا ہو جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء کی پیداوار نہ ہو بلکہ وہاں زیادہ تر میوہ جات کے باغات ہوں تو وہاں کے رہنے والے فطرانہ میں گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقہ کی قیمت کے مطابق کریں یا جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار کریں؟

الجواب:۔ جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء پیدا نہ ہوتی ہوں تو فطرانہ میں اپنے علاقہ کی پیداوار کو گندم وغیرہ کی قیمت کے برابر ادا کیا جائے جبکہ گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقے یا شہر کا ہوگا، جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة الحصكفي: نصف صاع فاعل يجب من بر او دقيقه او سويقه او زبيب او صاع تمر او شعير ودقيقه وسويقه وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة ۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر)

وقال ايضاً: ويقوم في البلد الذي المال فيه. (الدر المختار على صدر رد المحتار جلد۲ ص۲۸۶ باب زكوة الغنم) [1]

کم سنی میں بچی کے نکاح کی وجہ سے اس کے صدقہ فطر کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بہت کم سنی میں ماں باپ بچی کا نکاح کر دیتے ہیں تو شرعاً ایسی بچی کا صدقہ فطر ماں باپ پر واجب ہے یا سسرال والوں پر؟

الجواب:۔ جس لڑکی کا نکاح کم سنی میں ہوا ہو تو اس کے صدقہ فطر کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ خود صاحب مال ہو تو صدقہ فطر اسی کے مال سے دیا جائے گا اور صاحب مال نہ ہو تو اگر رخصتی نہ ہوئی ہو تو باپ کے ذمے ورنہ کسی پر بھی واجب نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري رحمه الله: زوج ابنته الصغيرة من رجل وسلمها اليه ثم جاء يوم الفطر لا يجب على الاب

---

[1] وفي الهندية: ثم القيمة اولى من البر ولذا هم اولى من الدقيق لدفع الحاجة وما سواه من الحبوب لا يجوز الا بالقيمة ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۱ الباب الثامن في صدقة الفطر)

ومثله في الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر

صدقۃ الفطر (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۲۲ الفصل الثالث عشر فی صدقۃ الفطر) لہ

حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال:- کیا اپنے حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر اور نماز روزے کا فدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بہن بھائی چونکہ اصول و فروع میں داخل نہیں ہیں اس لئے ان کو جملہ صدقات دینا جائز ہیں چاہے زکوٰۃ ہو یا صدقۂ فطر وغیرہ، اسی طرح نماز روزے کا فدیہ دینا بھی جائز ہے۔

وفی الهندية: والافضل فی الزکوٰة والفطر والنذر والصرف اولاً الی الاخوة والاخوات ثم الی اولادهم ثم الی الاعمام والعمات الخ۔ (الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۱۹۰ باب المصارف) ٹہ

صدقۂ فطر دوسرے شہر کو منتقل کرنا کیسا ہے؟

سوال:- زکوٰۃ تو ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا مکروہ ہے تو کیا صدقۂ فطر کا بھی یہی حکم ہے؟

الجواب:- جس طرح زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے اسی طرح صدقۂ فطر کا انتقال بھی کراہت سے خالی نہیں البتہ اگر ایک شہر کے لوگ زیادہ حاجتمند ہوں تو پھر اس کے انتقال میں کوئی کراہت نہیں۔

وفی الهندية: ویکره نقل الزکوٰة من بلد الی بلد الا ان ینقلها الانسان الی قرابته او الی قوم هم احوج الیها من اهل بلده۔ (الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۱۹۰ باب المصارف) ٹلہ

لہ لما فی الهندية: تزوج ابنته الصغيرة من رجل وسلمها اليه ثم جاء يوم الفطر لا تجب على الاب صدقة فطرها۔

(الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۱۹۳ باب صدقة الفطر)

ومثله فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۸۰ باب صدقة الفطر۔

ٹہ قال العلامة ابن نجيم المصري: قيد باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو اولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف)

ومثله فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۸۲ باب صدقة الفطر

ٹلہ قال العلامة ابو البركات النسفي: وكره نقلها الى بلد آخر لغير قريب واحوج۔

(كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج۲ ص۲۵۰ باب المصارف)

ومثله فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۸۲ باب صدقة الفطر۔

نابالغ بچے کا فطرانہ اس کے والد پر واجب

سوال :- اگر ایک نابالغ بچہ نصاب کا مالک ہو جاتا ہو مگر باپ نے اس کا صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو تو کیا یہ بچہ بلوغ کے بعد اپنا صدقۂ فطر ادا کرے گا یا نہیں؟

الجواب :- صدقۂ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اور اگر نابالغ بچے کا باپ مالدار ہو تو اس پر اپنے نابالغ بچے کا فطرانہ دینا واجب ہے۔ اب اگر بچہ خود مالدار ہو مگر اس کے سرپرست نے فطرانہ اس کی طرف سے ادا نہ کیا تو بعد البلوغ بچے پر اپنا فطرانہ ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: (على كل حر مسلم ولو صغيراً أو مجنوناً حتى لو لم يخرجهما وليهما وجب الأداء بعد البلوغ. (الدر المختار على هامش الطحطاوي ج ۱ ص ۴۳۳ باب صدقة الفطر) ؎۱

قیدیوں کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال :- اگر جیل میں قیدیوں کو صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اس سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- صدقۂ فطر کے لیے بھی زکوٰۃ کی طرح فقیر و غریب شخص کو تملیک کرانا لازمی ہے لہٰذا اگر جیل میں قیدی غریب اور فقیر ہوں تو ان کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔

لما قال العلامة أبو البركات النسفيؒ: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه۔
(كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ كتاب الزكوٰة) ؎۲

؎۱ لما قال الشيخ أشرف علي شاه التهانوي رحمه الله: ... ہاں اس صبی کو بعد بلوغ صدقۂ فطر ادا کرنا ہوگا، اور اگر صبی مالک نصاب نہ ہو مگر باپ صاحب نصاب تھا اور اس نے ادا نہ کیا تو صبی پر بعد البلوغ واجب نہ ہوگا۔
(امداد الفتاوی ج ۲ ص ۔۔ باب صدقۃ الفطر)

؎۲ وقال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: هي تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكوٰة لا يجزيه ..... جزء مال ..... عينه الشارع وهو ربع عشر نصاب حولي ..... مسلم فقير ولو معتوهاً غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه [illegible] لله تعالى. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۸ تا ۲۵۹ كتاب الزكوٰة)

پچاس روپے کے نصاب پر قربانی فطرانہ کی تحقیق

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ رشیدیہ ص[illegible] میں لکھا ہے کہ جس کے پاس پچاس روپیہ نقد ہو اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، کیا یہ نصاب صحیح ہے؟

الجواب: فتاویٰ رشیدیہ میں پچاس روپے کے نصاب سے مراد اس زمانے کے سونے کے روپے ہیں جن کی قیمت نصاب کے برابر تھی۔ آجکل کاغذی نوٹوں کا یہ نصاب نہیں ہے بلکہ چاندی یا سونے کے نصاب کے حساب سے جو پیسے بنتے ہوں اتنے پیسوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ موجودہ دور کے کاغذی نوٹ عروض تجارت کے حکم میں ہیں۔

وفی الهندية: الزكوٰة واجبة فی عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا فی الهداية۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۷۹ الفصل الثانی فی العروض) [1]

زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں مال نامی اور غیر نامی کا فرق

سوال:- ایک شخص نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جس آدمی پر زکوٰۃ واجب نہ ہو اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہیں، تو کیا یہ بات صحیح ہے یا دونوں کے نصاب میں کچھ فرق ہے؟

الجواب:- زکوٰۃ، صدقہ اور قربانی کا نصاب اگرچہ ایک ہی ہے یعنی جس شخص کے پاس ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونا یا دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر موجودہ کرنسی یا دوسرا سامان جو حوائج اصلیہ اور قرض سے زائد موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ، صدقہ فطر اور قربانی تینوں واجب ہیں، البتہ زکوٰۃ کے نصاب کے ساتھ نمو اور سال کا گزرنا ضروری ہے جبکہ صدقہ فطر اور قربانی کے نصاب کے ساتھ یہ دونوں شرطیں ضروری نہیں، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ جس کے ذمے زکوٰۃ دینا لازم نہ ہو وہ صدقہ فطر بھی

---

[1] قال ابن نجیم: وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق او ذهب معطوف على قوله اول الباب فی مائتی درهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۵ باب زكوٰة المال)
ومثله فی الدر المختار ج ۲ ص [illegible] باب زكوٰة المال۔

اگر کوئی شخص انگلینڈ میں رہتا ہے تو وہ پاؤنڈ کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرے گا اور اگر پاکستان میں رہتا ہو تو پاکستانی روپیہ کے حساب سے ادا کرے گا۔

بھائی کی طرف سے ادا کردہ صدقۂ فطر کی رقم لینے کا حکم

سوال:- میرا بھائی سعودی عرب میں ہے اور اس کے بیوی بچے پاکستان میں ہیں، عید الفطر پر اسکے پیسے لیٹ ہو گئے تو میں نے اپنی جیب سے اسکے بال بچوں کا صدقۂ فطر ادا کر دیا، اب اسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اور اس نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا کہا بھی ہے تو کیا میں ان پیسوں سے اپنے وہ پیسے لے سکتا ہوں یا نہیں جو میں نے بھائی کی طرف سے صدقے کیے تھے؟

الجواب:- چونکہ صدقۂ فطر آپ کے بھائی پر واجب تھا جو آپ نے اسکی طرف سے ادا کیا تو یہ پیسے آپکے ذمہ قرض ہو گئے، اب چونکہ اسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اس لیے آپ ان پیسوں سے اپنا حق وصول کر سکتے ہیں۔

لما قال المفتی عبد الرحیم: (الجواب) مسئلہ کی رقم وصول ہونے سے پہلے چچا کی رقم میں سے بھائی صدقہ کر دے اور آئی ہوئی رقم خود رکھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ج۶ ص۱۷۱ احکام صدقۂ فطر)

زمیندار کیلئے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک شخص کی بہت زیادہ زمین ہے لیکن اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ نہیں اور نہ ہی اس زمین سے کوئی خاص آمدنی حاصل ہوتی ہے تو کیا اس شخص پر صدقہ ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر یہ زمین اس کے اہل و عیال کے جملہ ضروریات اور دیگر اخراجات سے زائد ہو اور اس کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو اس شخص پر صدقۂ فطر ادا کرنا لازم ہے، اگر زمین کی جملہ آمدنی سے بمشکل اس کی گزر بسر ہوتی ہو اور اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ بھی نہ ہو تو پھر اس کے ذمہ صدقۃ الفطر لازم نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: تجب علی کل مسلم ولو صغیرا مجنونا ------ ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ کدینہ وحوائج عیالہ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۹،۳۶۰ باب صدقۃ الفطر)

باب مصارف الزکوٰۃ

(زکوٰۃ کے مصارف کے بیان میں)

مال دار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کی جائیداد (غیر منقولہ) کی قیمت لگا کر حساب لگایا جائے تو قیمت کے اعتبار سے یہ شخص غنی شمار ہو سکتا ہے لیکن اس جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی اتنی نہیں کہ جس سے اس کی گزر اوقات ہو، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں غیر منقولہ جائیداد کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ فقہاء نے بنیادی طور پر اس کے گزر اوقات کو دیکھا جاتا ہے، اس لیے جب کسی شخص کی جائیداد کی قیمت تو زیادہ ہو لیکن آمدنی کے اعتبار سے اس کے معاش کیلئے ناکافی ہو اور نہ اس کے پاس نقد رقم ہو تو ایسا شخص مصرف زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

لما قال فی الھندیۃ: وکذا لوکان عندہ من المصاحف وھو محتاج الیہ ۔۔۔ وان کان ۔۔۔ ولکن لوکان لہ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف درھم وغلتھا لا تکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ الیہ فی قول محمدؒ ولو کان لہ ضیعۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف ولا تخرج ما یکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف)[1]

صاحب جائیداد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس تقریباً ۲۵ کنال زمین ہے اور اس کی قیمت نصاب زکوٰۃ یعنی ۲/۱-۵۲ تولہ چاندی سے زیادہ ہے اور اس کے پاس رہنے کے لیے اپنا مکان بھی ہے تو کیا یہ شخص دوسروں سے

---

[1] قال طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو کان لہ ضیعۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف درھم ولا یخرج منھا ما یکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ۔

(خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۴۲، الفصل الثامن فی اداء الزکوٰۃ)

ومثلہ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۴ ص۸۶ الباب الثانی فی المصرف

زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں اور نہ قیمت سببِ غنا ہے بلکہ زمین کی آمدنی اگر اس کے اخراجات کے لیے کافی ہو تو یہ شخص صاحبِ جائیداد ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور اگر زمین کی آمدنی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو تو پھر اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ولو كان له ضيعة قيمتها ألوف ولا يحصل منها ما يكفي له ولعياله اختلف فيه قال محمد بن مقاتل يجوز صرف الزكاة إليه۔ (زيلعي على هامش الهندية ج ۱ ص [illegible])[1]

گائے یا بیل کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: اگر ایک آدمی کے پاس ایک گائے ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہو تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی صرف ایک گائے کا مالک ہونے سے وہ آدمی غنی شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: غنا کے لیے حوائجِ اصلیہ سے زائد ۵۲½ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کی مالیت کا مالک بننا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص کی ضروریات سے زائد ایک گائے یا بیل ہو اور اس کی قیمت ۵۲½ تولہ چاندی تک پہنچتی ہو تو اس سے یہ شخص غنی متصور ہوگا اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

قال في الهندية: وببقرة واحدة غني وبثلاثة ثيران إذا ساوى أحدها مائتي درهم صاحب نصاب (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۹۳ كتاب الاضحية، الباب الأول في تفسيرها الخ)[2]

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشيد البخاري: ولو كان له ضيعة تساوي ثلاثة آلاف درهم ولا تخرج منها ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل يجوز له أخذ الزكاة۔
(خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۴۲ الفصل الثامن في أداء الزكاة)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۸۹ الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض۔

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: وببقرة واحدة غني وبثلاثة ثيران غني إذا ساوى أحدها مائتي درهم صاحب نصاب (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۱۳ [illegible])

غنی آدمی کا زکوٰۃ قبض کر کے پھر فقیروں کو دینے کا حکم

سوال:- ایک صاحب نصاب آدمی زکوٰۃ کی رقم اپنے قبضے میں لے کر خود تو استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ فقیروں اور مستحقین کو دیدیتا ہے تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ کے مال کا اپنے قبضہ میں لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:- مذکورہ شخص کے لیے دوسروں سے زکوٰۃ لینا جائز نہیں کیونکہ یہ غنی ہے اور غنی آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور اس صورت میں یہ آدمی نہ اصیل ہے اور نہ وکیل، اور یہ مالِ زکوٰۃ کو اپنے قبضہ میں لے کر دوسروں کو بطور صدقہ دیتا ہے لہٰذا اس طریقہ سے مالِ زکوٰۃ اپنے قبضہ میں لے کر محتاجوں اور فقیروں کو دینا مناسب نہیں، تاہم توکیلاً قبضہ کر کے فقیروں میں تقسیم کرنا مستحسن ہے۔

لما في الهندية: وكذا لو كان عنده من المصاحف وهو محتاج إليه وإن كان لا يحتاج إليه وهو يساوي مائتي درهم لا يجوز صرف الزكاة إليه ولا يجوز له أخذه۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۹ كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف) لہ

اصول و فروع زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال:- اگر کسی شخص کے والدین علیحدہ رہتے ہوں، آمد و خرچ کا انتظام ایک دوسرے سے الگ ہو کیا ایسی صورت میں کسی ایک کے غریب ہونے کی صورت میں اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اصول و فروع اور میاں بیوی کا رشتہ ایسا قوی رشتہ ہے جو املاک کے الگ ہونے کے باوجود بھی الگ نہیں ہوتا، اس لیے علیحدہ علیحدہ کاروبار کے ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

قال علي ابن أبي بكر المرغيناني رحمه الله:- ولا يدفع المزكي زكوة ماله إلى أبيه وجده وإن علا ولا إلى ولده وولد ولده وإن

لہ قال الامام برهان الدين المرغيناني: ولا تدفع إلى غني لقوله عليه السلام لا تحل الصدقة لغني۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج۲ ص۲۰۸ باب ما يجوز دفع الزكوة وما لا يجوز) ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ كتاب الزكوة باب المصرف۔

سئل ... الخ (الہندیۃ ج ۱ ص ۲۰۶ باب المصارف) ۱؎

رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں صلہ رحمی کی رعایت ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کے رشتہ دار فقیر ہونے کے باوجود دیندار نہ ہوں تو کیا کسی اجنبی فقیر (جو دیندار بھی ہو) کو زکوٰۃ دینی چاہیے یا اس قریبی رشتہ دار کو؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ میں ملنے والی رقم بے دینی کے کاموں میں خرچ کرتا ہو تو ایسے شخص کو خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو زکوٰۃ دینا تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، البتہ اگر بے دینی کے کاموں میں خرچ نہ کرتا ہو ذاتی ضروریات میں صرف کرتا ہو تو پھر رشتہ دار کی رعایت اولیٰ ہے کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس میں صلہ رحمی کی رعایت بھی ہے۔ البتہ اگر کسی اجنبی کو زکوٰۃ دی گئی ہو تو ذمہ فارغ متصور ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ہم اولیٰ لانہ صلۃ وصدقۃ وفی الظہیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۶ باب المصرف) ۲؎

بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر بہن بھائی غریب ہوں تو کیا ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے نادار بہن و بھائی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی اور اصول و فروع کے علاوہ باقی تمام رشتہ داروں کو

۱؎ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولا الیٰ من بینہما ولاد ... ای اصلہ وان علا کابویہ واجدادہ وجداتہ من قبلہما وفرعہ وان سفل۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۶ باب المصرف)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف۔

۲؎ قال زین الدین ابن نجیمؒ: وقید باصلہ وفرعہ لان من سواہم من القرابۃ یجوز الدفع لہم وہو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء ولہذا قال فی المنح وفی الظہیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقرب ثم الموالی ثم الجیران الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)
ومثلہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصرف۔

زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ صاحبِ نصاب نہ ہوں۔ اور بہن و بھائی اس زمرہ میں آکر ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: وقید بالولاد لجواز لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ہم اولیٰ لانہ صلۃ وصدقۃ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۶ باب المصرف)[1]

کسی غریب کو ہبہ یا قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا

سوال: بعض لوگ زکوٰۃ نہیں لیتے حالانکہ وہ کافی غریب ہوتے ہیں تو اگر اُن کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں نیت زکوٰۃ کی ہو تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: دو اوقات میں کسی ایک وقت کے اندر زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے، ایک زکوٰۃ کی رقم کو الگ کرتے وقت اور دوسرے زکوٰۃ دیتے وقت۔ ان اوقات میں جس وقت بھی زکوٰۃ کی نیت کرے اور کسی غریب و مستحق کو جس طرح بھی دے دی جائے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب کسی مستحق کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دے دی گئی اور نیت زکوٰۃ کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اگر یہ غریب اس رقم کو واپس کر دے تو اس سے کسی دوسرے مستحق کو دیدی جائے۔

لما فی الھندیۃ: ومن اعطی مسکینا دراھم وسماھا ھبۃ او قرضا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزیہ وھو الاصح۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول)[2]

جس شخص کی آمدنی میں بچت نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے

سوال: ایک شخص کی آمدنی تو معقول ہے لیکن گھریلو اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ بمشکل اس کا گذارہ ہوتا ہے بلکہ کبھی یہ شخص

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصرف۔

[2] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: من اعطی مسکینا دراھم وسماھا ھبۃ او قرضا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزیہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ)

سال بھر مقروض رہتا ہے، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: واضح رہے کہ گھریلو اخراجات کو اس وقت اعتبار دیا جاتا ہے جب شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے انسان کی ضرورت کا تکفل ہو، غیر شرعی اور تبذیر و اسراف کے اخراجات کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر ایک شخص کے گھریلو اخراجات اس کی آمدنی سے مشکل پورے ہوتے ہوں، نصاب کی مقدار سے بچت ہو کر اس کی ضروریات سے زائد رقم اس کے پاس نہ ہو تو یہ شخص زکوٰۃ کا مصرف رہتا ہے اور اس کو زکوٰۃ دینا از روئے شریعت جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وذکر فی الفتاوی فیمن له حوانیت ودور للغلة لکن غلتها لا تکفیه وعیاله انه فقیر ویحل له اخذ الصدقة عند محمد (رحمه الله)

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۸ باب المصرف تحت مطلب فی جهاز المرأة [illegible])

سوال: کسی مالدار شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بچوں کی کفالت اور خرچ وغیرہ باپ کے ذمہ ہو؟

صاحبِ نصاب شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینا

الجواب: بلوغ کے بعد اولاد اور والدین میں ملکیت کے اعتبار سے جنسیت محسوس ہونے کی وجہ سے کوئی ملکیتی اتحاد نہیں رہتا اس لیے باپ کی مالداری سے بچے کی حالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے مالدار آدمی کے غریب بالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ لیکن قبل البلوغ بچے کی تمام ضروریات کی ذمہ داری والد پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غنا میں والد کے تابع رہ کر والد کے غنی ہونے کے وقت اس کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا الی طفل الغنی لانه یعد غنیا بیسار ابیه بخلاف ما اذا کان کبیرا فقیرا لانه لا یعد غنیا بیسار ابیه وان کانت نفقته علیه (الهدایة ج ۱ ص [illegible] باب من یجوز دفع الصدقة الیه)

لما قال العلامة فخر الدین الزیلعی: ومن له حوانیت ودار غلة لا تکفی غلتها له ولعیاله [illegible] یکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰۃ فی قول محمد (فتاوی [illegible] ج ۱ ص [illegible] فصل فی [illegible])

وکذا فی فتاوی الهندیة ج ۱ ص [illegible] باب المصرف۔

[illegible] ولا الی غنی [illegible] طفل [illegible] الی [illegible] لانه یعد غنیا بیسار ابیه [illegible] الغنی فیصرف الی ابنه [illegible] (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۹ باب المصرف)

وکذا فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

مہاجرین کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- کیا مہاجرین کو محض ہجرت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ کیا اگر کسی مہاجر کے پاس اپنے ملک میں نصاب کی مقدار کے برابر مال ہو لیکن ہجرت کرنے کے بعد غربت کی زندگی گزار رہا ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ میں بنیادی چیز فقراء کی مشکلات کو آسان کرنا ہوتا ہے محض اس وجہ سے کہ فلاں مہاجر ہے اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصاباً من ای مال کان. (الہدایہ باب المصرف ص۱۸۹ ج۱)

البتہ جو شخص اپنے ملک میں صاحبِ نصاب تھا لیکن ہجرت کرکے کسی اور جگہ جانے کے بعد جب یہ شخص صاحبِ نصاب نہ رہے تو اپنے ملک میں مالدار ہونے کی وجہ سے ہجرت کی جگہ صاحبِ نصاب نہیں بن سکتا ہے لہٰذا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ لقولہ تعالیٰ: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ. (الآیۃ)

کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ دینے کا حکم

سوال:- کسی غیر مسلم کو اس کی غربت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کی صحتِ ادائیگی کے لیے مصرف کا مسلمان ہونا شرط ہے اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ کسی غیر مسلم کو نہیں دیئے جا سکتے۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی لقولہ علیہ السلام لمعاذ خذها من اغنیائهم وردها فی فقرائهم ویدفع الیه ما سوی ذلک من الصدقة. (الہدایہ ج۱ ص۲۰۶ باب من یجوز دفع الصدقة الیه ومن لا یجوز)[1]

قال الحصکفیؒ: ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلیة من ای مال کان. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۷ باب المصرف)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف۔

[1] قال علاء الدین الحصکفیؒ: (و) لا تدفع (الی ذمی) لحدیث معاذ (وجاز) دفع (غیرها وغیر العشر والخراج (الیه) ای الذمی ولو واجباً کنذر وکفارة وفطرة خلافاً للثانی. الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۱ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- نابالغ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کے مصرف میں یہ ضروری نہیں کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے وہ بالغ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا عاقل ہو، رقم لینے اور اس کو خرچ کرنے کے بارے میں فہم رکھتا ہو۔ مراہق بچہ عموماً اس درجہ کا عقل ضرور رکھتا ہے اس لیے مراہق عاقل بچے یا بچی کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم ایسا نابالغ بچہ غربت و مالداری میں والد کا تابع ہوتا ہے، اس لیے اگر اس کا والد صاحب نصاب ہو تو پھر اس کے نابالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ودفع الزکوٰۃ الی صبیان اقربائه برسم عید او الی مبشر او مهدی الباکورۃ جاز۔ وقال ابن عابدینؒ تحت قوله (الی صبیان اقاربه) ای العقلاء والا فلا یصح الا بدفع الی ولی الصغیر۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۳۵ باب المصرف)[1]

علم دین کا طالب زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے

سوال:- دینی مدارس کے طلبہ کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان میں اکثر طلباء محتاج ہوتے ہیں اور اہل خیر کی توجہات کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں؟

الجواب:- دینی مدارس کے طلباء شب و روز علم دین کے حصول میں مصروف رہتے ہیں اور دنیوی کاموں کی طرف بہت کم توجہ دے پاتے ہیں اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کے یہ لوگ زیادہ مستحق ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی نسبت ان کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے، تاہم کسی مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ وفی رد المحتار: ای من الجاهل الفقیر قهستانی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵ باب المصرف)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ولو قبض الصغیر وهو مراهق جاز وکذا لو کان یعقل القبض بان کان لا یرمی به ولا یخدع عنه ولو دفع الی فقیه بحجره جاز۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ باب المصرف)
ومثله فی فتاوی قاضی خان ج۱ ص۲۸ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰۃ۔

[2] وفی الهندیة: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاهل۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۷ الباب السابع فی المصارف)
ومثله فی الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۳۹۲ باب المصرف۔

کسی دینی مدرسہ کے مالدار استاذ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سوال: اگر کسی شخص نے اعلائے دین بسوچ اور درس و تدریس کے لیے اپنے آپ کو فارغ کیا ہو اور مالی اعتبار سے اس کی حالت مستحکم ہو یعنی مالک نصاب ہو تو کیا ایسے شخص کو علوم دینیہ کا مدرس ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ زکوٰۃ کی تملیک میں قبض کرنے والے کا فقیر ہونا شرط ہے اس لیے عامل کے علاوہ زکوٰۃ کے مصرف کی دوسری قسموں میں کسی فقیر کے علاوہ غنی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تدریس کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جو اس کو زکوٰۃ کا مصرف بنا دے، اس لیے صاحب نصاب مدرس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: هذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد۔ قلت وهو كذلك والاوجه تقییده بالفقیر... قال الاتفاق علی ان الاصناف كلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۴۳ باب المصرف)[1]

سادات زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال: سادات کے لیے مال غنیمت میں خمس الخمس باقی نہ رہنے کی وجہ سے کیا ان کو زکوٰۃ یا دیگر صدقات واجبہ دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ خاص کر جب سادات فقراء ہوں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کی طرف منسوب سادات حضرات بذات خود ہر وقت تعظیم و احترام کے قابل ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کو عظمت و عزت کی نگاہ سے دیکھنا ایمانی جذبہ کا تقاضا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ نہ دینے کا حکم ان کی عظمت و احترام کی وجہ سے دیا تھا اس لیے ان کا حکم مرور زمانہ یا خمس الخمس نہ رہنے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتا، تاہم ارباب استطاعت کے لیے ضروری ہے کہ نفلی صدقات اور عطیات سے ان کے ساتھ تعاون کریں تاکہ ان کی حالت بہتر رہے اور صدقات واجبہ زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ نہ دیا کریں، اگرچہ امام طحاویؒ سے جواز کا قول مروی ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا تدفع الی بنی هاشم لقوله علیه السلام یا بنی هاشم

---

[1] قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصابا من ای مال كان الخ۔ (الهدایة ج۱ ص۲۰۶ باب المصرف)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

ان الله تعالیٰ حرم علیکم غسالة الناس و وساخهم۔ الخ (الهدایة ج ۱ ص ۲۰۶ باب المصرف) لـه

کسی مستحق کو مقدار نصاب زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال: اگر کسی فقیر یا مستحق کو اتنی زکوٰۃ دی جائے جو اس کے غنا کا سبب بن سکے اور وہ اس سے صاحب نصاب بن جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ دینے میں بنیادی فلسفہ فقراء کی حالت بہتر بنانا ہے، اس لیے ان کو اتنا مال دینا مناسب ہے جس سے ان کی غربت دور ہو سکے، لہٰذا اگر کوئی شخص مقروض ہو تو اس کو قرضہ کی ادائیگی کے لیے مطلوبہ رقم دینا جائز ہے اگرچہ یہ رقم نصاب سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن بلاوجہ کسی شخص کو نصاب کی مقدار کی زکوٰۃ دینا مکروہ ہے تاہم زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (وکره اعطاء فقیر نصاباً) او اکثر (الا اذا کان) المدفوع الیه (مدیوناً او) کان (صاحب عیال) بحیث (لو فرقه علیهم لا یخص کلا) او لا یفضل بعد دینه (نصاب) فلا یکره الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳ باب المصرف) ـه ۲

عصری علوم حاصل کرنے والے طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال: ایک طالب علم کالج یا یونیورسٹی میں پڑھتا ہو اور تعلیمی اخراجات اس کی استطاعت سے بالا ہوں، تو کیا اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب: عصری علوم کا تعلیم حاصل کرنا کوئی ناجائز نہیں اور نہ اس میں مصروفیت کی وجہ سے انسان کی اہلیت متاثر ہوتی ہے، اس لیے ایسا طالب علم جب مسلمان اور بالغ ہو اور صاحب نصاب نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کا والد مالدار ہو کیونکہ بالغ بیٹا والد کی مالداری سے مالدار نہیں بنتا ہے، تاہم غیر شرعی اخراجات میں تعاون کرنا تعاون علی المعصیت

لـه وفی الهندیة: ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آل علیؓ وآل عباسؓ وآل جعفرؓ وآل عقیلؓ وآل الحارث بن عبد المطلب الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ باب المصرف۔

ـه ۲ قال زین الدین ابن نجیمؒ: (قوله وکره الاغناء) ای کره ان یدفع الی فقیر ما یصیره غنیا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۹ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۸ باب المصرف۔

مدارس عربیہ کو سفراء کے ذریعہ زکوٰۃ دینا

سوال:- مدارس عربیہ کے لیے کوئی مستقل ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ کی رقوم سفراء کی وساطت سے جمع کی جاتی ہیں، کیا مدارس کے سفراء کو زکوٰۃ دے دینے سے انسان کی ذمہ داری فارغ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ کی صحت ادائیگی کے لیے فقراء و مساکین کی تملیک شرط ہے[1] اس لیے جن مدارس میں طلباء کو کھانا دیا جاتا ہے تو تملیکاً کھلانے سے زکوٰۃ کی رقوم کی ادائیگی درست ہے البتہ جن مدارس میں مطبخ کا انتظام نہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے طلباء کو اعانت یا وظائف تملیک ضروری ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ علماء اور طلباء کو خود صدقات وغیرہ دیئے جائیں۔

قال علاء الدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلھم او الی بعضھم تملیکا لا اباحۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۹ باب المصرف)

میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال:- کیا خاوند اپنی مسکین بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں، ایسا ہی خاوند کو بیوی زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- میاں بیوی ایک دوسرے کی زکوٰۃ کے لیے مصرف نہیں اس لیے ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔[2]

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یدفع المزکی زکاته الی امرأته للاشتراك فی المنافع عادة ولا تدفع المرأة الی زوجها عند ابی حنیفةؒ۔ (الھدایة ج۱ ص۱۸۸ باب المصارف)

قریبی مدرسہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- ایک شخص زکوٰۃ ہمیشہ اپنے قریبی دینی مدرسہ کو

---

[1] وقال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: وتملیك مال من فقیر مسلم۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال علاء الدین الحصکفیؒ: ولا الی من بینهما ولاد ولو مملوکا لفقیر او بینهما زوجیة ولو مبانة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کے مدرسہ کو زکوٰۃ دیتا ہے، کیا عند الشرع ایسا کرنا جائز ہے؟ اور کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا عند الشرع مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر عزیز و اقارب کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں یا اپنے شہر سے دوسرے شہر والے زیادہ حاجتمند ہوں یا وہاں ایسا مدرسہ ہو جو اس قریبی مدرسہ سے زیادہ دیانت دار اور حاجتمند ہو تو اس صورت میں کوئی کراہت نہیں اور ایسا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔

قال علاؤ الدين الحصكفيؒ: (و) كره (نقلها إلا إلى قرابة) بل في الظهيرية لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم (أو) إلى (أحوج) أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳ باب المصرف) [1]

کسی سیاسی تنظیم یا انجمن کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- ایک تنظیم مذہبی اور سیاسی ہو جو کہ ملک میں نفاذِ اسلام کے لیے کوشش کرتی ہو تو کیا ایسی تنظیم کو زکوٰۃ اور عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی میں مسلمان فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے لہٰذا کوئی تنظیم یا انجمن اگرچہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو ان شرائط کی وجہ سے زکوٰۃ و عشر اور صدقات واجبہ کی مستحق نہیں لہٰذا ایسی کسی تنظیم کو زکوٰۃ و عشر اور صدقات واجبہ دینا جائز نہیں۔

قال ابن نجيمؒ: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۶ كتاب الزكوٰة) [2]

---

[1] وفي الهندية: ويكره نقل الزكوٰة من بلد إلى بلد إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده ولو نقل إلى غيرهم أجزأه وإن كان مكروهاً۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۹۰ الباب السابع في المصارف)
ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۰ باب المصرف۔

[2] قال شيخ الإسلام محمد بن عبد الله التمرتاشي الحنفيؒ: هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير الخ (تنوير الأبصار مع الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶ كتاب الزكوٰة)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۷۰ كتاب الزكوٰة۔

زکوٰۃ کی نیت سے غریب کو کھانا کھلانا

سوال: اگر کسی غریب اور مستحق زکوٰۃ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جائے اور اس کھانے میں نیت زکوٰۃ کی کر لی جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ کی ادائیگی میں اہم شرط تملیک کا ہے کہ کسی غریب یا یتیم کو اس کا مالک کر دیا جائے، چونکہ صورت مسئولہ میں غریب کو کھانا کھلانے میں تملیک نہیں بلکہ اباحت ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی، تاہم اگر وہ کھانا کسی غریب کو بطور تملیک دیا جائے تو وہ درست ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: فلو اطعم يتيما ناويا الزكوة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم لانه بالدفع اليه بنية الزكوة يملكه فيصير آكلا من ملكه بخلاف ما اذا اطعمه معه۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۶ کتاب الزکوٰۃ) [1]

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم کو خود استعمال کرنا

سوال: اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کے پیسے کسی مدرسہ یا غریب شخص کے لیے دیئے جائیں لیکن یہ شخص وہ خود اپنے اوپر خرچ کرے جبکہ یہ شخص (وکیل) خود بھی مستحق ہے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: اگر مزکی (زکوٰۃ دینے والے) نے اس آدمی کو کسی خاص شخص یا مدرسہ کو زکوٰۃ پہنچانے کا وکیل بنا کر زکوٰۃ کے پیسے دیئے ہوں اور اس صورت میں وکیل نے وہ رقم اپنے اوپر خرچ کر لی تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی اور یہ وکیل ضامن ہو گا۔ البتہ اگر مزکی کی طرف سے مطلق اختیار دیا گیا ہو کہ جہاں چاہے اس کو خرچ کرے تو اگر یہ شخص خود مستحق زکوٰۃ ہو اور اس نے وہ رقم بطور زکوٰۃ اپنے لیے قبض کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي: وللوكيل ان يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعها حيث شئت۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۹ كتاب الزكوٰة) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم: واما اذا اطعام ان دفع الطعام اليه بيده يجوز ايضا، لهذه العلة وان كان لم يدفع اليه ويأكل اليتيم لم يجز لانعدام الركن هو التمليك۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ كتاب الزكوٰة)

[2] قال الشيخ وهبة الزحيلي: للوكيل أن يدفع الزكوٰة لولده الفقير او زوجته الفقيرة اذا لم يأمر ان يدفع الى شخص معين، ولا يجوز له أن يأخذ الزكوٰة لنفسه الا اذا قال له الموكل ضعها حيث شئت۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۱۹۸ كتاب الزكوٰة۔ ثانيا التوكيل في اداء الزكوٰة)

وکیل کا اپنے اقربا کو زکوٰۃ دینا

سوال:- جس کسی شخص کو تقسیم زکوٰۃ کی ذمہ داری سونپی گئی ہو تو کیا یہ شخص اپنے اصول اور فروع کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- وکیل ذاتی طور پر مالک کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ نہیں لے سکتا ہے لیکن اس کے اصول و فروع جب مصرفِ زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ الامام حافظ الدینؒ: الوکیل بأداء الزکوٰۃ اذا صرفها الی ولده الکبیر او الصغیر او امرأته وهم محاویج جاز ولا یمسك لنفسه شیئاً۔

(البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۸۶ کتاب الزکاة. الثانی فی المصرف)

غنی مجاہد کو زکوٰۃ دینا

سوال:- وہ لوگ جو جہاد میں شریک ہوں اگرچہ مالی اعتبار سے ان کی حیثیت مستحکم ہو لیکن پھر بھی محض اس مقدس کام کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- ایسا شخص اگر وطن میں مال رکھتا ہو لیکن میدانِ جہاد میں جاتے وقت اس کے پاس مال نہ ہو تو پھر جہاد کے لیے نکلنے والے اس شخص کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم غنی کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

لما قال الکاسانیؒ: واما استثناء الغازی فمحمول علی حال حدوث الحاجة وسماه غنیاً علی اعتبار ما کان قبل حدوث الحاجة وهو ان یکون غنیاً ثم حدث له الحاجة ...... ثم یعزم علی الخروج فی سفر غزو فیحتاج الی آلات سفر وسلاح یستعمله فی غزوه ومرکب یغزو علیه ...... فیجوز ان یعطی من الصدقات ما یستعین به فی حاجته التی تحدث له فی سفره وهو فی مقامه غنی بما یملکه لانه غیر محتاج فی حال اقامته فیحتاج فی حال سفره فیحمل

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (وولد) ای فطفله (ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکراً صحیحاً) قهستانی فافاد ان المراد بالطفل غیر البالغ ذکراً او انثی فی عیال ابیه او لا علی الاصح لما انه یعد غنیاً بغناه بخلاف ولده الکبیر فانه لا یعد غنیاً بغنا ابیه ولا الاب بغنا ابنه ...... ولا الطفل بغنی امه۔

(ردالمحتار ج۲ ص۳۴۹ باب المصرف، مطلب فی الحوائج الاصلیة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ. الباب السابع فی المصارف۔

قوله لا تحل الصدقة لغني الا لغاز في سبيل الله على من كان غنياً في حال مقامه فيعطي بعض ما يحتاج اليه لسفره لما احدث لسفوله من الحاجة الا انه يعطي حين يعطي وهو غني۔ (البدائع الصنائع ج۲ ص۴۶ فصل الذي يرجع الى المؤدي) ؎

داماد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کیا کوئی آدمی اپنے غریب اور مفلس داماد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کا مال ایسے رشتہ دار کو دینا جائز نہیں جو اصول یا فروع میں داخل ہو، داماد چونکہ بذات خود ان دونوں میں کسی میں بھی داخل نہیں اس لیے اگر وہ غریب ہو تو دیگر رشتہ داروں کی طرح اس کو بھی زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: قید باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة یجوز الدفع لهم وهو اولیٰ لما فیه من الصلة مع الصدقة کالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء ولهذا قال فی فتاوی الظهیریة ویبدأ فی الصدقات بالاقارب۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف) ؎

بہو (بیٹے کی بیوی) کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر باپ بیٹا دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہوں، کھانا پینا آپس میں اکٹھا ہو تو ایسی حالت میں بہو کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ بوجہ بہو کو زکوٰۃ دینے سے تو گویا اس کے گھر میں محصور رہ جاتے ہیں۔

الجواب:۔ اصول اور فروع کے علاوہ دیگر سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ زوجۃ الابن یعنی بہو اصول اور فروع میں نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا

؎ لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ما نصب للنوائبات) وفی المبسوط لا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصاباً الا الی طالب العلم والغازی ومنقطع الحج لقوله علیه السلام یجوز دفع الزکوٰۃ لطالب العلم وان کان له نفقة اربعین سنة۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۴۰ کتاب الزکوٰۃ)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف۔

؎ وفی الهندیة: والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذور الصرف اولاً الی الاخوة والاخوات ثم الی اولادهم ثم الی الجیران۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ باب المصرف)
ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف۔

معروف ہے اس لیے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کے فوائد گھر ہی میں رہیں بشرطیکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو۔

لما قال ابن نجیمؒ: وقید بالولاد وفرعه لان من سواهم من القرابة یجوز الدفع لهم وهو اولی لما فیه من الصلة مع الصدقة کالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولهذا قال فی الفتاوی الظهیریة ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذکر فی موضع آخر معزیاً الی ابی حفص الکبیر لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاویج فیسد حاجتهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص [illegible] باب المصرف)[۱]

امام مسجد کو عشر و زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر ایک امام مسجد اپنے مقتدیوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتا ہو یعنی مقتدیوں پہ لازم ہو کہ وہ زکوٰۃ و عشر امام کو دے گا تو کیا اس سے زکوٰۃ و عشر ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اُجرت میں زکوٰۃ دینا خواہ جبراً ہو یا رضاءً ہو جائز نہیں، ایسی حالت میں تو ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی تاہم اگر امام غریب ہو تو بطور صلہ اس کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الهندیة: ولو نوی الزکوة بما یدفع المعلم الی الخلیفة ولم یستأجره ان کان الخلیفة بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان ایضاً اجزاه والا فلا وکذا ما یدفعه الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرها بنیة الزکوة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص [illegible] کتاب الزکوة الباب السابع فی المصارف)[۲]

ملازم امام کو صدقۂ فطر دینا

سوال:۔ اگر امام کی مالداری اس کے اقرار سے ثابت ہو تو اس کے باوجود اس کو صدقۂ فطر دینے کا کیا حکم ہے جبکہ امامت

---

۱ قال فی الهندیة: ویکره نقل الزکوة من بلد الی بلد ۔۔۔۔ والافضل فی الزکوة والفطر والنذور صرفها اولاً الی الاخوة والاخوات ثم الی اولادهم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی اولادهم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی اولادهم۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص [illegible] کتاب الزکوة الباب السابع فی المصارف)

ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۳ باب المصرف۔

۲ قال ابن نجیمؒ: وفی المنتقی من الاجناس ان المعلم اذا اعطی خلیفته شیئاً ناویاً الزکوة فان کان بحیث یعمل له لو لم یعطه یصح منها والا فلا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص [illegible])

کی اُجرت لینے کے حق میں ہو؟

الجواب: صدقۂ فطر غرباء فقراء اور مساکین کو بطورِ تملیک دیا جا سکتا ہے، امام جب امیر ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینے سے ذمہ داری تو فارغ نہیں ہوتی، قوم کو چاہیے کہ امام کی خدمت متبادل طریقے سے کرے، نیز امامت کی اُجرت میں صدقۂ فطر دینا جائز نہیں خواہ امام غریب ہی کیوں نہ ہو، تاہم اگر کوئی امام غریب ہو تو اُجرت کی نیت کیے بغیر محض ایک خادمِ دین کی ضروریات کے تکفل کی نیت سے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال في الهندية: ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكوة۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۴ كتاب الزكوة الباب الثامن في صدقة الفطر) [1]

زکوٰۃ میں دینی کتابیں دینا

سوال: اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر طلباء میں تقسیم کیں تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب: کتابیں بھی دیگر اجناس کی طرح قابلِ تملیک و تملک ہیں اس لیے زکوٰۃ میں کتابیں دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تاہم اس میں طلباء کو تملیکاً دینا ضروری ہے، صرف عاریۃً دینا یا مدرسہ کے کتب خانہ میں بطورِ وقف رکھنے سے تملیک کے فقدان کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاء الدين الحصكفيؒ: يصرف المزكي الى كلهم او الى بعضهم تمليكا لا اباحة۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۳ باب المصرف) [2]

عیاشی کی وجہ سے مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال: ایک شخص عیاشی کی وجہ سے مقروض ہو گیا تو کیا اس کو مدیون کے زمرہ میں شمار کر کے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مقروض کے قرض میں یہ ضروری نہیں کہ اس کا دین کسی نیکی کی وجہ سے ہو

---

[1] قال ابن نجيمؒ: ومصرف صدقة الفطر هو مصرف الزكوة في المصارف۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۵۲ باب المصارف)
ومثله في رد المحتار ج۲ ص۳۶۹ باب المصرف۔

[2] قال زين الدين ابن نجيمؒ: … هي تمليك المال من فقير مسلم الخ. (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۶ كتاب الزكوة)
ومثله في الهندية ج۱ ص۱۷۰ كتاب الزكوة۔

تاہم اگر مقروض کے قرض کی ادائیگی سے اس کے فسق و فجور میں اضافہ ہو سکتا ہو اور بے دینی کے راہیں کھل سکتی ہوں تو ایسی حالت میں کسی نیک آدمی کو زکوٰۃ دینا اولیٰ ہے۔

لما قال في الهندية: التصدق على الفقير العالم افضل من التصدق على الجاهل۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۷ كتاب الزكوٰة، باب السابع في المصارف)[1]

مقروض پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو جو مقدار نصاب کو پہنچتا ہے لیکن یہ شخص مقروض بھی ہے، اگر قرضہ اس مال سے نکالا جائے تو نصاب پورا نہیں رہتا، کیا اس مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال ہو جو مقدار نصاب کو پہنچتا ہو لیکن مقروض ہونے کی وجہ سے اگر قرضہ اس سے نکالا جائے تو باقی مال سے مال نصاب پورا نہیں ہوتا اس لیے اس شخص پر زکوٰۃ لازم نہیں، البتہ قرضہ نکالنے کے بعد اتنا مال بچے جو مقدار نصاب کو پہنچے تو حولان حول سے اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔

قال علي بن ابي بكر المرغيناني: ومن كان ماله اكثر من دينه زكى الفاضل اذا بلغ نصابا۔ (الهداية ج۱ ص۱۸۶ كتاب الزكوٰة)[2]

زکوٰۃ دیتے وقت ظاہری حالت پر اکتفاء کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص کی ظاہری حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے فقیر و محتاج سمجھ کر زکوٰۃ دی جائے جبکہ اس کی اصل حالت سے ناواقفیت ہو تو کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اس بارے دارومدار زکوٰۃ دینے والے کے غالب ظن پر ہے اگر زکوٰۃ دیتے وقت

---

[1] قال الحصكفيؒ: او الى من تحرى و صح ... وادل طالب العلم ... والتصدق على العالم الفقير افضل (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص[illegible] باب المصرف)

ومثله في الطحطاوي ص۳۹۴ باب المصرف۔

[2] قال علاء الدين الحصكفيؒ: فلا زكوٰة على مكاتب ومديون للعبد بقدر دينه ... اذا بلغ نصابا۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص[illegible] كتاب الزكوٰة)

ومثله في فتح القدير ج۲ كتاب الزكوٰة۔

اس کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ دی جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اگرچہ بعد میں اس شخص کا غنا ثابت ہو جائے۔

لما قال فی الهندیة: اذا شك وتحری فوقع فی اکبر رأیه انه محل الصدقة فدفع الیه او سأل منه فدفع او رآه فی صف الفقراء فدفع فان ظهر انه محل الصدقة جاز بالاجماع وكذا ان لم یظهر حاله عنده واما اذا ظهر انه غنی او هاشمی...... فانه یجوز وتسقط عنه الزكوٰة فی قول ابی حنیفة ومحمد الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹، ۱۹۰ كتاب الزكوٰة الباب السابع فی المصارف)[1]

کاروبار کی جگہ کی مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی

سوال:۔ فقہاء کرام نے جہاں یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا مال اپنے گاؤں کے فقراء کو چھوڑ کر دوسری جگہ فقراء کے لیے لے جانا مکروہ ہے، تو اس سے کون سا گاؤں مراد ہے؟ اگر ایک شخص وطنِ اصلی کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو وطنِ اقامت بنا کر تجارت کرے تو اس کی زکوٰۃ کی رقم کیلئے اس کا وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت اپنا گاؤں شمار ہوگا؟

الجواب:۔ اس سے وہ مقام مراد ہے جہاں پہ کاروبار کیا جاتا ہو خواہ وطنِ اصلی ہو یا وطنِ اقامت، ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی جائے پیدائش (وطنِ اصلی) کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ مصروفِ عمل ہو تو اس کو چاہیئے کہ کاروبار کی جگہ میں فقراء پر زکوٰۃ تقسیم کرے۔

قال علاؤ الدین الحصكفیؒ: والمعتبر فی الزكوٰة فقراء مكان المال الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۵ باب المصرف)[2]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتاب چھپوانا

سوال:۔ ایک شخص نے دینی کتاب چھپوانے کا ارادہ

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: قال ابو حنیفةؒ ومحمدؒ اذا دفع الزكوٰة الی رجل یظنه فقیراً ثم بان انه غنی او هاشمی او كافر او دفع فی ظلمة فبان انه ابوه او ابنه فلا اعادة علیه...... وهذا اذا تحری فدفع وفی اكبر رأیه انه مصرف اما اذا شك ولم یتحر او تحری فدفع وفی اكبر رأیه انه لیس بمصرف لا یجزیه الا اذا علم انه فقیر هو الصحیح۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۴، ۲۱۵ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصارف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: والمعتبر فی الزكوٰة مكان المال فی الروایات كلها۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۰ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

ارادہ کیا لیکن وہ مفلس ہے تو اگر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرکے کتاب چھپوائے اور پھر مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرے، تو کیا یہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص خود مصرفِ زکوٰۃ ہو اور زکوٰۃ دہندگان کی اجازت سے طباعت کے بعد یہ کتاب مستحقین میں تقسیم کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور جہاں تملیک ممکن نہ ہو وہاں زکوٰۃ کا حکم لگانا درست نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة فلا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه. (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[1]

مدارس اور خانقاہوں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ مدارس کے مہتمم یا کسی خانقاہ کے رئیس کے پاس زکوٰۃ جمع ہو کر مطبخ وغیرہ پر خرچ ہوتی ہے، ایسی حالت میں مطبخ سے کھانے والوں میں یہ فرق نہیں ہوتا ہے کہ یہ کسی مالدار نے کھایا یا غریب نے، تو کیا اس سے زکوٰۃ کی رقم ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی رقم کی صحتِ ادائیگی کے لیے کسی فقیر اور مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے، مدارس دینیہ میں عموماً غریب اور نادار طلباء ہوتے ہیں جن کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، لیکن خانقاہوں کے لنگر سے کھانے والوں میں صرف مساکین نہیں ہوتے بلکہ مالدار لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، ویسے بھی کھانا کھلانے میں جب تک باقاعدہ تملیک نہ ہو تو صرف اباحت کے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی صحتِ زکوٰۃ کے لیے کافی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ فقراء زکوٰۃ پر قبض کرکے پھر اگر چاہیں تو مطبخ یا لنگر میں خرچ کریں، لیکن اس میں بھی فقیر سے جبراً رقم واپس لینا حیلۂ تملیک میں ہزل کی نشاندہی کرتا ہے، بہرحال کسی حیلۂ تملیک کے بغیر زکوٰۃ کی رقم لنگر میں خرچ کرنا نقصان سے خالی نہیں۔

قال فی الهندیة: منها الفقیر وهو من له ادنیٰ شیٔ وهو ما دون النصاب او قدر نصاب

---

[1] قال فی الهندیة: اما تفسیره فهی تملیك المال من فقیر مسلم. الخ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰة. الباب الاول)

وفیه ایضاً: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطر والسقایات...... وکل ما لا تملیك فیه. الخ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰة. الباب السابع فی المصارف)

ومثله فی فتح القدیر ج۲ ص۲۰۸/۲۰۷ باب المصرف۔

غیر نام وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرجه عن الفقر ملك نصاب كثيرة غير نامية إذا كانت مستغرقة بالحاجة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف) ۱؎

دینی مدارس یا رفاہی اداروں کے مال پر زکوٰۃ

سوال:۔ بعض دینی مدارس ورفاہی اداروں کی کافی آمدنی ہوتی ہے کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شخصی ملکیت کا ہونا ضروری ہے اس لیے مدارس یا کسی رفاہی ادارے کے مملوکہ مال پر حولانِ حول کے باوجود زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

لما قال ابن عابدینؒ: (قوله ملك نصاب) فلا زكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك۔ (رد المحتار ج ۲ کتاب الزکوٰۃ) ۲؎

کسی سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ دورِ حاضر میں بعض سیاسی جماعتیں اپنے لیے زکوٰۃ اور چرم قربانی جمع کرتی ہیں کیا ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلا عوض شرط ہے چونکہ سیاسی جماعتوں میں یہ چیز مفقود ہوتی ہے اس لیے اموالِ زکوٰۃ کو سیاسی مقاصد، خدمات، الیکشن یا دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی بلکہ اس کے بجائے دینی مدارس زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: هي تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيما ناويا الزكوة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم ... جزء مال خرج المنفعة فلو أسكن فقيرا داره سنة ناويا

۱؎ قال العلامة الحصكفيؒ: أي مصرف الزكوة والعشر هو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۹ باب المصرف)

ومثله في البحر الرائق ص ۳۹۲ باب المصرف۔

۲؎ قال العلامة الكاسانيؒ: وأما الشرائط التي ترجع إلى المال فمنها الملك فلا تجب الزكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا لأن في الزكوة تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹ فصل الشرائط التي ترجع إلى المال)

۳؎ ومثله في تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۱ ص ۲۵۲ كتاب الزكوة۔

لایعجز بہ عینہ الشارع ..... من مسلم فقیر ولو معتوھا۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶، ۲۵۷ کتاب الزکوۃ) لہ

ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ اور عشر کا وجوب متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ حکومت کاروباری اور صنعتی اداروں سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے اور ان ٹیکسوں کو رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی خرچ کرتی ہے، کیا اس طرح ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مختلف قسم کے ٹیکس حکومت کا ذریعہ آمدنی ہوتے ہیں جن میں عبادت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت ٹیکس ہر شہری سے وصول کرتی ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔

لہ قال العلامۃ برهان الدین المرغینانیؒ: الزکوۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملک نصاباً ملکاً تاماً وحال علیہ الحول۔ (الہدایہ ج۱ ص۱۸۵ کتاب الزکوۃ) لہ

موقوفہ زمین کے مقدمہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں کے قبرستان کی زمین پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے، کیا ہم اس کے مقدمے میں اپنی زکوٰۃ کی رقم خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلا عوض شرط ہے، چونکہ اس مقدمہ پر یہ شرط مفقود ہے اس لیے قبرستان کے مقدمے یا دیگر رفاہ عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ کے روپے لگانا صحیح نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لہ لما قال العلامۃ ابوالبرکات النسفیؒ: هی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی۔
(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوۃ)

لہ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام وحریۃ والعلم بہ ولو حکماً ککونہ فی دارنا فلا زکوۃ۔ قال ابن عابدینؒ:
قولہ واسلام فلا زکوۃ علی کافر لعدم خطابہ بالفروع۔
(رد المحتار ج۲ ص ۲۵۸، ۲۵۹ کتاب الزکوۃ)
ومثلہ فی شرح الوقایۃ ج۱ ص۱۶۹ کتاب الزکوۃ۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [1]

زکوٰۃ کی رقم سے مشترکہ مفاد کے لیے سامان خریدنا

سوال:۔ اگر محلے کے لوگ خوشی اور غمی کے لیے کچھ برتن، ٹینٹ یا کرسیاں وغیرہ اجتماعی طور پر خریدنے کا ارادہ کریں تو کیا اس کام کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقات واجبہ میں تملیک بلا عوض شرط ہے، مشترکہ مفاد کے لیے جو اشیاء خریدی جاتی ہیں ان میں چونکہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہوتی اس لیے ایسے مواقع میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت...... لعدم التملیک وهو الرکن۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [2]

کیا سُنّی العقیدہ شخص کسی شیعہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

سوال:۔ اگر قرب وجوار میں شیعہ آبادی کی اکثریت ہو اور سُنّی العقیدہ شخص اپنی زکوٰۃ شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والوں میں تقسیم کرے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے مصرف کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے، جبکہ غالی قسم کے شیعہ اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں اس لیے وہ لوگ سُنّی العقیدہ شخص کی زکوٰۃ کا مصرف نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تاہم زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ غیر مسلم کو دینے میں

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیمؒ: تحت قوله ولا الی ذمی وغیرها وبناء مسجد وتکفین میت وقضاء دینه وشراء قن یعتق...... وعدم الجواز لانعدام التملیک الذی هو الرکن فی الاربعة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف)

[2] قال فی الهندیة: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد، وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات...... وکل ما لا تملیک فیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)
ومثله فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۰۷ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ

کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: وھی تملیک جزء مالٍ عینه الشارع من مسلم فقیر۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۲۵۶/۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ) [1]

قسطوں پر کوئی چیز فروخت کرنا اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے ایک گاڑی نقد ایک لاکھ روپیہ پر خریدی اور پھر اس کو ایک لاکھ پچیس ہزار (۱۲۵۰۰۰) روپیہ قسطوں پر اس طرح فروخت کیا کہ ہر سال پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) روپے بطور قسط خریدارِ ثانی اُسے ادا کرے گا، اس طرح زکوٰۃ مجموعی رقم پر آئے گی یا صرف اقساط پر ہوگی؟

الجواب:۔ اگر کسی نے کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدی ہو اور پھر اس کو قسطوں میں منافع پر فروخت کیا ہو تو ان میں زکوٰۃ ہر قسط وصول کرنے کے بعد واجب ہوگی، جب بھی کم از کم چالیس روپے بطور قسط وصول ہوں تو اس میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، اگر چالیسویں حصہ سے کم ہو تو اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب موجود ہے تو قسط سے حاصل ہونے والا مال اس کے ساتھ ملا کر کل مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہے ورنہ چالیس دراہم کے پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فتجب زکوتها اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درھما من الدین القوی کقرض وبدل مالِ تجارة فکلما قبض اربعین درھما یلزمه درھم۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۳۵ باب زکوٰۃ المال) [2]

حیلۂ زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ مدارس اور مساجد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے عموماً یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ ایک شخص جملہ رقم زکوٰۃ قبض کرکے تعمیر یا دوسرے امور

---

[1] قال فی الھندیة: واما الحربی المستامن فلا یجوز دفع الزکوٰۃ والصدقة الواجبة الیه بالاجماع ویجوز صرف التطوع الیه۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف۔

[2] وفی الھندیة: وقوی وھو ما یجب بدلاً عن سلع التجارة اذا قبض اربعین زکی لما مضی۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ۔

پر خرچ کرتا ہے۔ بسا اوقات قبض کرنے والا متولی مسجد یا مہتمم مدرسہ خود زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہوتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے تملیک شرط ہے لیکن تملیک میں یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا خود صاحب نصاب نہ ہو۔ اگر مہتمم یا ناظم مدرسہ بذات خود صاحب نصاب نہ ہو تو ان سے قبض جائز ہے اور پھر اس کو مدرسہ یا مسجد میں خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ اس حیلہ کو اپنانے کی بجائے زکوٰۃ کی رقم طلباء میں تقسیم کی جائے تاکہ بہتر طریقے سے ادائیگی ہو سکے۔

قال علاء الدين الحصكفيؒ: وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۷۱ كتاب الزكوٰة) [1]

زکوٰۃ دینے کی بجائے قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال: اگر دائن مدیون کی مفلسی اور حالت زار کو دیکھ کر اپنا دَین وقرضہ اس کو زکوٰۃ میں معاف کر دے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اسقاط میں تملیک نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور پھر اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دے اور پھر اپنے قرضہ میں وصول کرے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

وفي الهندية: ولو وهب دينه من فقير ونوى زكوٰة دين آخر له على رجل آخر او نوى زكوٰة عين له لم يجز كذا في الكافي۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۷۱ كتاب الزكوٰة۔ باب المصارف الجزء) [2]

---

[1] قال زين الدين ابن نجيمؒ: والحيلة في الجواز في هذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكوٰته على فقير ثم يامره بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب القرب۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ كتاب الزكوٰة)
ومثله في الاختيار والبدائع ج۲ ص۲۲۳ كتاب الزكوٰة۔

[2] قال فخر الدين الشهير بقاضي خانؒ: وان كان له دين على فقير فوهبه له ينوي به زكوٰة مال عين عنده او الواجب لا يسقط عنه زكوٰة ذلك المال وكذا لو نوى به زكوٰة دين له على غيره۔
(الفتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج۱ ص۲۶۲ فصل في هبة الدين من المديون)
۲۹۳
ومثله في خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۴۲ جنس في هبة الدين۔

تبدیلیٔ رقم اگر مزکی کی اجازت سے ہوئی ہو تو یہ آدمی ضامن نہ ہوگا۔ اور بعد بعینہٖ اگر زکوٰۃ دیتے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن منی آرڈر بھیجتے وقت نیت کرنا لازمی ہے۔ لما قال الشامیؒ: لا یخرج المزکی عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: تملیک الدین ممن لیس علیه الدین باطل الا فی ثلث حوالة او وصیة واذا سلطه ای سلط المملک غیر المدیون علی قبضه ای الدین فیصح حینئذ ومنه ما لو وهبت من ابنها ما علی ابیه فالمعتمد الصحة للتسلیط۔

(الدر المختار جلد ۵ ص ۷۲۵) ...

کسی دوسری جگہ رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا

سوال:۔ ایک شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنے کسی رشتہ دار کے لیے دوسری جگہ بھیجنا چاہتا ہے جبکہ وہ خود جس جگہ مقیم ہے وہاں بھی غریب لوگ ہیں تو کیا قرب وجوار کے غرباء کو چھوڑ کر دور رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ویسے تو عموماً ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر زکوٰۃ دینے والے کے محتاج رشتہ دار کسی دوسری جگہ رہتے ہوں تو رشتہ داری کی بناء پر زکوٰۃ منتقل کرنا مستحسن ہے بلکہ زکوٰۃ پہلے رشتہ داروں میں تقسیم کرنا افضل ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: (تحت قوله بل فی الظهیریة لا تقبل) عن ابی هریرة رضی الله عنه مرفوعاً الی النبی صلی الله علیه وسلم انه قال یا امة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرهم والذی نفسی بیده لا ینظر الله الیه یوم القیامة والمراد بعدم القبول عدم الاثابة علیها وان سقط بها الفرض لان المقصود منها سد خلة المحتاج وفی القریب جمع بین الصلة والصدقة

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: لما وکل رجلاً بدفع زکوٰة ماله ونوی المالک عند الدفع الی الوکیل بلا نیة تجزیه لان المعتبر نیة الآمر لانه المؤدی حقیقة۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔

والافضل اخوته واخواته الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳ باب المصرف) [1]

زکوٰۃ کی رقم سے تقسیم کنندہ کو مزدوری دینا

سوال: موجودہ دور میں حکومت وقت بینکوں میں عوام کی جمع شدہ رقوم سے کچھ کٹوتی کرتی ہے پھر وہ رقم لوگوں کو دی جاتی ہے اور اس کام کے لیے حکومت نے کچھ آدمی مقرر کیے ہوتے ہیں جن کو اس رقم کی تقسیم اور دیگر معاملات کے عوض ماہانہ کچھ رقم بطور تنخواہ و الاؤنس کے ملتی ہے کیا ایسے لوگوں کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حکومت کے بیان کے مطابق یہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے اور ان تقسیم کاروں میں اکثریت مصرف زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی؟

الجواب: ایسی رقوم پر حکومت کی تمام کٹوتی زکوٰۃ نہیں ہوتی بلکہ اس میں سود کا بھی کچھ حصہ شامل ہوتا ہے تاہم اگر زکوٰۃ بھی ہو تو عامل کو زکوٰۃ کی رقم سے مزدوری دینا جائز ہے اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو؟

لما فی الهندية: ومنها العامل وهو من نصبه الامام لاستيفاء الصدقات والعشور ويعطيه ما يكفيه و اعوانه بالوسط مدة ذهابهم وايابهم ما دام المال باقيا الا اذا استغرقت كفايته الزكوٰة فلا يزاد على النصف۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۸ كتاب الزكوٰة۔ الباب السابع في المصارف) [2]

---

[1] قال ابن نجيم رحمه الله: وقيد في الصدقات بالاقارب ثم الموالي ثم الجيران وذكر في موضع آخر معزيا الى ابي حفص الكبير لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)
ومثله في نور الايضاح ص ۱۶۴ كتاب الزكوٰة۔ باب المصارف۔

[2] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وعامل يعطى بقدر عمله وانما شرطه ان يعطى ولو غنيا لا هاشميا لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغنى لا يمنع من تناولها۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۹ باب المصرف)
ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۱ باب المصارف

مدارس کے مہتمم زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق یا حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں

سوال: مدارس کے مہتمین کو جب زکوٰۃ کی رقم مدارس کے لیے دی جائے تو کیا وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق مدارس کے جملہ امور میں خرچ کر سکتے ہیں یا کہ حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں؟

الجواب: مدارس کے اہل اہتمام اگرچہ عاملین کی طرح ہیں مگر جس طرح عاملین مال زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق غیر شرعی مصارف میں خرچ نہیں کر سکتے تو اسی طرح مہتمین بھی مال زکوٰۃ کو نادار طلباء پر تملیک کے علاوہ ان کے دیگر امور میں خرچ نہیں کر سکتے بلکہ مدرسے کے متعلق امور میں خرچ کرنے کے لیے حیلہ شرعی ضروری ہے۔

لما قال ابو بکر الکاسانی: فیوضع فی بیت المال من الاموال اربعة انواع نوع زکوٰة السوائم والعشور وما اخذه العشار من تجار المسلمین اذا مروا علیهم ومحله ما ذکرنا من المصارف فی الفقراء والمساکین۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶۸ فصل واما بیان ما یوضع الخ)

مدارس دینیہ کے مہتمین کو زکوٰۃ دینا

سوال: لوگ مدارس دینیہ کے مہتمین کو زکوٰۃ دیتے ہیں حالانکہ وہ خود مالدار ہوتے ہیں تو کیا ان مہتمین کو زکوٰۃ دینے سے ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا یہ کہ جب تک مہتمم کسی مصرف پر خرچ نہ کرے اس وقت تک زکوٰۃ کی ادائیگی موقوف ہو گی؟

الجواب: موجودہ دور میں مدارس کے مہتمین کی حیثیت عاملین زکوٰۃ کی سی ہے جب کوئی شخص ان کو زکوٰۃ ادا کرے تو اس کی زکوٰۃ اسی وقت سے ادا ہو جائے گی البتہ مہتمین کے لیے لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے ذاتی مصارف میں خرچ نہ کریں بلکہ طلباء علوم دینیہ پر خرچ کریں اور غیر ضروری مصارف سے احتیاط لازمی ہے۔

لما قال العلامة ابن همام: فهذه جهات الزکوٰة فللمالک ان یدفع الی کل واحد

---

[1] وفی الهندیة: ما یوضع فی بیت المال اربعة انواع الاول زکوٰة السوائم والعشور وما اخذه العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیه ومحله ما ذکرنا من المصارف۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۱ کتاب الزکوٰة)
ومثله فی رد المحتار ج۲ ص[illegible] کتاب الزکوٰة۔

منهم وله ان یقتصر علی صنف واحد ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص [illegible] کتاب الزکوٰۃ) ۔ لے

سوال:- بعض علاقوں میں بعض مولوی صاحبان بڑے **مالدار کے لیے زکوٰۃ کا لینا صحیح نہیں** مالدار ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا ان علماء کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب:- زکوٰۃ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر مقرر کیا ہے اس لیے مالدار چاہے وہ مولوی ہو یا غیر مولوی اُسے زکوٰۃ لینا صحیح نہیں ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ۔

لما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: علماء اغنیاء را زکوٰۃ گرفتن بالاتفاق حرام است ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص [illegible] باب تصرف الزکوٰۃ) ۔ لے

سوال:- کیا آدمی اپنے اموال ظاہرہ **کیا اموال ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی؟** سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے یا حکومت کے ذمے زکوٰۃ کی وصولی واجب ہے؟

الجواب:- اموال دو قسم کے ہیں (۱) اموال ظاہرہ (۲) اموال باطنہ۔ فقہ حنفی کی رو سے اموال ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے اور اموال باطنہ سے مالک خود زکوٰۃ ادا کرے گا۔ ابتداء سے یہی صورت چلی آرہی تھی لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ نے اموال ظاہرہ سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا

لے وذکر الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ: عن علیؓ وابن عباس رضی اللہ عنہما قالا اذا اعطی الرجل الصدقۃ صنفا واحدا من الاصناف الثمانیۃ اجزاہ وروی مثل ذالک عن عمرؓ بن الخطاب وحذیفۃ وعن سعید بن جبیر وابراہیم وعمر بن عبد العزیز وابی العالیۃ ولا یروی عن الصحابۃ خلافہ فصار اجماعا من السلف لا یسع احدا خلافہ لظہورہ واستفاضتہ فیہم (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۶)

لے لما قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ ۔ (کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص [illegible] کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص [illegible] کتاب الزکوٰۃ ۔

صاحب مال کے سپرد فرمایا لہٰذا اموال ظاہرہ و باطنہ سے صاحب مال خود زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابوبكر الكاسانيؒ: فان ما منه سنته سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم طالب الزكوٰة وابوبكر وعمر طالبا وعثمان طالب زمانا ولما كثرت اموال الناس ورأى ان في تتبعها حرجا على الامة وفي تفتيشها ضررا بارباب الاموال فوض الاداء الى اربابها۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۵ کتاب الزکوٰۃ، فصل بیان من له المطالبة)

نشہ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینا

سوال: آجکل اکثر ہیروئنچی اور چرسی قسم کے لوگ زکوٰۃ و خیرات مانگتے ہیں اگر ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

الجواب: زکوٰۃ ہر فقیر و مسکین کو دینے سے ادا ہو جاتی ہے چاہے وہ اس مال زکوٰۃ کو معاصی پر خرچ کرے تاہم زکوٰۃ دینے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کسی بھی گناہ کے عادی شخص سے معصیت کے کاموں میں تعاون نہ کرے لہٰذا بنا برایں ہیروئنچی، چرسی، افیمی وغیرہ کو ان امور کے ارتکاب کیلئے زکوٰۃ دینا مناسب نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: في تمليك خرج الاباحة فلو اطعم يتيما ناويا الزكوٰة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم ...... جزء مال خرج المنفعة فلو اسكن فقيرا داره سنة ناويا لا يجزيه ...... عينه الشارع ...... من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه۔

(الدر المختار علی هامش الطحطاوی ج۱ ص۳۹۵ کتاب الزکوٰۃ)

دینی مدارس میں زکوٰۃ کی تصریح ضروری

سوال: کسی دینی مدرسہ میں زکوٰۃ دیتے وقت صرف نیت کافی ہوتی ہے یا رسید لکھتے وقت مال زکوٰۃ کی تصریح ضروری ہے؟

الجواب: مدارس دینیہ میں زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کی تصریح کرنا ضروری ہے تاکہ

لما قال الامام ابوالبركات النسفيؒ: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المالك من كل وجه لله تعالى۔

(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۲۱۶ کتاب الزکوٰۃ)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۳۹ کتاب الزکوٰۃ، فصل شرائط الفريضة۔

مدرسے والے اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کرسکیں صرف نیت کافی نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا یخرج عن العھدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ وقال ابن عابدینؒ: فلوضاعت لاتسقط عنہ الزکوٰۃ۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۲۷۰ قبیل افتراضہا عمری) [1]

خرد برد کرنے والے کو زکوٰۃ کا وکیل بنانا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی مدرسے کا مہتمم زکوٰۃ وصدقات جمع کرکے خرد برد کرتا ہو، طلباء کے نام پر زکوٰۃ وصدقات کی رقم خود کھا جاتا ہو اور مدرسے میں طالب علموں کا نام ونشان نہیں) حالانکہ یہ زکوٰۃ مدرسے کے طالبعلموں کے لیے مہتمم کو وکیل بنا کر دی جاتی ہے، تو کیا اس طرح کے مہتمم مدرسہ کو مدرسہ کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:- جہاں خرد برد کا غالب ظن ہو وہاں زکوٰۃ وغیرہ دینا مناسب نہیں اور اگر دی جاچکی ہو اور یہ خدشہ ہو کہ صحیح جگہ پر خرچ نہ کی جائے گی تو دوبارہ ادا کرنا چاہیے تاکہ ادائیگی یقینی ہوجائے۔

قال الحصکفیؒ: دفع بتحرٍّ لمن یظنہ مصرفًا.... لا یعید لانہ اتی بما فی وسعہ حتی لو دفع بلا تحرٍّ لم یجز ان اخطأ۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۹۶ باب المصرف) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ: واذا وضعھا ولم یخطر بالہ انہ مصرف ام لا فھو علی الجواز الا اذا تبیّن انہ غیر مصرف ...... او غلب علی ظنہ انہ لیس بمصرف فھو علی الفساد۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

ومِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال المرغینانیؒ: قال ابو حنیفۃؒ ومحمدؒ اذا دفع الزکوٰۃ الی رجل یظنہ فقیرا ثم بان انہ غنی او ھاشمی او کافر..... فلا اعادۃ علیہ۔ وقال ابو یوسفؒ علیہ الاعادۃ .... والظاھر ھو الاول وھٰذا اذا تحری ودفع وفی اکبر رأیہ انہ مصرف اما اذا شک ولم یتحر او تحری فدفع وفی اکبر رأیہ انہ لیس بمصرف لا یجزیہ الا اذا علم انہ فقیر ھو الصحیح۔

(الھدایۃ ج۱ ص۱۸۹ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لا یجوز)

ومِثْلُہٗ فی نور الایضاح ص۱۶۰ باب المصرف۔

فقیر عالم دین کو زکوٰۃ دینا افضل ہے

سوال:۔ ہمارا ایک مستقل باتنخواہ امام مسجد ہے لیکن وہ فقیر بھی ہے تو کیا ہم اس غریب امام کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور فقیر کو دینا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اگر امام مسجد کی مستقل تنخواہ ہو لیکن غربت کی وجہ سے زکوٰۃ کا حقدار ہو تو کسی جاہل کو زکوٰۃ دینے کی بجائے اس غریب عالم دین کو دینا بہتر ہے۔

قال العلامة الحصكفي: وفي المعراج التصدق على العالم الفقير افضل. قال ابن عابدين عن القهستاني قوله افضل اى من الجاهل الفقير۔[1]

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۹۱ كتاب الزكوٰة۔ باب المصرف)

مقدار نصاب زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے

سوال:۔ میرے ایک دوست کو حج کرنے کا بے پناہ شوق ہے لیکن استطاعت نہیں رکھتا، کیا میں از روئے شریعت اسے زکوٰۃ کی رقم دے کر حج کرا سکتا ہوں؟

الجواب:۔ اگر آپ کے دوست کی ملکیت میں وہ مال جو اس کی حوائج اصلیہ سے زائد ہو ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے برابر ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار نہیں اس لیے اسے زکوٰۃ کے پیسے دینا جائز نہیں، اور اگر فقیر ہو تو مصرف زکوٰۃ ہونے کی وجہ سے اسے زکوٰۃ کی اتنی رقم جو مقدار نصاب تک پہنچتی ہو دینا مکروہ ہے لیکن پھر بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر آپ اپنے دوست کو مقدار نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ میں دے دیا اور وہ قبضہ کرنے کے بعد اس سے حج کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن اتنی زیادہ مقدار میں زکوٰۃ دینا بھی کراہت سے خالی نہیں۔

وفي الهندية: ويكره ان يدفع الى رجل مائتي درهم فصاعدا وان دفعه جاز۔[2]

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۸ الباب السابع في المصارف)

---

[1] وفي الهندية: التصدق على الفقير العالم افضل من التصدق على الجاهل كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۷ الباب السابع في المصارف) ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۴۵ قبيل باب صدقة الفطر.

[2] قال العلامة الحصكفي: وكره اعطاء فقير نصابا او اكثر الا اذا كان المدفوع اليه مديونا او كان صاحب عيال. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۷۴ باب المصرف)
ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف۔

گھریلو ملازم کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ میرے پاس دو ہزار روپے ماہوار پر ایک گھریلو ملازم ہے کیا میں اسے زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

الجواب:۔ فقیر ملازم کو زکوٰۃ اور صدقہ دونوں دینا درست ہے اور ملازم کے لیے لینا بھی جائز ہے تاہم تنخواہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما فی الھندیۃ: ویجوز دفعہا الی من یملک اقل من النصاب وان کان صحیحاً مکتسباً کذا فی الزاھدی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) ؎۱

حکومت کی طرف سے مدارس وغیرہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حکومت بینکوں کی رقم سے دینی مدارس کو کچھ رقم بطور زکوٰۃ دیتی ہے تو کیا یہ رقم زکوٰۃ شمار ہوگی یا سود یا کوئی تیسری جنس، اور طلبہ کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بظاہر یہ زکوٰۃ کی رقم ہے لہٰذا طلبہ جو مصرف زکوٰۃ ہوں ان کے لیے اس رقم سے کھانا لا بأس بہ ہے اگرچہ اس میں سودی رقم کے اختلاط کا وہم بھی موجود ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لو اخرج زکوٰۃ المال الحلال من مال حرام ذکر فی الوھبانیۃ انہ یجزی عند البعض...... ولو نوی فی المال الخبیث الذی وجبت صدقتہ ان یقع عن الزکوٰۃ وقع عنہا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۲۸ مطلب فی التصدق من المال الحرام) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک ما دون النصاب او قدر نصاب غیر تام وھو مستغرق فی الحاجۃ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۶۳ باب المصرف۔

؎۲ قال العلامۃ ابن البزاز الکردریؒ: والعبرۃ لنیۃ الدافع لا لعلم المدفوع الیہ وبعد اسطر فلا یأخذ ولأن من لا یجوز لہ اخذ الصدقۃ۔

(فتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۴ ص۸۶/۸۷ الباب الثانی فی المصرف)

ومثلہ فی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۳ ص۴۰۳ کتاب الحظر والاباحۃ ویکرہ الکلام۔

سید اور کسی بزرگ کی اولاد میں باعتبار مصرف زکوٰۃ فرق ہے

سوال:۔ ہمارے علاقے میں سید اور میاں کی یکساں قدر کی جاتی ہے۔ سید تو آپ ہی ہیں اور میاں لوگ کسی بزرگ اور ولی اللہ کی اولاد ہوتے ہیں۔ تو کیا میاں لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں، میاں اور سید برابر ہیں؟

الجواب:۔ سید اور میاں میں فرق واضح ہے اس لیے کہ اگر میاں صاحبان کسی غیر سید بزرگ کی اولاد ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

لما فی الهندية: ولا يدفع الى بنی هاشم وهم آل علیؓ وآل عباسؓ وآل جعفرؓ وآل عقيلؓ وآل الحرث بن عبد المطلبؓ كذا فی الهداية۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) ؎

عباسی خاندان مصرف زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا تعلق عباسی خاندان سے ہے کیا میں عباسی خاندان کے مساکین و یتامیٰ کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟ یا کوئی ایسا شخص عباسی نہ ہو وہ عباسی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عباسی فقیر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ آل عباس آل ہاشم سے ہیں اور آل ہاشم مصرف زکوٰۃ نہیں خواہ زکوٰۃ دینے والا عباسی ہو یا کوئی دوسرا۔

لما فی الهندية: ولا يدفع الى بنی هاشم وهم آل علیؓ وآل عباسؓ وآل جعفرؓ

؎ قال العلامة ابن نجيمؒ: قوله وبنی هاشم ومواليهم ای لا يجوز الدفع لهم لحديث البخاری نحن اهل بيت لا تحل لنا الصدقة ولحديث ابی داؤد مولی القوم من انفسهم وانا لا تحل لنا الصدقة اطلق فی بنی هاشم فشمل من كان ناصرا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن لم يكن ناصرا له منهم كولد ابی لهب فيدخل من اسلم منهم فی حرمة الصدقة لكونه هاشميا..... (ای ابولهب وابناءه) وروی حديث لا قرابة بينی وبين ابی لهب وتصف البدائع علی ان الكرخی قيد بنی هاشم بالخمسة الخ

(البحر الرائق ج۲ ص۲۴۶ باب المصرف)

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۹۳ باب المصرف۔

وآل عقیلؓ وآل الحارث بن عبدالمطلب کذا فی الهدایة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [1]

فقیر واثق کو زکوٰۃ لینا جائز ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید فی الحال مسکین ہے لیکن اس کا عمرو پر اتنا قرض ہے کہ اگر وہ وصول ہو جائے تو زید صاحب نصاب بن جاتا ہے لیکن عمرو بھی مسکین ہے اور قرض ادا کرنے سے قاصر ہے، تو کیا زید کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت میں زید کا حکم ابن السبیل جیسا ہے کہ اگرچہ وہ صاحب نصاب ہے لیکن اس کے ہاتھ میں وہ مال موجود نہیں لہٰذا ایسے مقروض کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور اس کو زکوٰۃ دینے سے فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

لما فی الهندیة: وان کان الدین مؤجلاً فان کان من علیه الدین معسراً یجوز له اخذ الزکوٰۃ فی اصح الاقاویل لانه بمنزلة ابن السبیل۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ باب السابع فی المصارف ومنها الغارم) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: والخمسة المذکورون من بنی هاشم لان العباس والحارث عمان للنبی صلی الله علیه وسلم وجعفر وعقیل اخوان علی رضی الله عنه بن ابی طالب وهو ابن عم النبی صلی الله علیه وسلم۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۷ باب المصرف)

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۳ باب المصرف فافهم

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله من له مال لا معه ای سواء کان هو فی غیر وطنه اوفی وطنه وله دیون لا یقدر علی اخذها کما فی النهر......... قال والحق به کل من هو غائب عن ماله وان کان فی بلده لان الحاجة هی المعتبرة وقد وجدت لانه فقیر یداً وان کان غنیاً ظاهراً۔

(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص ۶۴ باب المصرف)

ومثله فی الفتاویٰ الخانیة ج ۱ ص ۲۶۶ باب المصرف۔

قرضہ کو زکوٰۃ میں مجرا کرنے کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص متعدد اہل نصاب کا مقروض ہے کیا اہل نصاب حضرات اگر اپنا قرضہ زکوٰۃ میں مجرا کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں : (۱) قرض خواہ اپنی طرف سے واجب الاداء رقم اس کو زکوٰۃ میں دے کر قرضے میں وصول کرے۔ (۲) مقروض کسی اور سے قرض لے کر قرض خواہ کو دیدے اور قرض خواہ اپنے قرض میں وصول کرکے مقروض کو زکوٰۃ میں واپس کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ : وادا ما لدین عن العین وعن دین سیقبض لا یجوز وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکوٰته ثم یأخذها عن دینه ولو امتنع المدیون مد یده واخذها لکونه ظفر بجنس حقه فان مانعه رفعه للقاضی . (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۲ ص ۱۳ قبیل فتراضها عن) ؎

زکوٰۃ کی رقم سے دینی مدرسہ کے لیے قرآن مجید خریدنا

سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ ہے جبکہ گاؤں کے اکثر لوگ غریب ہیں اور مدرسے کو اپنی مدد آپ کے تحت چلا رہے ہیں تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے اس مدرسے کے لیے قرآن مجید اور دینی کتب خریدنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ۔ تاہم اگر تملیک کے بعد وہ آدمی جسے زکوٰۃ دی گئی ہے اپنی طرف سے مدرسے کیلئے قرآن مجید اور دینی کتب خرید کر وقف کر دے تو جائز ہے ۔

؎ قال العلامة ابن نجیم رحمه الله . ویستفاد منه ان رجوع المتبرع بقضاء الدین عند التصادق علی الدائن محمول علی ما اذا کان بغیر امر المدیون اما اذا کان بامره فهو تملیك منه فلا رجوع عند التصادق بانه لا دین علی الدائن وانما یرجع علی المدیون وهو لعمومه .... والحیلة فی الجواز فی هذه الاربعة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علی فقیر ثم یأمره بعد ذلك بالصرف الی هذه الوجوه الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)

قال العلامة الحصكفيؒ: والحيلة ان يتصدق على فقير ثم يأمره ان يفعل هذه الاشياء وهل له ان يخالف امره لم اره والظاهر نعم۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۳ باب المصرف)

قال العلامة الحصكفيؒ: وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ قبيل افتتاحها عشري)[1]

سید فقیر کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے کفن خریدنا

سوال:- اگر کوئی سید فقیر اور محتاج فوت ہوجائے اور اس کے پاس کفن وغیرہ کیلئے کچھ نہ ہو تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے سید فقیر کے لیے کفن خریدنا جائز ہے، اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا مال کسی نادار فقیر کو تملیکاً دینا ضروری ہے تکفین میت میں چونکہ تملیک کی شرط مفقود ہے لہٰذا میت کیلئے چاہے سید ہو یا غیر سید زکوٰۃ کے مال سے کفن خریدنا جائز نہیں، تاہم اگر مال زکوٰۃ کسی فقیر کے قبضے میں دے دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے میت کے لیے کفن خرید کر اس کو پہنا دے تو زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور فقیر کو بھی صدقے کا ثواب ملے گا۔

قال الحصكفيؒ: وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد وتمامه في حيل الاشباه۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ كتاب الزكوٰة)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: والحيلة في الجواز في هذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكوته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذه القربة كذا في المحيط۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

[2] قال العلامة ابن نجيمؒ: والحيلة في الجواز في هذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكوته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذه القربة كذا في المحيط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کا فقہی جائزہ اور ترامیم وتجاویز

سابق صدر پاکستان اور بری فوج کے سربراہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے
اپنے دورِ حکومت میں جب زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کے اجراء کا فیصلہ کیا اور رائے عامہ
معلوم کرنے کے لئے مشتہر کیا تو مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جید
اور محقق علماء کرام نے اس آرڈیننس کا جائزہ لیا اور چند خامیوں کو دور کرکے
اور اسے مکمل طور پر مؤثر بنانے کے لئے حکومت کو اپنی طرف سے ترامیم وتجاویز
پیش کیں۔ اس بورڈ میں جو علماء شامل تھے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔
(۲) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دارالافتاء ناظم آباد کراچی۔
(۳) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسنؒ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی
(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نائب رئیس دارالعلوم کراچی
(۵) حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رئیس دارالعلوم کراچی
(۶) حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی
(۷) شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمودؒ دارالعلوم کراچی
(۸) حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

ان تجاویز وترامیم کو فقہی مباحث سے مناسبت کی بناء پر فتاویٰ دارالعلوم
حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

صدرِ پاکستان کی طرف سے جاری کردہ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا

فقہی جائزہ اور ترامیم و تجاویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

حال ہی میں حکومتِ پاکستان نے سرکاری سطح پر زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور تقسیم کے لیے ایک آرڈیننس نافذ کیا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں پر واجب الاداء زکوٰۃ کا ایک حصہ حکومت وصول کرکے اس کی تقسیم کا انتظام کرے گی۔

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری ہے اور اگر حکومت یہ انتظام ٹھیک ٹھیک شرعی احکام کے مطابق قائم کرنے میں کامیاب ہوجائے تو یہ نفاذِ شریعت کی طرف ایک نہایت مثبت قدم ہوگا اور ان شاء اللہ اس ملک کے مسلمان اس کی دنیوی اور اخروی برکات سے بہرہ ور ہوسکیں گے لیکن اس نظام کو سرکاری سطح پر جاری کرتے وقت حکومت کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ اسلامی معیشت کے قیام کے لیے جتنا ضروری اور اہم ہے اتنا ہی نازک اور توجہ طلب بھی ہے۔ زکوٰۃ دوسرے محاصل یا ٹیکسوں کی طرح کوئی ٹیکس نہیں ہے بلکہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دی گئی ہے[1] لہٰذا اس میں عبادت اور اطاعتِ خداوندی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

---

[1] عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُنی الاسلام علیٰ خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان. متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۱۲ کتاب الایمان. الفصل الاول)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قدموا الزکوٰۃ علیہ اقتداءً بکتاب اللہ ... ولانہا افضل العبادات بعد الصلوٰۃ قہستانی۔ (رد المحتار علیٰ حاشیۃ الدر المختار ج۲ ص۲ کتاب الزکوٰۃ)

حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اپنے ذمے لے کر ایک ایسی گرانبار اور نازک ذمہ داری اپنے سر لے رہی ہے جو اس کے دینی جذبے، اس کے اخلاص اور اس کے حسن انتظام کے لیے ایک زبردست آزمائش اور امتحان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں حکومت کو ایک طرف تو اس بات کا پورا لحاظ رکھنا ہوگا کہ کسی مسلمان کے ساتھ زکوٰۃ کی وصولی میں کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے اور جتنی رقم اس کے ذمے شرعاً واجب الادا ہے اس سے ایک پائی بھی زائد وصول نہ ہو کیونکہ حدیث پاک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا[1] یعنی زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا۔

اور دوسری طرف اس بات پر کڑی نظر رکھنی ہوگی کہ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی یہ مقدس رقوم ٹھیک شریعت کے مطابق اس کے صحیح مستحقین تک پہنچیں اور اس میں کوئی خیانت، خورد برد، بدعنوانی یا شرعی احکام سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ زکوٰۃ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے مصارف کا تعین انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ اسے بذات خود قرآن کریم میں متعین فرما دیا ہے[2] چنانچہ جب تک زکوٰۃ کو ان مصارف پر صحیح طور سے خرچ کرنے کا اطمینان بخش انتظام نہ ہو جائے زکوٰۃ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم دونوں کا نظام صحیح طور سے مقرر کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا جس کی برکات ان شاء اللہ کھلی آنکھوں محسوس ہوں گی۔

اگر خدانخواستہ زکوٰۃ کی ان مقدس رقوم کو مستحقین تک پہنچانے کا انتظام صحیح نہ ہو سکا تو کروڑوں مسلمانوں کی عبادت خراب ہونے کا وبال بھی دنیا و آخرت میں بڑا سنگین ہو سکتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت کو اس کڑی آزمائش میں پورا

---

[1] عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۵۶ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ الفصل الثانی)

[2] قال اللہ تعالیٰ: انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ (سورۃ التوبہ آیت ۶۰)

اترنے کی توفیق کامل عطا فرمائے اور اس نازک مرحلے کو اس کے لیے آسان فرمائے آمین

اس مقصد کے حصول کے لیے پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ زکوٰۃ و عشر کا جو قانون نافذ کیا گیا ہے وہ شرعی اعتبار سے درست ہو اور اس میں شرعی لحاظ سے کوئی سقم باقی نہ رہے اور دوسرا قدم یہ ہونا چاہیے کہ اس قانون کے مطابق عمل درست ہو جہاں تک قانون کا تعلق ہے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے اجلاس میں سابقہ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس پر غور کیا گیا اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل تبصرہ اتفاق رائے کے ساتھ منظور کیا گیا۔

(۱) نصاب زکوٰۃ | اس آرڈیننس کی سب سے زیادہ سنگین غلطی یہ ہے کہ اس میں ہر اس شخص پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم کر دی گئی ہے جس کے بینک اکاؤنٹ میں زکوٰۃ منہا کرنے کے دن ایک ہزار روپے سے زائد رقم جمع ہو اور بینکوں کے علاوہ دوسرے مالیاتی اداروں میں بھی ایک ہزار روپے کی قید لگی ہوئی ہے بلکہ ان اکاؤنٹوں کے حامل افراد کو ان کے اثاثوں کی مالیت کا لحاظ کئے بغیر لازمی طور پر زکوٰۃ کا مستوجب قرار دے دیا گیا ہے یہ شرعی لحاظ سے انتہائی سنگین غلطی ہے اور عملاً اس قانون سے بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ زیادتی ہو سکتی ہے کہ ان پر شرعاً زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے باوجود ان سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے اس لئے کہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ صرف اس شخص پر فرض ہے جو نصاب[1] یعنی ۵۲½ تولہ چاندی یا اتنی مالیت کی نقدی، سونے یا مال تجارت کا مالک ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اس کی ملکیت میں ہو البتہ اگر کسی شخص کے پاس سونے کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ ہو تو اس کا نصاب ۷½ تولہ سونا ہے[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله نصاب هو ما نصبه الشارع علامة على وجوب الزكوٰة من المقادير (رد المحتار على هامش الدر المختار ج۲ ص کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل...... في عرض تجارة قيمته نصاب -

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۲۰ باب زكوٰة المال)

پھر اگرچہ شرعاً زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر رقم پر علیحدہ سال پورا ہو لیکن یہ ضروری ضرور ہے کہ وہ سارے سال کم از کم بقدر نصاب مالیت کا مالک رہا ہو۔ آرڈیننس میں زکوٰۃ کی ان بنیادی شرائط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔[1]

لہٰذا اگر نظامِ زکوٰۃ کو واقعۃً شرعی اصولوں کے مطابق قائم کرنا ہے تو آرڈیننس میں ایسی ترمیم ناگزیر ہے جس کی رو سے زکوٰۃ صرف انہی افراد سے وصول کی جاسکے جن کے ذمے شرعاً زکوٰۃ فرض ہے۔[2] اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ دفعہ ۲ ذیلی ۲۳ میں "صاحب نصاب" کی جو تعریف لکھی گئی ہے یعنی:

"صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کے ذمے اس آرڈیننس کی رو سے زکوٰۃ واجب الادا ہو"

اسے تبدیل کرکے "صاحب نصاب" کی تعریف اس طرح کی جائے:

"صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو"[3]

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ: قوله حولاً لانه عليه ای لان حولان الحول على النصاب شرط لكونه سبباً وهذا اعتبه للسنة وسمي الحول حولاً لان الاموال تتحول فيه لانه يتحول من فصل الى فصل من فصوله الاربع۔ (رد المحتار على هامش الدر المختار ج ۲ ص ۹ مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة)

[2] عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس فيما دون خمسة اوسق من التمر صدقة وليس فيما دون خمس اواق من الورق صدقة وليس فيما دون خمس الخ۔ (مشكوٰة المصابيح ج ۱ ص ۱۵۵ باب ما يجب فيه الزكوٰة)

[3] قال العلامة الحصكفيؒ: نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل ..... في عرض تجارة قيمته نصاب۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳ باب زكوٰة المال)

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کر کے اس قیمت کو وصولی زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) سال گذرنے کا مسئلہ

زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مقدار نصاب پر پورا سال گذر چکا ہو۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ صاحب نصاب بن جائے اور سارا سال صاحب نصاب رہے تو سال کے اختتام پر جتنی بھی رقم اس کی ملکیت میں ہوگی اس ساری رقم پر شرعاً زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے خواہ اس رقم کا کچھ حصہ ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو۔ لہٰذا ہر ہر رقم پر تو سال گذرنا ضروری نہیں ہے لیکن مقدار نصاب کا پورے سال ملکیت میں رہنا ضروری ہے[۲]

موجودہ آرڈیننس کے تحت ایسی صورتیں عملاً ممکن ہیں کہ جس تاریخ میں کسی شخص کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع کی جائے اس سے صرف چند روز پہلے ہی وہ صاحب نصاب بنا ہو تو ایسی صورت میں اس سال ایسے شخص سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنا شرعاً درست نہیں ہے[۳] لہٰذا آرڈیننس میں ایسی گنجائش موجود ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ اسے مقدار نصاب کا مالک بنے ہوئے سال پورا نہیں ہوا تو اس کی زکوٰۃ وضع نہ کی جائے[۴]

---

۱ قال العلامة الحصكفيؒ: مقوماً بأحدهما ان استويا فلو احدهما اروج تعين التقويم به ولو بلغ بأحدهما نصاباً دون الآخر تعين ما يبلغ به اهـ
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۲ باب زكوٰة المال)

۲ قال العلامة الحصكفيؒ: والمستفاد ولو بهبة او ارث وسط الحول يضم الى نصاب من جنسه فيزكيه بحول الاصل۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۲۵ باب زكوٰة الغنم)

۳ قال العلامة ابن عابدينؒ: قوله لم يتم الحول اي على ما في يده وعلى ما في بيته فلو كان في بيته مال آخر قد حال عليه الحول وما مر به لم يحل عليه الحول واتحد الجنس فان العاشر لا يلتفت اليه لوجوب الضم في متحد الجنس الا لمانع بحر
(رد المحتار على هامش الدر المختار ج۲ ص۴۲ باب العاشر)

۴ قال العلامة الحصكفيؒ: وسببه اي سبب افتراضها ملك نصاب حولي۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴ مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة)

(۳) قرضوں کا مسئلہ | آرڈیننس میں قرضہ جات کو قابل زکوٰۃ مالیت سے منہا کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ اس سلسلے میں فقہائے امت کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر طرح کے قرضے منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے[1] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرضے اموال باطنہ کی زکوٰۃ سے مانع ہیں، اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ سے نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید یہ ہے کہ کسی بھی طرح کا قرض زکوٰۃ سے منہا نہیں ہوگا[2] (ملاحظہ ہو المجموع شرح المہذب ج ۵ ص ۳۴۳، ۳۴۴)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو زکوٰۃ آرڈیننس کے جس مسودے کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا گیا تھا اس میں بھی قرضوں کی منہائی کی کوئی شق موجود نہ تھی اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" نے اس وقت بھی یہی رائے پیش کی تھی۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ بینات، البلاغ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ)

لہٰذا مجلس کی رائے میں نصاب، حولان حول اور قرضوں کے بارے میں مذکورہ بالا تجاویز کو مدنظر رکھتے ہوئے آرڈیننس کی دفعہ ۳ مجوزہ ترمیم کے بعد اس طرح ہونی چاہیئے:۔

"(۱) آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحب نصاب شخص سے شیڈول اول میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازمی زکوٰۃ وصول کی جائے گی، شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی قابل زکوٰۃ جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا تو اس سے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ مزید شرط یہ ہے کہ "جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوة عليه۔ وقال الشافعي رحمه الله تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا، تو اس کے قرضے کی رقم کو قابل زکوٰۃ رقم سے منہا کیا جائے گا ۔[1]

(۴) اموال ظاہرہ و باطنہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ منہا کرنے پر ایک علمی اشکال یہ ہے کہ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق حکومت کو اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہوتا ہے اموال باطنہ سے نہیں۔[2]

عام طور پر فقہاء نے مفت چراگاہوں میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور اس مال تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جا رہا ہو اموال ظاہرہ میں شمار کیا ہے اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابل زکوٰۃ اموال کو اموال باطنہ قرار دیا ہے، بینک اکاؤنٹس چونکہ بصورت نقد ہوتے ہیں اس لئے علمی طور پر یہ سوال قابل غور ہے کہ حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد مجلس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ موجودہ دور میں بینک اکاؤنٹس کو اموال ظاہرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں اموال ظاہرہ و باطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی بلکہ دونوں قسم

---

[1] قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: إن مال الزكاة نوعان ظاهر وهو المواشي والمال الذي يمر به التاجر على العاشر وباطن وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها أما الظاهر فللإمام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولاية الأخذ. ثم قال بخلاف الأموال الباطنة۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۱ باب العاشر)

[2] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ويأخذ الصدقات ... من التجار المارين بأموالهم الظاهرة والباطنة عليه۔ قال ابن عابدين رحمه الله: ومراده هنا بالباطنة ما عدا المواشي بقرينة قوله المارين بأموالهم۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص [illegible] مطلب ما ورد في ذم العشار)

کے اموال سے زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب قابلِ زکوٰۃ اموال کی کثرت ہوگئی اور آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اگر عاملینِ زکوٰۃ لوگوں کے گھروں اور دوکانوں میں جا جا کر ان کی املاک کی چھان بین کریں گے تو اس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور اس سے ان کے مکانات، دوکانوں، گوداموں اور محفوظ مخفی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی، تو آپؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صرف اُن اموال کی زکوٰۃ حکومت کی سطح پر وصول کی جائے جن کی زکوٰۃ وصول کرنے میں یہ مضرت لاحق نہ ہو، جن کا حساب کرنے کے لیے گھروں اور دوکانوں کی تلاشی نہ لینی پڑے۔ ایسے اموال اُس زمانے میں صرف دو قسم کے تھے یعنی مویشی اور زرعی پیداوار۔ چنانچہ صرف ان کی زکوٰۃ آپؓ نے سرکاری سطح پر وصول کرنے کا اعلان فرمادیا، اور باقی اموال کو باطنہ قرار دے کر ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالکان کی ذمہ داری قرار دے دی۔

بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا تو انہوں نے شہروں کے باہر ایسی چوکیاں مقرر فرمادیں کہ جب کوئی شخص مالِ تجارت لے کر وہاں سے گذرے تو اس سے وہیں زکوٰۃ وصول کرلی جائے، اس مقام پر شہر سے باہر جانے والے مالِ تجارت کو بھی اموالِ ظاہرہ میں شمار کرلیا گیا، کیونکہ حکومت کو اس کی زکوٰۃ وصول کرنے اور اس کا حساب کرنے کے لیے مالکان کے گھروں، دوکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی کی ضرورت نہیں تھی۔

مذکورہ بالا صورتِ حال کی وضاحت کے لیے حضرات فقہائے کرام کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ظاهر قوله تعالیٰ "خذ من اموالهم صدقة" الآية، توجب اخذ الزكوٰة مطلقاً للامام، وعلى هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده، فلما ولي عثمان رضى الله عنه وظهر تغير الناس كره ان يفتش السعاة على الناس مستور اموالهم ففوض الدفع الى الملاك نيابة عنه ولم تختلف الصحابة فى ذلك عليه وهذا لا يسقط طلب به۔ (فتح القدير ج ۱ ص ۴۸۷ كتاب الزكوٰة)

(۲) اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

وقوله تعالیٰ "خذ من اموالهم صدقة" الآية يدل على ان اخذ الصدقات

الى الامام وانه متى اداها من وجبت عليه الى المساكين لم يجزه لان حق الامام قائم في اخذها فلا سبيل له الى اسقاطه وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يوجه العمال على صدقات المواشي ويأمرهم بان يأخذوا على المياه في مواضعها۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:-

اما زكوة الاموال فقد كانت تحمل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم والى ابي بكر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زكوتكم فمن كان عليه دين فليؤده ثم ليزك بقية ماله فجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها لانه عقد عقده امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة لقوله عليه السلام و   عليهم اولهم ولم يبلغنا انه بعث سعاة على زكوة الاموال كما بعثهم على صدقات المواشي والثمار في ذلك لان سائر الاموال غير ظاهرة للامام وانما تكون مخبوءة في الدور والحوانيت ومواضع الحريزة ولم يكن جائزا للسعاة دخول احرازهم ولم يجز ان يكلفوهم احضارها .... ولما ظهرت هذه الاموال عند التصرف بها في البلدان اشبهت المواشي فنصب عليها عمال يأخذون منها ما وجب من الزكوة ولذلك كتب عمر بن عبد العزيز الى عماله ان يأخذوا ممن مر به من المسلمين من التجارات عن كل عشرين دينارا نصف دينار -

(احكام القرآن ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعه استنبول ۱۳۳۵ھ)

(۳) اور فقہ حنفی کی معروف کتاب "الاختیار" میں ہے:-

لان الاخذ كان للامام وعثمان رضي الله عنه فوضه الى الملاك وذلك لا يسقط حق طلب الامام حتى علم ان اهل بلدة لا يؤدون زكاتهم طالبهم بها ولو مر بها على الساعي كان له اخذها ۔ (الاختيار ج ۱ ص [illegible] كتاب الزكوة)

(۴) اور علامہ برہان الدین المرغینانیؒ تحریر فرماتے ہیں:-

ومن مر على عاشر بمائة درهم واخبره ان له في منزله مائة اخرى وقد حال عليها الحول لم يزك التي مر بها العاشر لقلته ۔ وما في بيته لم يدخل تحت حمايته ۔ (الهداية ج ۱ ص [illegible] باب من يمر على العاشر)

فقہائے کرام کی مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ [illegible] پیداوار اور سامان تجارت

اُس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہوں ایسے اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے میں چونکہ ان نجی مقامات میں دخل اندازی کرنی پڑتی ہے اسلئے انہیں حکومت کی وصولیابی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، لیکن جب یہی اموال مالکان ان نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں [1] اور حکومت کو ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، گویا کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار ہونے کے لیے دو بنیادی امور ضروری ہیں:-

ایک یہ کہ وہ ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے ان کا حساب کرنے کے لیے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے۔ کما فی العبارۃ الاولیٰ والثانیۃ۔

اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں۔ کما فی العبارۃ الرابعۃ۔

اگر اس معیار پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہ دونوں باتیں پوری طرح موجود ہیں۔ ایک طرف تو یہ وہ اموال ہیں جنہیں ان کے مالکان نے اپنی حرزِ حفاظت سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے اور ان کے حسابات میں نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، دوسرا یہ حکومت کے زیرِ حمایت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں، بالخصوص جب بینک سرکاری ملکیت میں ہوں اور ان کو جو سرکاری تحفظ حاصل ہے وہ عاشر پر گذرنے والے اموال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اس لیے مجلس کی رائے یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھے ہوئے اموال، اموالِ ظاہرہ کے حکم میں ہیں اور حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔

اور اگر بالفرض انہیں یا ان میں سے بعض کو اموالِ باطنہ ہی قرار دیا جائے تب بھی

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: نصبہ الامام علی الطریق ... لیاخذ الصدقات ...... من التجار ... المارین باموالہم الظاہرۃ والباطنۃ علیہ۔ قال ابن عابدینؒ: والمراد ھنا بالباطنۃ ما عدا المواشی بقرینۃ قولہ المارین باموالہم وإلا فکل ما مر بہ علی العاشر فہو من نوع ظاہر وسماھا باطنۃ باعتبار ما کان قبل المرور۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۲ مطلب ما ورد فی ذم العشار)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۸۳ الباب الرابع فیمن یمر علی العاشر۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جس علاقے کے لوگ از خود زکوٰۃ ادا نہ کریں تو وہاں حکومت اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے جیسا کہ "فتح القدیر" اور "الاختیار" کی عبارتوں سے اس کی تصریح گذر چکی ہے اور یہی مسئلہ "بدائع الصنائع جلد ۲ ص" میں بھی موجود ہے۔

(۵) زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ | بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنے کے بارے میں ایک دوسرا علمی اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور دوسری عبادتوں کی طرح اس کی ادائیگی میں بھی نیت ضروری ہے لیکن جب مذکورہ اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کی جائے گی تو اس میں مالکان کی طرف سے شاید نیت نہ ہو سکے؟

لیکن فقہاء کرام کی تصریحات میں اس اشکال کا حل موجود ہے اور وہ یہ کہ حکومت کو جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے ان میں حکومت کا وصول کر لینا بذاتِ خود نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

وفی مختصر الکرخیؒ اذا اخذها الامام کرها فوضعها موضعها اجزأ لان له ولایة اخذ الصدقات فقام اخذه مقام دفع المالك وفی القنیة فیه اشکال لان النیة فیه شرط ولم توجد منه اھ قلت: قول الکرخیؒ فقام اخذه الخ یصلح للجواب تامل۔ (رد المحتار حاشیہ الدر المختار ج ۲ ص ۲۷ مطلب فیما لو صادر السلطان)

(۶) بینک اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی حیثیت | بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر تیسرا شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بینکوں میں جو رقوم جمع کرائی جاتی ہیں وہ فقہی اعتبار سے قرض کے حکم میں ہیں اور مقروض کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ قرض خواہ کی رقم سے زکوٰۃ وضع کر لے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض بن جانے کے بعد تو یہ اموال مضمون ہونے کی بناء پر اور زیادہ سرکاری تحفظ میں آگئے ہیں اس لیے قرض ہونے سے حکومت کے وصولی زکوٰۃ کے حق پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا، یہ بلا شک و شبہ دَین قوی ہے جس پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے اور بینکوں کے سرکاری ملکیت ہونے کی وجہ سے یہ رقوم حکومت کے صرف علم ہی میں نہیں بلکہ اس کے قبضے اور ضمانت میں آجاتی ہیں، اسلئے اگر حکومت ولایتِ عامہ کی بناء پر ان سے زکوٰۃ وضع کرے تو اس کو کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

(۹) محتاط طریقہ | لیکن مجلس یہ کہتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا محتاط طریقہ یہ ہوگا کہ جب کوئی شخص ان اداروں میں اپنی رقم رکھوانے کے لیے آئے تو وہ ایک فارم پُر کرے جس میں اس کی طرف سے متعلقہ ادارے کو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ تاریخِ زکوٰۃ آنے پر اس کی رقم سے زکوٰۃ منہا کر کے زکوٰۃ فنڈ کو دے دے۔ اس طرح یہ ادارے مالکان کی طرف سے باقاعدہ وکیل بالادا زکوٰۃ بن جائیں گے اور پھر اس میں نہ سوالِ وکالت کی بنیاد پر کوئی اشکال باقی رہے گا نہ نیت کی بنیاد پر، اور نہ اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی بنیاد پر۔

(۱۰) سودی اکاؤنٹس اور زکوٰۃ | بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر ایک اور خلجان بعض ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ یہ تو سودی اکاؤنٹس ہیں اور سود اور زکوٰۃ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک اسلامی حکومت میں سودی کاروبار کا وجود اس کے ماتھے پر کلنک کا شرمناک ٹیکہ ہے اور بالخصوص زکوٰۃ کا نظام جاری کرنے کے بعد اس حرام و ناپاک ذریعۂ آمدنی کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے لہٰذا یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد مسلمانوں کو سودی نظام کی اس لعنت سے نجات دلائے۔ لیکن جہاں تک زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق ہے فقہی اعتبار سے اگر کسی شخص کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو اور وہ مجموعہ پر سے زکوٰۃ نکال دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں[1] فرق صرف اتنا ہے کہ حلال آمدنی کا ڈھائی فیصد تو زکوٰۃ ہوگا اور حرام آمدنی کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ نہیں ہوگا بلکہ وہ صدقہ سمجھا جائے گا۔ جو حرام آمدنی سے جان چھڑانے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اصل شرعی حکم یہ ہے کہ سود لینا حرام ہے، لیکن اگر کوئی شخص سود وصول کرے تو وہ [illegible]

---

[1] قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله في الدر المختار: لو كان له مائة وستة وأخذ مائة وخلطها ثم تصدق لا يكفر لأنه ليس بحرام بعينه. قال ابن عابدين: بأن هذا ليس هو نفس الحرام لأنه ملكه بالخلط.

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۱
مطلب في التصدق من المال الحرام)

وجوب تصدق ہے۔[1] اب اگر حکومت نے اس میں سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ فنڈ میں دیدیا ہے چونکہ زکوٰۃ فنڈ میں صدقات نافلہ اور عطیات بھی شامل ہیں، تو بامکان پھر لازم ہے کہ باقیماندہ سود بھی چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے صدقہ کریں نہ یہ کہ اسی کی بنیاد پر اصل مال کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کریں۔

مثال کے طور پر ایک شخص کے ایک ہزار روپے بنک میں جمع ہیں اور اس پر سو روپے سود کا اضافہ ہو گیا ہے تو حکومت پورے گیارہ سو روپے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے ساڑھے ستائیس روپے وصول کرے گی، ان ساڑھے ستائیس روپوں میں سے پچیس روپے تو اس شخص کے اصل یعنی ایک ہزار روپے کی زکوٰۃ ہے اور ڈھائی روپے زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ سود کی جو رقم پوری کی پوری صدقہ ہونی چاہیے تھی اس کا ایک حصہ ہے۔ اگر یہ بھی زکوٰۃ فنڈ میں چلا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس کا مصرف بھی فقراء ہی ہیں۔

(۹) نابالغ کی زکوٰۃ

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وجوبِ زکوٰۃ کے لیے صاحبِ نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط ہے[2] جبکہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نابالغ اور فاتر العقل کے مال پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ آرڈیننس میں چونکہ بالغ اور نابالغ کے اکاؤنٹس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اس لیے اس میں غالباً شافعی مسلک اختیار کیا گیا ہے اور لوگوں کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر اگر ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی حکومت کے لیے اس میں بڑی احتیاط کرنا لازم ہے۔

---

[1] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: إنما يكفره التصدق بخوم القطعي. قال ابن عابدين: أي مع رجاء الثواب الناشي عن استحلاله. وقال الحصكفي رحمه الله: فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثاً (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۸ مطلب في التصدق من المال الحرام)

[2] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وشرط افتراضها عقل وبلوغ وإسلام وحرية. قال ابن عابدين: فلا تجب على مجنون وصبي لأنها عبادة محضة وليسا مخاطبين بها (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴ مطلب الفرق بين السبب والشرط والعلة)

(۱۰) ترکے کا مال

البتہ بینک اکاؤنٹس میں بعض اموال ایسے ہو سکتے ہیں جو کسی مرحوم شخص کا ترکہ ہوں، چونکہ مرحوم کے انتقال کے ساتھ ساتھ ان اموال پر ورثاء کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور ورثاء میں سے ہر ایک کا صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں اس لیے اس مال سے بھی زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں ہوگا۔[۱] لہٰذا آرڈیننس میں یہ استثناء بھی ہونا چاہیے کہ جو شخص زکوٰۃ وضع کرنے کے دن انتقال پا چکا ہو اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۱۱) کمپنیاں اور شیئرز

آرڈیننس میں کمپنیوں کو بھی صاحب نصاب قرار دیا گیا ہے اور کمپنیوں کے حصص کو بھی شیڈول ۱ میں درج کر کے ان سے زکوٰۃ وضع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر کمپنی بینک اکاؤنٹس سے بحیثیت فرد قانونی الگ زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اس کمپنی کے حصہ داروں سے ان کے حصص پر الگ زکوٰۃ وصول ہوگی، اگر واقعہ یہی ہے تو یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک ہی مال سے سال میں دو مرتبہ زکوٰۃ وصول ہونے کا احتمال ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کمپنیوں سے زکوٰۃ وصول کی جا رہی ہے تو حصہ داروں سے الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے، اور اگر حصہ داروں سے وصول کی جا رہی ہے تو کمپنیوں سے وصول نہ کی جائے، ان دونوں صورتوں میں سے مجلس کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ حصص پر وصول کی جائے۔

(۱۲) عشر بصورت نقد

آرڈیننس میں عشر کا بھی ایک حصہ لازماً وصول کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، مثلاً بارانی زمینوں کی پیداوار کا پانچ فیصد، ہر قسم کی زمینوں میں کاشتکار کا حصہ وغیرہ۔ لیکن ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ ان پر شرعاً عشر واجب ہے جسے مالکان اپنے طور پر ادا کریں گے۔ اس حکم میں شرعاً کوئی خرابی نہیں، البتہ آرڈیننس کی دفعہ ۵ ذیلی ۵ میں صراحت کی گئی ہے کہ عشر بصورت نقد وصول کیا جائے گا، صرف گندم اور دھان کے بارے میں یہ

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: ولذا لا یؤخذ العشر من الوصی إذا قال هذا مال الیتیم۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۷ قبیل باب الرکاز)

استثناء رکھا گیا ہے کہ اگر صوبائی کونسل چاہے تو اسے بصورت جنس وصول کرے۔
مجلس کی رائے میں یہ حصہ بھی لائق ترمیم ہے کیونکہ شرعاً عشر کو بصورت نقد ادا کرنا لازم نہیں بلکہ شریعت نے اس میں مالک پیداوار کی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے[۱] لہٰذا یہ پابندی ختم کر کے اس معاملے کو مالک پیداوار کی صوابدید پر چھوڑنا چاہئے۔

(۱۳) چوتھائی پیداوار کا عشر سے استثناء | آرڈیننس میں زرعی پیداوار کے چوتھائی حصہ کو اخراجات کی مد میں عشر سے مستثنیٰ کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ کے اقوال اس قسم کے منقول ہیں کہ چوتھائی پیداوار تک اخراجات کی مد سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج۳ ص۲۴۲ باب خرص التمر، لیکن حنفیہ اور اکثر فقہاء کے مسلک میں یہ چھوٹ نہیں ہے[۲] لہٰذا اگر حکومت یہ چوتھائی حصہ لازمی وصولی سے مستثنیٰ کرنا چاہتی ہے تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرنا چاہئے کہ اس حصہ کا عشر مالکان خود ادا کر دیں[۳]

(۱۴) تاریخ زکوٰۃ | موجودہ آرڈیننس کے مطابق ہر سال زکوٰۃ یکم رمضان المبارک سے شروع ہو کر شعبان کے آخری دن پر ختم ہوگا، اور یہ بات اطمینان بخش ہے کہ شریعت کے مطابق زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے ہجری سال کو اختیار کیا گیا ہے[۴] لیکن

---

[۱] قال العلامة المرغیناني: ویجوز دفع القیم في الزکوٰة عندنا وکذا في الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر...... ولنا ان الامر بالاداء الی الفقیر ایصال للرزق الموعود الیه الخ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۷۳ فصل في الخیل)

[۲] قال العلامة المرغیناني: وکل شیء اخرجته الارض مما فیه العشر لا یحتسب فیه اجر العمال ونفقة البقر لان النبي علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنی لرفعها۔ (الهدایة ج۱ ص۱۸۵ باب زکوٰة الزروع والثمار)

[۳] قال العلامة المرغیناني: في قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر سواء سقي سیحا الخ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۸۳ باب زکوٰة الزروع والثمار)

[۴] قال العلامة الحصکفي: وحولها اي الزکوٰة قمري بحر عن القنیة لا شمسي۔ (رد المحتار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳ قبیل باب زکوٰة المال)

مختلف اثاثوں کی قیمت لگانے کے لیے پہلے شیڈول میں مختلف تاریخیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہ صورتحال شرعاً درست نہیں ہے شرعی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص صاحب نصاب بن جائے تو اس کی ہر رقم کے لیے الگ سال شمار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تمام اثاثوں کے لیے زکوٰۃ کے وجوب کی ایک ہی تاریخ ہوتی ہے۔[1] لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمام اثاثوں میں قیمت لگانے کی تاریخ (VALUTION DATE) ایک ہی رکھی جائے۔ البتہ اس قیمت کی بنیاد پر زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں (DEDUCTION DATE) مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

(۱۵) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کی زکوٰۃ آرڈیننس کے شیڈول ۳ میں اشیاء کی فہرست دی گئی ہے جن پر حکومت لازماً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گی بلکہ مالکان پر بطور خود ان کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اس فہرست میں قیمتی پتھروں اور مچھلیوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے، حالانکہ ان دونوں اشیاء پر اس وقت زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک تجارت کی نیت سے انہیں خریدا نہ گیا ہو۔[2] لہٰذا ان دونوں اشیاء کو اس شیڈول سے خارج کرنا چاہئے کیونکہ بہ نیت تجارت خریداری کی صورت میں یہ "اموال تجارت" میں شامل ہو جائیں گے جن کا ذکر شیڈول ۲ میں موجود ہے۔

(۱۶) مصارف زکوٰۃ مصارف زکوٰۃ کے بیان میں آرڈیننس میں براہ راست فقراء کو زکوٰۃ پہنچانے کے ساتھ مختلف اداروں کے توسط سے فقراء کی

---

[1] قال العلامة المرغيناني رحمه الله: ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول من جنسه ضمه اليه وزكاه به ..... لنا ان المجانسة هي العلة في الاولاد والارباح لان عندها يتعسر التمييز فيعسر اعتبار الحول لكل مستفاد وما شرط الحول الا للتيسير۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۶۵ فصل في الخيل)

[2] وفي الهندية: ولا شئ فيما يستخرج من البحر كالعنبر واللؤلؤ والسمك كذا في فتاوى قاضي خان۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۶ قبيل الباب السادس في زكوة الزرع والثمار)
وقال العلامة الحصكفي: لا زكوة في اللآلي والجواهر وان ساوت الفا اتفاقا الا ان تكون للتجارة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ قبيل باب السائمة)

امداد کا بھی ذکر ہے، اس میں یہ وضاحت ہونی چاہیئے کہ ہر صورت میں زکوٰۃ کی ادائگی مستحق زکوٰۃ کو باقاعدہ مالک بنا کر کی جائے گی۔[1]

خلاصۂ تجاویز برائے حکومت

(۱) صاحب نصاب کی موجودہ تعریف کی جگہ حسب ذیل تعریف لکھی جائے:۔

"صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو، یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو"

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کیا جائے اور اس قیمت کو وصولی زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے، یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں ترمیم کر کے اس کو اس طرح بنایا جائے:۔

"آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحب نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی"

شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کردے کہ تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا، تو اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کردے کہ وہ مقروض ہے اور اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا تو اس کے قرضے کی رقم کو قابل زکوٰۃ رقم سے منہا

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: الزکوٰۃ شرعاً تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیماً ناویاً الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم۔

(الدر المختار علیٰ ھامش رد المختار ج ۲ ص ۳ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ۔

کیا جائے گا۔

مزید شرط یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں باضابطہ طبی سرٹیفکیٹ کے ذریعے ثابت ہو جائے کہ وہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخ میں انتقال پا چکا تھا تو اس کے اکاؤنٹ سے بھی زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۳) بنکوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں رقم رکھوانے والوں سے ایک وکالت نامہ تحریر کرایا جائے جس میں وہ متعلقہ مالی ادارے کو یہ اختیار دیں کہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر وہ ادارہ ان کی طرف سے زکوٰۃ وضع کر کے زکوٰۃ فنڈ میں جمع کرا دے۔

(۴) کمپنیوں اور ان کے حصص پر الگ الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے بلکہ اگر کمپنیوں سے وصول کی جا رہی ہے تو حصص پر وصول نہ ہو اور اگر حصص پر وصول کی جا رہی ہو تو کمپنیوں پر وصول نہ ہو۔ ان دونوں صورتوں میں سے بہتر یہ ہے کہ حصص پر وصول کی جائے۔

(۵) عشر کے بصورت نقد وصول کرنے کی پابندی ختم کی جائے بلکہ یہ امر مالک پیداوار پر چھوڑا جائے کہ وہ چاہے تو بصورت جنس ادا کرے اور چاہے تو بصورت نقد ادا کرے۔

(۶) ہر زرعی پیداوار میں سے جو تہائی حصہ جو کہ حکومت بطور منہائی اخراجات چھوڑ رہی ہے اس کے بارے میں یہ اعلان کیا جائے کہ اس حصہ کا عشر مالکان خود ادا کریں۔

(۷) شیڈول ۱ کے تحت تمام اثاثوں کے لئے قیمت مقرر کرنے کی تاریخ (VALUATION DATE) ایک ہی مقرر کی جائے اور مختلف اثاثوں کے لئے مختلف تاریخیں نہ رکھی جائیں البتہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں بشرطیکہ اثاثوں کے اسباب مختلف ہوں۔

(۸) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کو شیڈول ۲ سے خارج کیا جائے۔

(۹) شیڈول ۲ میں مویشیوں کی زکوٰۃ کی شرح بیان کرتے ہوئے پانچ سے پچیس اونٹ تک کی شرح بہت مجمل ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ایک اونٹ واجب ہے۔ اس کی اصلاح کر کے واضح یہ لکھنا چاہئے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہوگی۔

(۱۰) مصارف زکوٰۃ میں یہ وضاحت کی جائے کہ ہر صورت میں مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا

اسلامی قوانین کے نفاذ میں شیعہ سنی تفریق تباہ کن ہے

وفاقی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۹ فروری ۱۹۸۳ء زیر بحث نظام عشر اور زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کے مسودہ پر مولانا سمیع الحق صاحب نے وقت کے محدود ہونے کے باوجود مختصر خطاب کے دوران چند اہم امور پر توجہ دلائی۔ مولانا کے اس خطاب کو وفاقی بجٹ عشر و خراج کے ساتھ تعلق بحث کی وجہ سے وفاقی مجلس شوریٰ کی پروسیڈنگ سے مختصر حصے نقل کرکے افادہ عام کیلئے قارئین الحق کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے (مرتب)

جناب چیئرمین: مولانا سمیع الحق صاحب!

مولانا سمیع الحق: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب چیئرمین صاحب! عشر کے بارے میں ہمارے دوستوں نے نہایت فاضلانہ گفتگو کی ہے اور اس کی شرعی حیثیت سے جو نکات تھے وہ ہمارے علماء کرام نے با تفصیل واضح کئے ہیں۔ اس محدود وقت میں مختصر تین نکات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا جن کی طرف بعض حضرات نے اشارہ بھی کیا ہے۔

عشر کے ساتھ خراج بھی ہے

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اراضی کے متعلق زمینوں کے متعلق اسلام کا جو نظام محاصل ہے وہ دو چیزوں سے عبارت ہے، عشر اور خراج۔ تو ہم اس سمت میں جب قدم اٹھا رہے ہیں اور یہ ایک نہایت قابل تحسین قدم ہے، انشاء اللہ اس سے جو خامیاں اور رکاوٹیں ہیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی لیکن ہم نے نظام عشر کے ساتھ ساتھ خراج کے نظام کو بالکل یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ خراج کا معنی یہ ہے کہ جو اراضی غیر مسلموں کی ہیں ان پر بھی عشر کی طرح ایک خاص شرح سے ٹیکس لگایا جائے۔ عشر تو عبادات میں شامل ہے اور غیر مسلموں سے حاصل ہونے والے محاصل کو ہم عشر نہیں کہہ سکتے لیکن اسلام کی نظر میں ایک اسلامی مملکت کے تمام شہری حقوق کے لحاظ سے بھی برابر ہوتے ہیں اور زاویوں کے لحاظ سے بھی۔ زمین جب اسلامی مملکت کی کسی مسلمان کے پاس ہے یا

دیئے جائیں گے اور اس کے کئی حل بھی متعین ہیں اور جہاں جہاں اس کو خرچ کیا جائے گا وہ مصارف بھی متعین ہیں۔ لہٰذا موجودہ طریقہ تو بے حد خطرناک ہے کہ جس کی سارے عالم اسلام میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ احوالِ شخصیہ کا معاملہ الگ ہے۔ پرسنل لاز میں ہم فقہی اختلافات کی گنجائش ضرور رکھیں گے لیکن جہاں مسئلہ آئے گا احوالِ عامہ اور پبلک لاز کا تو اس معاملے میں تفریق کسی جگہ بھی اختیار نہیں کی جائے گی۔ اس کے ایک خطرناک پہلو کا میں نے بحث کے موقع پر بھی ذکر کیا تھا۔ ہم سنی حضرات یا شیعہ حضرات کہہ دیے اس طرح اپنے مسلک بدلنے کا راستہ نکالیں یا مالی مفادات کی وجہ سے ایک شخص فارم میں یہ لکھے کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور جہاں اسے نقصان ہے وہ لکھے گا کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور جناب صدر صاحب نے خود ایک میٹنگ میں وعدہ کیا کہ غلط ڈیکلریشن پر سخت سزا مقرر کی جائے گی مگر زکوٰۃ کے مسئلے میں ایسا ہوا کہ ہزاروں لوگوں نے غلط ڈیکلریشن دے دیئے اور سنی نے اپنے آپ کو شیعہ لکھ دیا۔ تو کیا کسی ایک ڈیکلریشن کو بھی شریعت کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے؟ نقصان اس کا سنیوں کو ہے جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے اکثریت میں ہیں لیکن وہ گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ جو شخص مالی مفادات کی خاطر ایسا کر رہے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کی کمزوری ہے۔ تو کئی لکھ دیتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں۔ زکوٰۃ کے مسئلے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ یہی فارم کل ہمارے خلاف دلیل بنیں گے کہ شیعوں کی اتنی بڑی تعداد ہے تو تم شیعہ کو سنی اور سنی کو شیعہ بننے کا راستہ کیوں کھولتے ہو؟ اس کو اسلامی اصطلاح میں الحاد اور زندقہ کہا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر حکومت نے اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو خدارا ان کے اصول کے مطابق، ان کے مسلک کے مطابق، ان کی رائے کے مطابق بھی کوئی طریق کار وضع کیا جائے ان کو کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ کمال تو یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ اور مصارفِ عشر کی تقسیم میں تو آپ نے کوئی تمیز متعین نہیں کی کہ اس میں شیعہ یا سنی کا اعتبار کس طرح کیا جائے گا، بلکہ لیتے تو آپ ایک خاص طبقہ (اہلسنت) سے ہیں اور تقسیم کرنے میں فراخ دلی اختیار کرتے ہیں، لینے والا خواہ شیعہ ہو یا سنی وہ لے سکتا ہے۔

مراعات کے لیے حکومت عادلہ ضروری نہیں تو ذمہ داریوں کے لیے کیوں؟

ہمارے شیعہ دوست کہتے ہیں کہ جب حکومت عادلہ ہوگی تب یہ چیزیں ہم پر لازم ہوں گی حکومت عادلہ کی یہ اصطلاح ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر دنیاوی عہدوں کیلئے، مناصب کے لیے، مراعات کے لیے حکومت، حکومت عادلہ

ہے تو حکومت کی طرف سے جو ذمہ داریاں رعایا پر عائد ہوتی ہیں تو اس کے لیے وہ حکومت کیوں حکومت عادلہ نہیں سمجھی جاتی؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس طرح بدقسمتی سے ایک چیز عوام کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہے "ہم تو یہی کہتے ہیں کہ شیعہ اور سنی ہمیشہ بھائیوں کی طرح رہیں اور ملک پر آوازہ نہ اٹھے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ آج اس معاملہ میں شیعہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں تو آخر کار سنیوں کی طرف سے بھی یہ آواز اٹھے گی کہ بھائی جب یہ الگ ہو رہے ہیں تو ہمیں بھی الگ کر دو اور انہیں بھی الگ کر دو۔ خدا نہ کرے اگر ایسا ہو گیا تو یہ ملک و قوم کیلئے نہایت خطرناک ہوگا۔

کل جناب وزیر خزانہ نے کہا کہ یہ مسئلہ علماء کی افہام و تفہیم کا ہے۔ کمال ہے کہ کیا علماء میں افہام و تفہیم سے ایسے احکامات لاگو ہو سکتے ہیں جو حکومت لاگو نہیں کر سکتی، علماء کیسے بیٹھ کر کیسے افہام و تفہیم کریں، یہ علماء تو آپ کو کہتے ہیں کہ بھائی عشر نافذ ہی نہ کرو آپ کے جو علماء ہیں ان کی اکثریت آپ کے خلاف ہے۔ میں آپ کو یہ حقیقت بتاؤں کہ علماء کہتے ہیں کہ عشر نافذ ہی مت کرو، زکوٰۃ مت نافذ کرو، لیکن اس مسئلے میں تو آپ علماء کو نہیں دیکھتے اور اس مسئلہ میں آپ علماء کو کہتے ہیں کہ آپس میں افہام و تفہیم پیدا کریں جو علماء کے بس کی بات نہیں۔ باہمی مفاہمت پیدا کرنا، یکجہتی کو قائم کرنا ان قوانین میں یہ حکومت کا اولین فرض ہے اور انشاء اللہ دونوں طبقوں میں معتدل، سنجیدہ اور مخلص حضرات موجود ہیں وہ اس چیز کو گوارا نہیں کریں گے۔ تو انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ آپ کیلئے یہ راستہ آسان بنا دے گا ورنہ کہاں کہاں آپ یہ دو عملی اور تفریق کا سلسلہ جاری رکھیں گے؟

عشر اور نصف العشر تیسری میری گذارش یہ تھی کہ اخراجات کے سلسلے میں مسئلہ کو خواہ مخواہ الجھا دیا گیا ہے، شریعت نے خود کھیتی باڑی پر اٹھنے والے مصارف پر رعایت رکھی ہے بارانی زمینوں پر زیادہ اخراجات نہیں اٹھتے اسلئے اس پر عشر یعنی دسواں حصہ اور نہری یا چاہی زمینوں پر نصف العشر یعنی بیسواں حصہ یعنی عشر کی اس کو رعایت دیدی گئی ہے۔ تو یہ ایک عجیب صورت حال ہے کہ اخراجات منہا کرنے کی کو منہا کرنے کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ عشر نافذ کیا گیا ہو تو اس میں اخراجات کو منہا کیا گیا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت رکھی ہے تو اس مسئلے کو اتنا نہ الجھایا جاتا اور عشر اور نصف العشر پر چھوڑ دیا جاتا۔

تو جناب والا میری بنیادی بات وہ ہے جو درمیان میں بھی نے کہہ دی کہ فقہی اختلافات کا یہ سلسلہ نہ ایران میں ہے نہ عراق میں نہ مصر میں اور نہ شام میں ہے، خدا کے لیے اس سلسلے کو روکا جائے اور اس کی اب بھی تلافی کی جائے۔ شکریہ!

زکوٰۃ ـــــ اور مجتہدین

قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ نصاب مسلمانوں پر فرض کی ہے
بلکہ اس کو اسلامی عمارت کا ایک اہم ستون قرار دیا ہے۔ عصرِ حاضر کے بعض
"روشن خیال" اور "مجتہدین" مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی
پاکستان وغیرہ نے تمام زکوٰۃ کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے [illegible]
مدارسِ دینیہ اور [illegible] کرنے والوں کے نام [illegible]
حضرت جیسے زکوٰۃ کو عبادت سے نکال کر ٹیکس قرار دینے کے لیے تحریک [illegible]
آغاز کر دیا گیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی نے اس روشن نظریے
اور مجتہدین کی تحریکات کا تعاقب کرتے ہوئے "قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی"
کے عنوان سے ایک جامع مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق میں شائع ہوا تھا۔
جسے اب "فتاویٰ حقانیہ" میں افادۂ عام کے لیے شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور انتھک قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا جس کی خاطر
لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا، ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور
لاکھوں مظلوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی
پونجی اس کی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شاداں تھے کہ

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور نادان قیمت اقدار لے کر اٹھے اور اس کی بنیادوں کو ہی ڈھانا شروع
کرے۔ اسلامی بنیادوں میں شگاف ڈالنے لگے تو کیا اس کے ایسے غدارانہ حرکات کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت

کیا جائے گا۔ کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہوگا جو اس مضبوط حصار میں نقب لگا کر قومی قتل کا مجرم بنے!

ملت حنیفیہ کی حفاظت کیلئے حضورؐ اور صحابہؓ کی قربانیاں

امت مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ صرف ہماری بلکہ رہتی دنیا تک کی ہونے والی انسانیت کا مدار ہے اور جسے ہم اسلام اور ملت حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشت اول معمار اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل و اکمل سچے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ نے دن کا سکون اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس محل کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ جھیلی تھیں۔ اوذیت فی اللہ مالم یوذ احد او کما قال ان کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر آئندہ اس حصار کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی فلاح و بقا اسی عدل قلعہ کی مضبوطی سے وابستہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال و جان، عزت و آبرو، گھر بار، ملک و وطن الغرض سب کچھ اسی اسلام کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس وقت وہ ذات قدسی صفات اس عالم خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ قصر ایک حسین و جمیل کامل و اکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جس کی تکمیل و تعمیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے۔

ارکان خمسہ

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پر قائم ہے جسے ہم ارکان خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور

تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو اور پوری عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ اگر ان میں سے ایک کی فرضیت و اہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اس کی حیثیت اساسی میں تبدیلی کی کوشش کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج اور روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس تعمیر کا ہر جزو دوسرے اجزا اور ارکان کو سنبھالے ہوئے ہے۔ جس معمار نے ہدایات ربانی کی روشنی میں یہ عمارت بنائی اور اس کا نقشہ بتایا۔ اس نے ان ارکان کا باہمی ربط و تعلق اور اس کی اہمیت بھی ان الفاظ میں جتلا دی کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع فرضهن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلاث لم یغنین عنہ شیئا حتی یأتی بهن جمیعا الصلاۃ والزکاۃ وصیام رمضان وحج البیت (رواہ احمد عن زیاد الحضرمی)

(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ایسی ہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی ادا کرے (اور کسی ایک کی فرضیت کا بھی منکر ہو) تو وہ اس کے کام نہیں آسکتیں جب تک سب کے سب ادا کرے (یعنی سب پر ایمان و یقین نہ ہو)

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز۔ اور اسی وجہ سے قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے بعد وآتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔ روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

کسی ایک رکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے یا اس فکر میں تبدیلی و ترمیم کی نامراد جسارت کرتا ہے جو اس کے معمار اول نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصر محمدی میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس کا دعوے ایمانی قابل اعتنا ہے خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام

تعمیر کی رٹ لگاتا ہے اور جماعت اس دعوت کا ماخذ خود قرآن کریم، سنت رسولؐ اور صحابہ کرام،
خلفاء راشدینؓ کا طرزِ عمل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:-

فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم — ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو لیکن

فإن تابوا وأقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة — اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور

فخلوا سبيلهم (توبہ) — زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کر سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک وفد نے طائف سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی اور فرمایا کہ:-

لا خير في دين لا صلوٰة فيه — بھلا وہ دین بھی کیا کہ جس میں نماز ہی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:-

من لم يزك فلا صلوٰة له — جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں
(ترجمان السنہ ص...)

خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ:

والله لاقاتلن من — خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق

فرق بين الصلوٰة — کرے گا۔ ان میں سے ایک کی قطعی

والزكوٰة — حیثیت سے انکار کرے گا تو میں اس

— سے قتال کروں گا۔

منکرین زکوٰۃ اور فراست صدیقی

عہد رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل مثلاً عبس و ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو خلیفۃ المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس باغیانہ اور کافرانہ جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصر محمدیؐ کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی تو آگے چل کر یہ باطل منافقین، زنادقین اور محرفین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوند خاک ہو کر رہ جائے گی (ولا فعل اللہ ذلک الی یوم القیامۃ) حضرت صدیق اکبرؓ نے جرأت ایمانی سے کام لے کر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو ختم کر دیا — جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین۔

حضرت صدیقؓ کو زکوٰۃ یا اس کی تعبدی حیثیت سے انکار کرنے والوں کے اقدام کے کفر و ارتداد ہونے میں ذرا بھی تردد نہ ہوا اور یہ اس لئے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ:

لان الایمان ہو الالتزام	بنا بریں کہ ایمان نام ہے پورے
کل الدین فمن فرق بین	دین کے التزام کا، پس اگر کوئی نماز
الصلاۃ والزکاۃ فکانہ لم یؤمن	اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے گویا
بالکل ومن لم یؤمن بالکل	وہ پورے دین پر ایمان نہ لایا اور
فہو کافر قطعاً۔	جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ
(فیض الباری [illegible])	شخص قطعی کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی جسارت محض حکومت سے سرکشی یا بغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو اس کا سینہ بھی اس بارہ میں

کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیقؓ کا قولاً وعملاً ساتھ دیا اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعیت پر صحابہ کا اجماع منعقد ہوا اور ایسا اجماع جس کے نفاذ میں منافقین کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

مانعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھتے تھے

مانعین زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب وعوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بنا پر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر دیتے تھے۔ محدث جلیل علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

وانما زعموا ان الزكوة جباية
مال كالجزية السلطان [illegible]
الرعايا جبايات من جهات
فكانت الى النبي صلى الله عليه
وسلم في حياته ولذا لما نصبنا
نحن واليا [illegible] سقطت
[illegible]
[illegible]
(فیض الباری ج ۴ ص ۱۰۹)

منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک
مالی ٹیکس ہے جیسا کہ بادشاہ اپنی
رعایا سے کسی طرح کے ٹیکس وصول
کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں
تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا
اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور
حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی
اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا
معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے۔

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرن اول کے مانعین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکان اسلام سے بغاوت کا مادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کی لادینی ریسرچ و تحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے آ رہا ہے۔

زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمان فرماتے ہیں۔ "معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں۔ حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے۔ (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۳ء) ام پی پی اے کے نمائندہ کو انٹرویو میں بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروس ٹرانسپورٹ اور بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جاتا ہے۔ الخ"

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف مختلفہ مخصوص فرمائے۔ رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے اور اس کے تقسیم و خرچ میں اتنا اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں — ورنہ نہیں۔" (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی

پھر یہ بات محتاج خبر ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی۔ آخر ڈاکٹر ایسے "محقق" کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے گی یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جن پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارہ کے طریقے پر لگایا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں اس کی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم،

قدموں کے نیچے پامال کیا۔ جاہلیت اولیٰ کے منحوس دیوی کی وہی روح ہے جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان جیسے محققین اور مغرب زدہ دانشوروں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطانی ذرائع اور وسائل اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالت محمدی کی بنیاد "ختم نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپ کی سنت کی تشریعی حیثیت اور منصب رسالت پر۔ کبھی تجدد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے "پرسنل لاء" کو مسخ کیا جاتا ہے تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدت، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں اسی صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصادی ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام، سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور سارے عالم اسلام کی حیثیت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق و کردار، تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے اور اس کی جگہ مغربی خود غرضی، نفس پرستی، مادہ پرستی جنسی ہیجان اور اباحیت نے قدم جما لئے ہیں اور "بدأ الاسلام غريبا وسيعود غريبا" کا منظر سامنے ہے۔

غفلت یا مداہنت کے بھیانک نتائج

ان حالات میں اگر ملت مسلمہ پھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یلغار ہوتی رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے بھیانک اور کتنے تلخ ہوں گے! پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہوگا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو ختم کیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں تو کل نمازوں کی تعداد اور مقداروں میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاع وقت (نماز فرض یہ ہے) کی فرصت کہاں! اور یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینے کے پورے تیس دن روزے رکھ کر ملک کی مادی

حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے؟ اور "حج و زیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا زرمبادلہ ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ والعیاذ باللہ العظیم۔

اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو حلال نہ کہا جائے اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیل پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے کہ کل عبادات اور اعتقادات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں!

نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے دیگر "ثقافتی اور ریسرچی" ارباب فکر و نظر کی تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو طبقے اسلام کے بارہ میں سوءِ ظن، بے یقینی یا صحیح اعتقاد کے فقدان کا شکار ہیں اور اسلام کو موجودہ "عہد جاہلیت" کے لئے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں، بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دین ابدی" اور "ضابطہ حیات" ہونے کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دین حق کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گومگو حالت نے انہیں انتشار، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگا بیٹھیں گے تو کبھی کمیونزم اور مادیت کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج و ارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنت رسولؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں تو کبھی ہر زمانہ کے ماڈرن یا استشراق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی سنت جاریہ کا نام دے ڈالیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشاد خداوندی کی مصداق ہے:

فکانما خر من السماء — گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے

فتخطفہ الطیر او تہوی بہ   پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا

الریح فی مکان سحیق (حج پ ۱۷ ع ۴)   کسی دور دراز جگہ میں پھینک دیتی ہے

پھر یہ لوگ اپنی ان نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں کوئی عقل سلیم اور قلب مومن تو اسے کیا قبول کرے گا خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا اس تحریف و تلبیس پر سر پیٹتی ہے مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے تبحر و تعمق کا شور مچاتے رہیں گے اور ہر طرح دین کو بازیچۂ اطفال بناتے رہیں گے

ملت مسلمہ کا فریضہ | اگر ملت مسلمہ کو اسلام کے "شجرۂ طوبیٰ" کے سایہ عاطفت اور قصر محمدی کی پناہ میں رہنا ہے اور اس کی پیروی اور دنیا کو الحاد و زندقہ کی نقب سے بچانا ہے تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا ہر نام لیوا خواہ عالی ہو یا عالم، جاہل ہو یا مقتدار اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دست بردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فراست اور فاروق اعظمؓ کی جرات سے کام لے کر میدان میں کود پڑے اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصر محمدیؐ میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے کہ بقول کسے یہ وقت بدر و حنین کا ہے جمل و صفین کا نہیں۔ واللہ یعصمکم ما دمتم فی عروۃ الاسلام

کتاب
الصوم

يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون
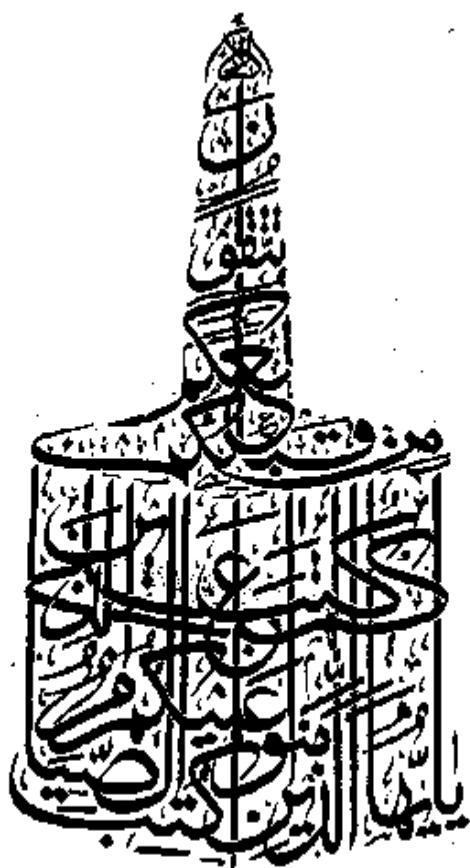
باب رؤیۃ الہلال

(چاند دیکھنے کے احکام و مسائل)

اخبارِ رؤیت کے لیے شہادت کی شرائط ضروری نہیں

سوال: اگر ایک گاؤں میں رؤیتِ ہلال ثابت ہو جائے اور گاؤں والے اس پر یقین کر کے روزہ رکھ لیں تو دوسرے گاؤں کے لوگوں کو خبر دینے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے تاکہ وہاں کے لوگ اس کے مطابق روزہ رکھ سکیں؟

الجواب: شہادت اور اخبار میں نمایاں فرق ہے، دوسرے گاؤں والوں کو رؤیت کی خبر دینے کے لیے شہادت کی شرائط کی ضرورت نہیں بلکہ جب بھی کسی شخص کی خبر غلبہ ظن کے لیے مفید ہو تو یہ خبر کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت بھی ضروری نہیں۔

قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ: وتقبل شہادۃ الواحد علی شہادۃ الواحد فی ہلال رمضان ولا تشترط فیہ لفظ الشہادۃ۔ (الفتاوی التاتارخانیہ ج۲ ص۳۵۴ کتاب الصوم، الفصل الثانی فی رؤیۃ الہلال)

قال عالم بن العلاء: وذکر الامام الائمۃ الحلوانی ان الصحیح من مذہب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اہل احدی البلدتین یلزمہم حکم اہل ہذہ البلدۃ۔ (الفتاوی التاتارخانیہ ج۲ ص۳۵۵ کتاب الصوم، الفصل الثانی رؤیۃ الہلال) [1]

دوربین سے ہلال (چاند) دیکھنے والوں کی گواہی کا حکم

سوال: اگر کچھ لوگ دوربین سے ہلال (چاند) دیکھ کر گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو کیا ان کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

---

[1] وفی الدر المختار مع رد المحتار: وقال ابن عابدین: (قولہ بخبر) وہو مفوض الی رأی الامام ... والصحیح من ہذا کلہ انہ مفوض الی رأی الامام ان وقع فی قلبہ صحتہ ما شہدوا بہ وکثرت شہودہ امر بالصوم، وکذا صححہ فی المواہب۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۹ کتاب الصوم، فصل فیما یثبت بہ الہلال الخ)
ومثلہ فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۶۵ کتاب الصوم، فصل فیما یثبت بہ الہلال الخ

الجواب:۔ موجودہ دور میں طرح طرح کے جدید آلات وجود میں آرہے ہیں جن میں دوربین بھی ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے چاند دیکھنے والوں کی گواہی سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

قال العلامة الحصكفي: ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلين مع العلة للضرورة، الى ان قال: وقبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وعن الامام انه يكتفي بشاهدين واختاره في البحر۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۸۶ كتاب الصوم)

اختلاف مطالع شرعاً معتبر ہے یا نہیں

سوال:۔ اختلاف مطالع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ اختلاف مطالع کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں اور یہی ظاہر المذہب ہے اور اسی قول پر فتویٰ منقول ہے اس لیے جہاں کہیں شرعی قواعد و ضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے خبر پہنچ جائے تو وہاں روزہ رکھنا اور عید منانا چاہیے۔

قال في الهندية: ولا عبرة لاختلاف المطالع في ظاهر الرواية وعليه الفتوى لفقيه ابي الليث وبه كان يفتي شمس الائمة الحلواني قال لو رأى اهل مغرب هلال رمضان يجب الصوم على اهل المشرق۔ كذا في الخلاصة، ثم انما يلزم الصوم على متاخري الرؤية اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۸-۱۹۹ الباب الثاني في رؤية الهلال)۔

ل قال عالم بن العلاء: وقيل الامام شهادة عدلين وقد مكن قلب القاضي عن قولهما جاز وثبت حكم رمضان۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۳۵۵ كتاب الصوم رؤية الهلال)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۹۸ باب الثاني في رؤية الهلال۔

۲ قال محمد بن عبد الله: واختلاف المطالع ورؤيته نهاراً قبل الزوال وبعده غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى بحر عن خلاصة فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب كما مر۔

قال ابن عابدين: (قوله بطريق موجب) كان يتحمل اثنان الشهادة او يشهدا على حكم القاضي او يستفيض الخبر۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹۳-۳۹۴ كتاب الصوم مطلب اختلاف المطالع)

ومثله في فتح القدير ج۲ ص۲۴۳ كتاب الصوم۔

شرعی ثبوت کے بعد عید منانے پر حکومت کا رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے

سوال:۔ جہاں کہیں علاقائی علماء شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عید کا اعلان کریں لیکن حکومت اپنی نااہلیت پر لوگوں کو عید منانے سے منع کرے تو اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عید اور رمضان کا ثبوت رؤیت ہلال کے اعلان پر موقوف ہے۔ اگر علاقائی علماء شرعی تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے اعلان کریں تو عام لوگوں کے حق میں خواہ وہ سرکاری ملازم ہوں یا غیر سرکاری تمام پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں حکومت کا عید منانے میں رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے اور ایسی صورت میں حکومت کی تابعداری کرنا ضروری نہیں۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ (رواہ فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ ج۲)

قال ابو محمد محمود العینیؒ: ولا عبرۃ باختلاف المطالع بل اذا ثبت فی مصر لزم الناس۔

(شرح کنز عینی ج۱ کتاب الصوم) [1]

رؤیت اور تکمیل ثلاثین کے علاوہ نفس حساب کا اعتبار نہیں

سوال:۔ اگر کسی جگہ رؤیت نہ ہوا ہو اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو کیا کسی حساب کا اعتبار دے کر روزہ کا حکم دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ حساب والے تحقیق قائم کرکے غلبۂ ظن کے لیے مفید بھی ہو؟

الجواب:۔ روزہ کا ثبوت رؤیت یا تکمیل ثلاثین شعبان پر موقوف ہے۔ لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔ اس کے علاوہ کسی حساب و کتاب کی وجہ سے روزہ فرض نہیں ہوتا اگرچہ غلبۂ ظن کے لیے مفید کیوں نہ ہو۔

قال علامہ حسن بن عمار رحمہ اللہ علیہ: ویجب صوم رمضان برؤیۃ الہلال او باکمال شعبان ثلاثین، ولا عبرۃ بقول المنجم فی حسابہ لا فی الصوم

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ: واذا ثبت الہلال فی بلدۃ (ای قطر) لزم سائر الناس فی ظاہر المذہب وعلیہ الفتوی۔

(مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصوم فصل فیما یثبت بہ الہلال الخ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ کتاب الصوم

وكذا في الاختيار ـ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۳۵۹ كتاب الصوم، الفصل الثاني رؤية الهلال) ـ[۱]

تعیین شعبان کے لیے ایک شخص کی گواہی قبول نہیں

سوال: شعبان کے تیسویں دن کی خبر اگر ایک شخص دے دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب: رؤیت ہلال میں رمضان کے علاوہ ہر ماہ کے ثبوت کے لیے آسمان پر علت کے دوران دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی بخلاف رمضان کے کہ اس کے ثبوت کے لیے ایک فرد کی گواہی مقبول ہے، لہٰذا شعبان کے تیسویں دن کی خبر ایک آدمی کی معتبر نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصكفي: وهلال الأضحى وبقية الأشهر التسعة كالفطر على المذهب.

قال ابن عابدين: قوله وبقية الأشهر التسعة فلا يقبل فيها إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين عدول أحرار غير محدودين. (رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود) ـ[۲]

یوم الشک میں روزہ رکھنے کا حکم

سوال: رمضان کی پہلی اور شعبان کی تیس تاریخ کے اشتباہ کی صورت میں اس دن روزہ رکھنے کا

---

[۱] قال العلامة الكاساني: وأما صوم رمضان فوقت شهر رمضان لا يجوز في غيره، ويقع الكلام فيه في موضعين أحدهما في بيان وقت صوم رمضان والثاني في بيان ما يعرف به وقته، أما الأول فوقت صوم رمضان شهر رمضان لقوله تعالى: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ أي فليصم في الشهر وقول النبي صلى الله عليه وسلم وصوموا شهركم الذي في شهركم لأن الشهر لا يصام وإنما يصام فيه. وأما الثاني وهو بيان ما يعرف به وقته فإن كانت السماء مصحية يعرف برؤية الهلال وإن كانت متغيمة يعرف بإكمال شعبان ثلاثين يوما ثم صوموا. (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۰ كتاب الصوم)

ومثله في تبيين الحقائق ج۱ ص۳۱۲ كتاب الصوم ـ

[۲] قال في الهندية: وإن كان بالسماء علة لا تقبل إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة كذا في خزانة المفتين. وتشترط العدالة هكذا في النهاية.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۷ كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال)

ومثله في الطحطاوي على مراقي الفلاح ج۱ ص۵۴۳ كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال.

رمضان کے تقدس کی خاطر امساک واجب ہے، اگر کوئی اس کے باوجود رعایت نہ رکھے تو صرف قضا واجب رہے گی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

قال قاضیخان: غلام بلغ فی النصف من رمضان ای نصف النهار او نصرانی اسلم فانه لا یأکل بقیة یومه (فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۹۸ کتاب الصوم)[1]

دن کے وقت رؤیت کی خبر ہو تو امساک ضروری ہے

سوال: نصف النہار یعنی آدھا دن گزرنے کے بعد اگر رمضان کے روزے کی فرضیت کی اطلاع آجائے تو مغرب تک امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر نصف النہار کے بعد روزے کی فرضیت ثابت ہو جائے تو جن لوگوں نے ابھی تک روزے کے منافی چیزیں استعمال نہ کی ہوں تو وہ اپنے امساک کو مغرب تک برقرار رکھیں اس کے ساتھ بقیہ مسلمانوں پر بھی امساک واجب ہے۔ البتہ اگر نصف النہار سے قبل روزے کی نیت نہ کی ہو تو کھانے پینے سے کفارہ واجب نہ ہوگا۔ دن بقیہ دن امساک رکھنے کا حکم رمضان کے مہینے کی وجہ سے ہے تاہم جن لوگوں نے رمضان کے منافی اشیاء کے استعمال کے بغیر امساک کیا ہو ان کا امساک رمضان کا روزہ متصور ہوگا جبکہ بقیہ لوگوں پر اس دن کی قضاء لازمی ہے۔

لما قال العلامة محمد انور شاہ الکشمیریؒ: لو شهد رجل بانی رأیت هلال فی النهار لا یعتبر قوله اصلاً سواء شهد قبل نصف النهار او بعده ولو قال رأیته فی اللیلة الماضیة وان کان هلال رمضان وکان قبل نصف النهار ومن لم یأکل بعد الصبح یصوم ومن أکل یقضیه۔

(العرف الشذی علی الجامع الترمذی ج۱ ص۱۹۴ باب ما جاء فی الصوم بالشهادة)[2]

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمه الله: ویجب علی الصحیح فیمن یجب الامساک بقیة الیوم علی من فسد صومه ولو بعذر ثم زال وعلی حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر۔ (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ج۱ ص۵۵۸ کتاب الصوم)

ومثله فی التاتارخانیة ج۲ ص۳۷۴ کتاب الصوم۔ فی بیان وقت النیة وما یتصل به۔

[2] لما قال العلامة السید محمد یوسف البنوریؒ: لو شهد برؤیته فی اللیلة الماضیة فان کان هلال رمضان فلیصم بقیة یومه ویقضیه ان اکل وان لم یأکل وکان قبل الضحوة الکبریٰ صام ولا قضاء۔

(معارف السنن ج۵ ص۳۶۵ رؤیة الهلال نهاراً)

رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلوں کی شرعی حیثیت

سوال:۔ رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعلان عموماً علاقائی فیصلوں سے مختلف ہوتا ہے ایسی حالت میں کمیٹی کے فیصلوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ رؤیتِ ہلال کمیٹی جو با اعتماد علمی اشخاص پر مشتمل ہو، ایسی کمیٹی کے اعلان کو ساقط الاعتبار کہنا دانشمندی نہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض انتظامی کمزوریوں کی وجہ سے ان کا اعلان عموماً غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے اگر حکومت اس کے سدِ باب کے لیے کوشش کرکے علاقائی علماء کی رؤیت کو اعتبار دے تو شاید یہ اختلاف دور ہو جائے تاہم جہاں کہیں علاقائی اعلان اگر شرعی تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر کیا جائے تو رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان نہ ہونے کے باوجود علاقائی علماء کے فیصلہ کا پابند رہنا ضروری ہے۔

وفی الہندیۃ:۔ لما فی الفصل الثانی من اول کتاب الکراہیۃ من الہندیۃ یقبل قول الواحد العدل فی المعاملات عدلاً کان او فاسقاً حراً کان او عبداً ذکراً کان او انثیٰ مسلماً کان او کافراً دفعاً للحرج والضرورۃ وھی المعاملات الوکالات والمضاربات والرسالات فی الہدایا والاذن فی التجارات کل ذلک اذا صح قول الواحد فی اخبار المعاملات عدلاً کان او غیر عدل فلا بد فی ذلک من تغلیب رأیہ فیہ ان المخبر صادق فان غلب علی رأیہ ذلک عمل علیہ والا فلا کذا فی السراج الوہاج۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۰۸ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات) لہ

ریڈیو اور ٹی وی کی خبر پر فرضیتِ رمضان کا حکم

سوال:۔ ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیتِ رمضان اور عید کے ثبوت کے لیے ذریعہ بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب قاضی یا ہلال کمیٹی کسی شہادت پر مطمئن ہو کر عید یا رمضان کا اعلان ریڈیو

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ قال العینی والتعویل علی قولہما اذ یتیقن انہ خطہ سواء کان فی القضاء او الروایۃ. والشہادۃ علی الصک وان لم یکن الصک فی یدہما لان الغلط نادر واثر التغییر یمکن الاطلاع علیہ قلما یشتبہ الخط من کل وجہ فاذا تیقن جاز الاعتماد علیہ توسعۃ علی الناس۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۳۳ کتاب القاضی الی القاضی۔ مطلب فی دفاتر البیاع)

ومثلہ فی فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۱۱۶ کتاب القاضی الی القاضی۔

ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کے فیصلے کا حکم

سوال :- ہمارے علاقے قبائلی علاقہ ہیں ۱۹۸ پشین جس میں گلستان پشین بازار یا دو بازار، جنگل پیر علی زئی بازار، قلعہ عبداللہ بازار، چمن بازار، گلستان بازار سے ذرقی اڈہ بازار کے علاوہ دیگر بڑے بڑے گاؤں مثلاً کربلا، عمر زئی، کاکڑ نی، ماکڑی، تورشاہ وغیرہ چھوٹے بڑے علاقے شامل ہیں، ان علاقوں پر حکومت پاکستان کا قانون لاگو ہے اور یہ تمام علاقے صوبائی حکومت کے کنٹرول میں ہیں لیکن یہاں عید اور روزہ بڑے عجیب طریقے سے منایا جاتا ہے کہ ایک بستی میں عید دوسری میں روزہ، ایک گھر میں عید دوسرے گھر میں روزہ یہاں تک کہ گھر کے ایک فرد کا روزہ اور دوسرے لوگوں کی عید ہوتی ہے۔ جبکہ علاقہ کے معروف عالم دین مولانا عبدالغنی صاحب شرعی گواہان پر عید اور روزے کا فیصلہ فرماتے ہیں، تو کیا ان کے فیصلہ پر عمل کیا جائے یا حکومت کی طرف سے قائم ہلال کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کیا جائے؟ نیز بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہم افغانستان کے اعلان کے مطابق عید اور روزہ کا اہتمام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ از راہ کرم شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیلاً وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :- اسلام لوگوں کو اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے اسلئے مسلمانوں کے لئے اجتماعی احکام فرض کئے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اس کی مثالیں ہیں، اسی طرح عیدین بھی اجتماعیت کی داعی ہیں، مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ایک ساتھ روزہ رکھیں اور ایک ساتھ عید منائیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: صوموا لرؤیۃ الہلال وافطروا بہا۔ (مشکوٰۃ ص۱۷۴ باب رؤیۃ الہلال۔ الفصل الاول)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صومکم یوم تصومون واضحاکم یوم تضحون وفطرکم یوم تفطرون۔ (مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ ج۲۵ ص۱۰۶ فصل مسالۃ رؤیۃ بعض البلاد الخ)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء مذہب حنفیہ بالاتفاق اور مذہب شافعیہ کے بعض فقہاء اور مذہب اہل حدیث، زیدیہ، ظاہریہ وغیرہ کا اجماعی فیصلہ ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں، اہل مغرب کی رؤیت اہل مشرق کے لیے قابل حجت ہے۔ لہٰذا رمضان یا عیدین کا چاند جب نظر آجائے تو قاضی وقت، ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتبر عالم دین کو چاہیئے کہ وہ اس شہادت کو قبول کر کے اس کے مطابق روزہ یا عیدین کا حکم صادر کرے اور حساب کتاب

یا کمیونٹی کی اطلاع سے عدم احکام کو نہ دیکھے ۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حتی لو اخبر رجل عدل القاضی بمجیئ رمضان یقبل ویأمر الناس بالصوم یعنی فی یوم الغیم ولا یشترط لفظ الشهادة وشروط القضاء۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۹ کتاب الصوم۔ مطلب فی رؤیۃ الہلال)

وایضاً قال بان المعمول به فی المسائل الخلافیة ما شهدت به البینة لأن الشهادة نزلها الشارع منزلة الیقین۔ وما قاله السبکی مردود ردّه علیه جماعة من المتأخرین ولیس فی العمل بالبینة مخالفة لصلاته صلی اللہ علیہ وسلم۔ ووجه ما قلنا ان الشارع لم یعتمد الحساب بل الغاه بالکلیة بقوله نحن امة امیة لا نکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا۔ وقال ابن دقیق العید الحساب لا یجوز الاعتماد علیه فی الصلاة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۶ کتاب الصوم مطلب فی رؤیۃ الہلال)

اس لیے کہ قاضی شرعی کو بدون وجہ شرعی کے کسی شہادت کو رد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں بلکہ وہ شہادت کے حوالہ سے فیصلہ کرے گا۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفی فرماتے ہیں: وأی مکلف هلال رمضان او الفطر ورد قوله بدلیل شرعی۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۲ کتاب الصوم)

(۲) اگرچہ قاضی شرعی کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کا فیصلہ عیدین و رمضان میں قابل قبول ہے احکام شرعی کے بارے میں صرف قاضی شرعی کا فیصلہ قبول ہوگا۔

لما قال العلامة وهبة الزحیلی: القیام علی شعائر الدین من اذان واقامة الصلوٰة الجمعة والجماعة والاعیاد وصیام وحج۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ... کتاب الامارة)

لیکن جہاں کہیں قاضی شرعی نہ ہو یا وہ شرعی دلائل کی روشنی میں حکم صادر نہ کرتا ہو تو عیدین، رمضان وغیرہ عبادات کے قیام میں علاقے کا معتمد عالم دین قاضی شرعی کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے کہ جہاں مسلم حاکم موجود نہ ہو یا وہ فیصلہ شرعی نہ کر سکتا ہو وہاں اگرچہ جمیع معاملات میں تو عالم قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا البتہ رؤیت ہلال وغیرہ بعض جزئیات میں اس کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین: وفی الفتح وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو

فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۲ کتاب الجهاد)

وفی عمدة الرعایة ان المسلم الثقة فی بلدة لا حاکم فیها قائم مقامه (
احسن الفتاوی ج ۴ ص ۴۲۹ کتاب الصوم)

موجودہ ہلال کمیٹی کا اعلان اگرچہ قابل اعتبار ہے اس پر مسائل عید و رمضان جیسے امور انجام دیے گئے ہیں مگر اس کے علاوہ علماء کی کمیٹی یا ایک معتبر عالم دین کو بھی اس بات کا مجاز ہے کہ وہ شہادت یا دیگر اطلاعات کی بنا پر رمضان وعیدین کا فیصلہ کر سکے۔ یہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہے۔ اعلان رمضان وعیدین کا حق صرف ہلال کمیٹی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعلم ان بلاد الهند الیوم لیست فیها حکومة اسلامیة ولیس فیها ولاة من المسلمین فالحکم فی مثلها الصوم باخبار الثقة والفطر بقول ثقتین ولا ینبغی لعلماء العصر من المفتین ان یشترط علی ما هو شأن القضاة واداء لفظ الشهادة وغیرها۔ (معارف السنن ج ۵ ص ۳۳۵ کتاب الصوم)

اس لیے کہ ہلال کمیٹی دیگر ممالک کے ساتھ ساتھ شہادت شرعی کو بھی مقررہ وقت رات اور عدم رؤیت کے اعلان کے بعد قبول نہیں کرتی اور شہادت کو کمپیوٹر کے حساب سے پرکھا جاتا ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ جس پر گزشتہ عیدین (عید الفطر وعید الاضحیٰ) کا اعلان واضح دلیل ہے جو کہ سب کے سامنے ہے اور اخبارات وجرائد میں اس کے خلاف کافی مدلل ومفصل مضامین لکھے گئے۔ اس کے ساتھ قاضی شرعی کا حکم بھی تب نافذ ہوتا ہے جب وہ شریعت کے موافق ہو۔

لہٰذا جب ایک علاقہ میں رؤیت چاند ہو جائے تو رؤیت جہاں بھی ہو ثبوت شرعی کے ساتھ ثابت ہونے پر ہلال کمیٹی یا علاقے کا معتمد عالم دین روزہ یا عیدین کا فیصلہ اعلان کر دے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس فیصلہ پر عمل کریں۔ اختلاف کو ختم کرنے کے لیے آسان سی تجویز ہے کہ ہلال کمیٹی صرف مخصوص وقت تک شہادت یا اطلاع کی پابندی ترک کر کے بیٹھی رہے، شب وروز ملک سے رابطہ کرتی رہے جہاں پر بھی رؤیت ہلال شرعاً ثابت ہو جائے تو رمضان یا عید کا اعلان کر دیا جائے۔

ہلال کمیٹی کمپیوٹر کے حساب پر شہادت کو نہ پرکھے اس لیے کہ ممکن ہے پاکستان میں موسم ابر آلود

بعض علاقوں کے حساب سے امکانِ رؤیت نہ ہو اور دیگر ممالک میں امکانِ رؤیت ممکن نہ ہو اس لیے
ثبوتِ شرعی معمول بہ رکھا جائے۔

لیکن اگر ہلال کمیٹی والے اپنے خود ساختہ اصولوں پر قائم رہتے ہوئے ضابطے سے روگردانی کرتے
ہوں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ علاقے کے معتمد عالمِ دین کے اعلان پر رمضان و عید کا اہتمام
کریں تاکہ اختلاف ختم ہو کر لوگوں میں وحدت پیدا ہو جو کہ اسلام کا مقصد ہے۔ لہٰذا اہلِ کمیٹی
یا علاقے کے معتمد عالمِ دین کو ثبوتِ شرعی کے ساتھ رؤیتِ ہلال کی اطلاع مل جائے تو اس کے
اعلان پر علاقے کے مسلمانوں کو رمضان کا روزہ یا عید الفطر کر لینا چاہیے۔ اسی طرح اتفاق اور
وحدت قائم ہوگی۔

کسی دوسرے ملک کی رؤیت کے اعلان پر روزہ یا افطار و عید کرنا شرعاً صحیح نہیں جب تک
وہاں کی رؤیت دو میں سے کسی طرق شرعی (شہادۃ علی الرؤیت یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء
یا استفاضہ) کے ساتھ ثابت نہ ہو جائے اور علاقے کا معتمد عالمِ دین یا علاقائی کمیٹی وغیرہ
اعلان نہ کرے۔

صافِ مطلع کے دوران جمِ غفیر ضروری ہے

سوال: اگر مطلع بالکل صاف ہو تو جمِ غفیر کی رؤیت پر اعتبار کر کے روزے یا عید کا اعلان کیا جائے گا اگر صرف
تین یا چار آدمی چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو کیا ان کی گواہی قابلِ قبول ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے رمضان کی رؤیت کے لیے قانون بنایا ہے اگر ۲۹ کو مطلع
بالکل صاف و شفاف ہو تو جمِ غفیر کی رؤیت روزہ اور عید کے لیے ضروری ہے۔ جمِ غفیر کی
تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ذخیرہ فقہ میں درج ہیں پچاس سے، دو اور بعض سے [illegible]
مروی ہے۔ البتہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے تعداد سے قطع نظر کر کے قاضی صاحب کے
مفوّض ہونے کو ترجیح دی ہے لیکن قاضی کا اطمینان بھی دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔
(۱) امکانِ رؤیت (۲) کثرتِ شہود۔

اس لیے صافِ مطلع کے دوران تین یا چار آدمیوں کی گواہی ناقابلِ قبول ہے۔
کذا فی ردّ المحتار ج ۲ صفحہ [illegible] کتاب الصوم۔

رویت ہلال کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین ذیل مسائل کے بارے میں:۔

(۱) ۲۳ جنوری ۱۹۶۶ء کو حکومت پاکستان کی وزارت داخلہ کی طرف سے جو عید کا اعلان کیا گیا ہے کیا یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست تھا یا نہیں؟

(۲) جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق عید کی نماز پڑھی ہے ان کا نماز عید پڑھنا شرعاً جائز تھا یا نہیں؟

(۳) اور جن لوگوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا۔ یہ اُن پر اس روزہ کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) ہمارے ہاں اکوڑہ خٹک میں خود بندہ کے پاس رویت ماہ شوال کی شہادت گذری اور آٹھ گواہوں سے شرعی طریقے پر شہادت لی گئی ہر ایک گواہ نے بلفظ اشہد رویت ماہ شوال حاضر کی بشب اتوار بعد از نماز مغرب مع وجود علت گرد و غبار اور بادل کے شہادت دی جس پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کیا اور ان سب واقعات و شہادت اور اعلان عید کی اطلاع مقامی تھانے کے ذریعے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر پشاور کو بھی دے دی گئی، اور انہوں نے وزارت داخلہ کے ہوم سیکرٹری کو اطلاع دی۔ اب وزارت داخلہ نے جو ہلال کمیٹی مقرر کی ہے وہ اگر ثقات عادل علماء پر مشتمل ہو اور انہوں نے ہماری اس اطلاع کو اور اسی طرح دوسری جگہوں سے جو اطلاعات ان کو دی گئیں اُن کو قبول کر کے عید کا فیصلہ کیا ہو اور پھر حکومت کی نگرانی میں یہ فیصلہ اور حکم مختلف ریڈیو سٹیشنوں سے ثقات کے ذریعہ کیا ہو تو یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست ہے۔

(۲) اب جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق (یعنی اتوار کے دن) نماز عید پڑھی ہے وہ بالکل جائز اور درست پڑھی ہے۔

(۳) مذکورہ طریق پر اعلان عید کے بعد جن لوگوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضاء واجب نہیں ہوگی۔

استفتاء مندرجہ بالا کے جواب پر اشکال اور اس کا جواب

سوال:۔ محترم حضرت مفتی صاحب گذشتہ عید کے متعلق میں نے آپ سے ایک فتویٰ منگوایا تھا جو کہ مجھے وصول ہو چکا ہے ؟ اس کو بغور مطالعہ

فرمانا چاہیں تو اس کا حق ۲۹ کا ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔

(۱) آپ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکوڑہ خٹک میں چاند کا ثبوت شرعی طور پر ہو گیا تھا اس صورت میں بصورت ابر وغیرہ آپ کا جو فیصلہ تھا وہ اگر شرعی شرائط کے ساتھ نشر ہوا ہو تو کیا یہ ان لوگوں کے لیے بھی حجت ہے جہاں مطلع صاف تھا یا وہاں بھی جم غفیر کی علیحدہ شہادت معتبر ہوگی؟

(۲) اگر حکومت کی کوتاہی میں موجودہ اعلان ہونا فرض کیا جائے تو کیا یہ اعلان پاکستان کے دور دراز حصوں میں واجب العمل ہوگا یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو اس کا انداز کیا ہوگا؟

(۳) میرے گذشتہ استفتاء کے سوال نمبر ۳ کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مذکورہ طریق پر اعلان عید کے بعد جنہوں نے روزہ نہیں رکھا ان پر اس کی قضاء واجب نہیں، یہ تو تب درست ہو سکتا ہے جبکہ خود آپ کے فتویٰ میں مذکورہ شرائط پائی جائیں۔ تو کیا آپ کے علم میں حکومت کے اعلان سے پہلے یہ تمام شرطیں پائی گئی ہیں یا نہیں؟ قابل حوالہ باتوں میں حوالہ بھی ضرور تحریر فرمائیں؟

نوٹ: آپ کی عید سے ہمیں تعرض نہیں ہے، غرض صرف یہ ہے کہ آپ کا فیصلہ صحیح ہونے کی صورت میں ہم تک شرعی طریق سے پہنچا ہے یا نہیں۔ (مولوی محمد یونس ساکن لورہ ضلع [illegible])

الجواب: مخدومی المحترم جناب مولانا محمد یونس صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے، آپ کے دونوں نوازش نامے ایک بنام حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دوسرا اس بندہ عاجز (قاضی انوار الدین) کے نام مشتمل بر چند استفسارات بروقت سعید شرف صدور لائے، حالات و کوائف سے مطلع ہوئے، گوناگوں مصروفیات اور مشاغل کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، امید ہے آنمحترم محسوس نہ فرمائیں گے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو درس حدیث اور اہتمام کے کام سے بالکل فرصت نہیں ملتی جو کسی کے ساتھ اس طرح خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھ سکیں جس طرح کہ آنمحترم نے مطالبہ کے تکرار پر فرمایا ہے، اس لیے وہ آپ کے اشکالات کا جواب نہیں دے سکیں گے، البتہ دارالافتاء سے آپ اپنے اشکالات حل فرما سکتے ہیں وہ بھی مناظرہ کی شکل میں نہیں بلکہ تحقیق اور تسلی حاصل کرنے کی غرض سے، اور اگر دارالافتاء کے جواب سے آپ کی تسلی نہ ہوتی ہو تو پاکستان کے کسی بھی دوسرے دارالافتاء سے اپنی تشفی کرا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ کا ایک شعبہ ہے، کسی مسئلے کا جو جواب یہاں سے جاری کیا جاتا ہے

وہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی نظر ثانی اور ذمہ داری سے نکلتا ہے اور وہ بحیثیت مہتمم دارالعلوم حقانیہ اور شیخ الحدیث اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ واقعی حضرت مولانا حسین الدین صاحب خطیب میری منڈی راولپنڈی بمع تین اور ساتھیوں کے یہاں تشریف لائے تھے اور رویت ہلال عید کے متعلق انہوں نے شرعی طور پر اپنی تسلی کرائی تھی۔ جو کچھ انہوں نے یہاں اپنے آنے کے متعلق کہا ہے وہ درست ہے اور واقعہ یہی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے نام آپ کا جو نوازش نامہ ہے اس کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے۔ بندہ کے نام نوازش نامہ کے جواب میں یہ عرض ہے کہ :۔

(۱) رویت ہلال میں شہروں کی دوری کا اعتبار نہیں اور ائمہ فقہاء کرام نے اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا ہے جیسا کہ کتب فقہ کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک شہر کی رویت کی وجہ سے دوسرے شہر میں ثبوت رویت کا فتویٰ دیا جائے گا جیسا کہ الدر المختار میں ہے۔ فیلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۲۴۲) یہ دوسری بات ہے کہ جو بلاد قواعد ہیئت کے اعتبار سے اختلاف مطالع رکھتے ہوں ان میں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ محققین کے نزدیک ثابت ہے۔ مگر ہمارے بلاد میں قواعد ہیئت کے اعتبار سے بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ایک شہر کی رویت کا ثبوت بطریق موجب ہو جائے جس کی تین صورتیں فقہاء نے بیان کی ہیں: شہادة على الرؤية - شهادة على شهادة الرؤية - شهادة على قضاء الحاكم الشرعي۔ ایک چوتھی صورت بھی ہے جس کو استفاضة الخبر کہا جاتا ہے۔ ان چار صورتوں میں جس صورت سے بھی رویت ہلال کا ثبوت ہو جائے تو وہ حجت ہوگا۔

اس تحقیق کے بعد آپ کے اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو شہادت رویت ہلال کی گذری تھی جس کی بنا پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کر دیا اور بالواسطہ اس کی اطلاع مرکزی رویت ہلال کمیٹی کو دیدی۔ اب اگر مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے ارکان نے اس کو منظور کر کے حکومت کی نگرانی میں شرائط کے ساتھ نشر کیا ہو تو یہ استفاضة الخبر ہے کہ ان لوگوں کے لیے بھی حجت ہوگا جہاں مطلع صاف تھا اور انہوں نے چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کیا یا کیا تو ہو سکتا ہے نظر نہیں آیا ہو تو تم غیر کی جانب سے شہادت کی ضرورت اس کے بعد نہ ہوگی۔

(۲) جی ہاں اگر حکومت کی نگرانی میں شرائط مذکورہ فتویٰ سابقہ کے ساتھ یہ اعلان ہوا تو فرض کیا

جائے تو پاکستان کے دونوں حصوں کے لیے واجب العمل ہوگا۔

دوم اپنے علم کی حد تک جتنا کہ مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے حکومت نے وزارت داخلہ کے ماتحت ایک مرکزی رویت ہلال کمیٹی مقرر کی ہے جس کے اعلیٰ رکن و سربراہ حضرت خطیب بادشاہی مسجد مولانا محمد علی فیضی ہیں اور وہ رویت ہلال کے متعلق کمیٹی کے دوسرے ارکان کی معیت میں فیصلہ کرکے حکومت کی نگرانی میں ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کرتے ہیں۔ اس لیے بندہ نے سابق فتوی میں آپ کے سوال ۳ کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ مذکورہ طریق پر اعلان عید کے بعد جنہوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضا واجب نہیں ہے اور بجائے "نہیں ہوگا" کے صرف "نہیں" لکھ دیا۔ اگر آپ کے علم میں یہ اعلان وزارت داخلہ کے ماتحت نہیں کیا جاتا ہو اور یہ استفاضۃ الخبر میں داخل نہ ہو تو میں بجائے صرف "واجب نہیں" کے "واجب نہیں ہوگا" لکھ کر بری الذمہ ہو جاؤں گا۔

التماس: جناب من! آپ کے عید نہ کرنے سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ ہم تو اپنی معلومات کی حد تک یہ مسئلہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اعلان عید بارؤیت بذریعہ ریڈیو حجت ہے یا نہیں؟ تو میری رائے یہ ہے جو اطلاعات رویت اور شہادت ہلال عید کے متعلق ہم نے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کو پہنچائی تھیں اور کمیٹی والوں نے اس پر فیصلہ کرکے بذریعہ ریڈیو نشر کرکے اعلان عید کیا ہے وہ استفاضۃ الخبر ہے اور جنہوں نے اس اعلان کو سن لیا ہے ان پر حجت ہے۔ اب اگر ہماری اس رائے کے ساتھ آپ کو اتفاق نہ ہو تو ہم آپ کو مجبور نہیں کر سکتے۔ فقط والسلام۔

⁂ ⁂

باب تعریف الصوم واقسامه وشرائطه

(روزہ کی تعریف، اقسام اور شرائط کے بیان میں)

روزہ کی نیت کا وقت

سوال:۔ اگر رات کو روزہ کی نیت کرنی بھول جائے تو کس وقت تک نیت کرکے روزہ رکھنا درست ہے؟

الجواب:۔ اگر طلوعِ فجر کے بعد روزہ دار سے روزہ کے منافی کسی امر کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو نصف النہار سے قبل تک نیت کرکے روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ نصف النہار گزرنے کے بعد نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ:۔ ویبین لذالک بلفظ بہا وقتہا کل یوم من غروب الشمس الی ماقبل نصف النہار والنہار الشرعی، من انتشار الضوء فی الافق الشرقی عند طلوع الفجر الی غروب الشمس فیقسم ہذا الزمن نصفین وتکون النیۃ فی النصف الاول بحیث یکون الباقی من النہار الی غروب الشمس اکثر مما مضی۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۵۶۳) [1]

روزہ کی فرضیت کے لیے عمر کی حد

سوال:۔ ایک مسلمان پر روزہ کس عمر میں فرض ہوتا ہے؟

الجواب:۔ بنیادی طور پر بالغ ہونے پر روزہ فرض ہو جاتا ہے جس کی پہچان لڑکے کو احتلام ہونے اور لڑکی کو حیض آنے سے ہوتی ہے، البتہ اگر کسی بچے پر بلوغت کے آثار نمایاں نہ ہوں تو پھر پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ فان لم یوجد فیہما شیئ منہا فحتی یتم لکل منہما

---

[1] قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ:۔ (قولہ الی ماقبل نصف النہار) المراد انہ مع اللیل الی ہذا الوقت ظرف النیۃ وفیہ حصلت فی جزء من ہذا الزمان صح الصوم لما ذکرہ المصنف، ولو نوی الصوم بعد الزوال انہ یریدی انہ صائم من اولہ حتی لو نوی قبل الزوال انہ صائم من حین نوی لا من اول النہار لا یصیر صائما کما نوی وانما تجوز قبل الضحوۃ اذا لم یوجد قبلہا ما ینافی الصوم کاکل وشرب وجماع۔ (مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی ص۳۲ کتاب الصوم)

ومثلہ فی فتاوی قاضی خان ج۱ ص۹۵ کتاب الصوم۔

خمس عشرة سنة وبه يفتى - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۳ کتاب الحجر) لـه

یوم الشک میں نفل کی نیت کے باوجود روزہ فرض شمار ہوگا

سوال: اگر شک والے دن نفل کی نیت سے روزہ رکھا جائے مگر بعد میں شرعی ثبوت سے یہ معلوم ہوجائے کہ آج تو یکم رمضان ہے، تو عند الشرع اس نفلی روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: یکم رمضان ثابت ہونے پر یہ دن یوم الشک کا نہیں بلکہ رمضان کا شمار ہوگا، چونکہ ماہ رمضان فرض روزوں کے لیے مقرر ہے اس لیے کسی نفل کی نیت سے فرض روزہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ یہی روزہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا اور اس پر قضا بھی لازم نہیں۔

قال عالم بن العلاءؒ: فان ظهر انه من رمضان كان صائما عن رمضان۔
وفي الثانية وقيل على قول محمد لا يكون صائما۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۲ ص ۳۹۲ كتاب الصوم، الفصل الثاني في الاوقات التي يكره فيها الصوم) لـه

پوری زندگی روزہ رکھنے کی منت ماننا

سوال: اگر کسی شخص نے تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لی تو اس کے لیے افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لینا بلاشبہ درست ہے مگر بہتر نہیں اسلئے کہ انسان ہر حالت میں ایک جیسا نہیں ہوتا ہے۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر ماننے میں کبھی بھی افطار

لـه قال العلامة فخر الدين الزيلعيؒ: بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والا فحتى يتم له ثماني عشرة سنة والجارية بالحيض والاحتلام والحبل والا فحتى يتم لها سبع عشرة سنة ويفتى بالبلوغ فيهما بخمس عشرة سنة۔ (تبيين الحقائق ج ۵ ص ۲۰۳ كتاب الحجر)
ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۸۵ كتاب الحجر۔

لـه قال ابن نجيمؒ: واعلم انه يتفرع على اشتراط تبييت النية ووقتها مسئلة الاسير في دار الحرب اذا اشتبه عليه رمضان فتحرى وصام شهرا عن رمضان فلا يخلو اما ان يوافق او لا بالتقديم او بالتاخير فان وافق جاز وان تقدمه لم يجز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۲ كتاب الصوم)
ومثله في فتح القدير ج ۲ ص ۲۴۲ كتاب الصوم۔

رہنے کی گنجائش نہیں۔ البتہ ایام منہیات میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے اس لیے افطار کرنے کے بعد ہر سال پانچ روزے اس کے ذمہ باقی رہیں گے۔ فراغت ذمہ کے لیے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرنی ہوگی۔

قال طاهر بن احمدؒ: رجل قال للّٰہ علیّ صوم هذه السنة فانه يفطر يوم الفطر ويوم النحر وايام التشريق ويقضي تلك الايام وعليه كفارة اليمين۔

(خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۷۲ كتاب الصوم، الفصل الرابع في النذر) [1]

شہر میں روزہ افطار کرنے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعے سورج دیکھنے سے روزہ دار کیلئے کیا حکم ہے؟

سوال: شہر میں سورج غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کر لیا مگر اس کے فوراً بعد ہوائی جہاز میں سفر کے دوران سورج دوبارہ دیکھ لیا تو کیا اس سے قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ اور امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب: چونکہ اس شخص کو یقینی طور پر سورج کے غروب ہونے کا علم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس نے روزہ افطار کر لیا اب جبکہ دوبارہ سورج دیکھ لیا تو اس کو امساک (یعنی سورج کے غروب ہونے کا انتظار) کرنا چاہیے، تا کہ حقیقی طور پر سورج غروب ہو جائے، یہ امساک فقط روزہ داروں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ضروری ہے ورنہ اس کا روزہ تو ادا ہو گیا ہے اس پر کوئی قضاء لازم نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: قال في شرح التنوير فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت بالظاهر نعم۔ وقال ابن عابدينؒ: (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حيث قال ذكر الشافعية ان الوقت يعود الى قوله قلت على ان الشيخ اسمٰعيل رد ما بحثه في النهر تبعا للشافعية

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ: ولو قال للّٰہ علیّ صوم الابد يفطر ايام العيد ويطعم عن كل يوم مسكينا نصف صاع من حنطة۔ هشام عن محمدؒ: فيمن جعل على نفسه صوم الابد فافطر يوم الفطر ويوم الاضحى لا يطعم هذه الايام في حياته وعليه ان يوصي ان يطعم۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۴۴۰ كتاب الصوم، الفصل الحادي عشر في النذور)

ومثله في الهداية ج۱ ص۲۲۲ كتاب الصوم، في ما يوجبه على نفسه۔

بان صلوٰۃ العصر بغیبوبۃ الشفق تصیر قضاءً ورجوعھا لا یعیدھا اداءً وما فی الحدیث
خصوصیۃ لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما یعطیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ کان فی طاعتک
وطاعۃ رسولک امر عود الوقت بعودھا للکل، واللہ تعالیٰ اعلم۔
(رد المحتار ج۲ ص۳۶۰، ۳۶۱ کتاب الصوم) ؎۱

طویل النہار (لمبے دن) والے ممالک میں روزہ رکھنے کا طریقہ

سوال:- دنیا کے بعض خطے اور ممالک ایسے ہیں جہاں دن بہت لمبے ہوتے ہیں، وہاں روزے رکھنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب:- جن ملکوں میں دن چوبیس ۲۴ گھنٹوں سے بڑا ہو تو ان ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو قریب ملک اور علاقے کے وقت کی پابندی کا لحاظ رکھنا ہوگا، کیونکہ عام طور پر انسان چوبیس ۲۴ گھنٹے کا روزہ رکھنا برداشت نہیں کرسکتا، البتہ اگر چوبیس ۲۴ گھنٹے سے دن اس قدر چھوٹا ہو کہ سحری اور افطاری کھانے کا وقت ملتا ہو اور طلوع وغروب بھی ہوتا ہو تو اس ملک کے وقت کے موافق روزے رکھنے ہوں گے، تاہم یقیناً بیماروں کے لیے شریعت میں مراعات پائی جاتی ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: (تتمۃ) لم ار من تعرض عندنا لحکم صومھم فیما اذا کان یطلع الفجر عندھم کما تغیب الشمس او بعدہ بزمان لا یقدر فیہ الصائم علی ما یقیم بنیتہ ولا یمکن ان یقال بوجوب الصوم موالاۃ الصوم علیھم لانہ یؤدی الی الھلاک فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وھل یقدر لیلھم باقرب البلاد الیھم کما قالہ الشافعیۃ ھنا ایضاً ام یقدر لھم بما یسع الاکل والشرب ام یجب علیھم القضاء فقط

؎۱ قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: وکذا من وجب علیہ الصوم فی اول النہار لوجود سبب الوجوب والاھلیۃ ثم تغیر علیہ المعنی فیہ بان افطر متعمداً او اصبح یوم الشک مفطراً ثم تبین انہ من رمضان او تسحر علی ظن ان الفجر لم یطلع ثم تبین لہ انہ طلع فانہ یجب علیہ الامساک فی بقیۃ الیوم تشبھاً بالصائمین۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۲، ۱۰۳ کتاب الصوم، فصل واما حکم الصوم المؤقت)
ومثلہ فی مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی ج۱ ص۳۵۵ کتاب الصوم۔

دون الاداء فلا يحتمل فليتأمل۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۳۶ کتاب الصلوٰۃ۔ مطلب فی طلوع الشمس من مغربها) ؎

عیدین کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ اور کتب فقہ سے یہ بات واضح ہے کہ پورے سال میں پانچ دن روزہ رکھنا ممنوع ہے جن میں دو دن عیدین (یعنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا پہلا دن) کے بھی شامل ہیں لہٰذا ایسے شخص کو عیدین کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے ورنہ گنہگار ہو جائے گا۔

قال عبد الرحمن الجزیریؒ: الصوم المكروه ينقسم الى قسمين مكروه تحريما وهو صوم ايام العيدين والتشريق فاذا صامها انعقد صومه مع الاثم۔ (الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۵۵۹) ؎۲

؎ قال العلامة كمال الدينؒ: ولا يرتاب متأمل في ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلي الذي جعل علامة على الوجوب الخفي الثابت في نفس الامر وجواز تعدد المعرفات للشيء فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدليل على الشيء لا يستلزم انتفاءه لجواز دليل آخر وقد وجد وهو ما تواطأت عليه اخبار الاسراء من فرض الله الصلوٰة خمسا بعد ما امروا اولا بخمسين ثم استقر الامر على الخمس شرعا عاما لاهل الآفاق لا تفصيل فيه بين اهل قطر وقطر وما روي ذكر الدجال قلنا ما لبثه في الارض قال اربعون يوما يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر ايامه كايامكم قيل يا رسول الله فذلك اليوم الذي كسنة ايكفينا فيه صلوٰة يوم قال لا اقدروا له رواه مسلم فقد اوجب فيه ثلاثمائة عصر قبل صيرورة الظل مثلا او مثلين وقس عليه فاستفدنا ان الواجب في نفس الامر خمس على العموم غير ان توزيعها على تلك الاوقات عند وجودها فلا يسقط بعدمها الوجوب۔ وكذا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوٰة كتبهن الله على العباد ومن افتى بوجوب العشاء يجب على قوله الوتر ايضا۔
(حاشية شلبي على تبيين الحقائق ج۱ ص۸۱ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المواقیت)

ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۲۲۶ کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت۔

؎۲ قال ابن نجيمؒ: وعندنا يكره الصوم في يومي العيد وايام التشريق۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۵۹)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم۔ الباب الثالث في ما يكره للصائم۔

مجنون پر روزے کا فدیہ واجب نہیں

سوال:- اگر مجنون رمضان کی ابتدا ہی سے دیوانہ ہو تو اس کے اولیاء فدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- احکام شرعیہ کا مکلف عاقل و بالغ انسان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مجنون مکلف بالعبادات نہیں ہوتا اس لیے اس کے مرنے کے بعد ورثاء پر فدیہ دینا بھی لازم نہیں ہے، بشرطیکہ یہ عارضہ ممتد ہو، یعنی رمضان کا پورا مہینہ جنون ہو اور اگر عارضہ غیر ممتد ہو تو اس صورت میں مافات کی قضاء لازمی ہے اور اگر قضاء سے قبل مر جائے تو بصورت وصیت فدیہ دینا لازمی ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ:- ولا وجوب علی المجنون لعدم توجہ الخطاب ولا خطاب علیہ لانعدام القدرتین وہذا المرجع انقضی فی الجنون المستوعب بشہر وہو قول اصحابنا... فی المجنون العارض ما اذا افاق فی وسط الشہر او فی اولہ حتی لو جن قبل الشہر ثم افاق فی آخر یوم منہ یلزمہ قضاء جمیع الشہر. (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۸-۸۹ کتاب الصوم فصل شرائط الصوم)[۱]

کس چیز سے روزہ افطار کرنا چاہیے؟

سوال:- شرعاً روزہ کس چیز سے افطار کرنا افضل ہے؟

الجواب:- بہتر یہ ہے کہ روزہ دار کھجور سے روزہ افطار کرے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کرنا بہتر ہے، تاہم اس کے علاوہ بھی دیگر اشیاء سے روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

اخرج ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰؒ:- عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وجد تمراً فلیفطر علی ماء فان الماء طہور. (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۴۹)[۲]

سحری وافطاری کا مستحب طریقہ

سوال:- سحری اور افطاری میں تعجیل و تاخیر کا حکم ایک ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟

---

۱ قال ابن نجیمؒ:- (قولہ جنون غیر ممتد) ای یقضیہ اذا فاتہ بجنون غیر ممتد وھو ان لا یستوعب الشہر والممتد ھو ان یستوعب الشہر وھو مسقط للحرج. (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۰ کتاب الصوم فصل فی العوارض)

وَمثلہٗ فی فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم، الفصل العاشر فی الجنون۔

۲ محمد بن یزیدؒ:- عن سلیمان بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فان لم یجد فلیفطر علی الماء فانہ طہور. (ابن ماجہ ج۱ ص۱۲۲ باب ما جاء علی ما یستحب الفطر)

وَمثلہٗ فی ابی داؤد ج۱ ص۳۲۱ باب ما یستحب الفطر.

صرف جمعہ کے دن روزے کا حکم

سوال: حنفیہ کثر اللہ سوادھم کے نزدیک صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: علماء احناف کے ہاں راجح مذہب یہ ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں، البتہ جن احادیث میں نہی وارد ہے وہ ضعف اور کمزوری وغیرہ پیدا ہو جانے پر محمول ہے کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی ادائیگی میں فرق آتا ہو۔

قال العلامة ابن عابدين: ولا بأس بصوم يوم الجمعة عند ابي حنيفة ومحمد لما روي عن ابن عباس انه كان يصومه ولا يفطر۔ (رد المحتار ج۲ ص[illegible] كتاب الصوم)۔ [1]

ذی الحجہ میں ایامِ بیض کے روزوں کا حکم

سوال: ایامِ بیض کے روزے رکھنا شرعاً مسنون ہیں جو ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو آتے ہیں، کیا ماہ ذی الحجہ میں بھی انہی تاریخوں کو روزے رکھے جائیں یا دوسری تاریخوں کو رکھے جائیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ میں ایامِ عید الاضحیٰ یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے روزے رکھنا ممنوع ہیں، اس لیے ماہ ذی الحجہ میں ۱۳ تاریخ کا روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ بجائے ۱۳ کے ۱۴، ۱۵، ۱۶ کے روزے رکھے جائیں۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري رحمه الله: ويكره الصوم في العيدين وايام التشريق لانعقاد الاجماع ولو صام يكون صائما عاصيا ولو افسد لا يقضي عند ابي حنيفة۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۳۶۵ كتاب الصوم، فصل في بيان الاوقات التي يكره فيها الصوم) [2]

---

[1] قال الشيخ وهبة الزحيلي: ومنه صوم يوم الجمعة ولو منفردا فلا بأس بصيامه عند ابي حنيفة ومحمد لما روي عن ابن عباس انه كان يصومه ولا يفطر۔

(الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۵۹۵ مسائل صوم مندوب)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۶۵ كتاب الصوم، الفصل الخامس في الحظر والاباحة۔

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: والثاني تحريمي كصوم عيدي الفطر والاضحى وصوم ايام التشريق۔ وقال السيد احمد الطحطاوي: قوله وصوم ايام التشريق هي ثلاثة بعد يوم النحر۔ (الطحطاوي ص[illegible] كتاب الصوم) ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۵۸۲۔

حاجی کے لیے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں

سوال:۔ احادیث مبارکہ میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منقول ہے کیا یہ حکم حاجی کے لیے بھی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یوم عرفہ کا روزہ رکھنا شرعاً مسنون ہے اور یہ حکم سب کے لیے یکساں ہے البتہ اگر حاجی کو روزہ رکھنے سے ضعف لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے مناسک حج میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہو تو اس صورت میں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: المستحبة وعرفة ولو لحاج لم یضعفه الخ. قال ابن عابدینؒ: (قوله لم یضعفه صفة لحاج) ای اما ان لا یضعفه عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات فیحط فلو اضعفه کره۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۹ کتاب الصوم) ۔[1]

یوم عاشورہ کے روزے کا حکم

سوال:۔ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے، کیا یہ صرف ایک دن کا روزہ رکھنا ہوگا یا اس سے پہلے یا بعد والے دن کا روزہ بھی ملانا ہوگا؟

الجواب:۔ یوم عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا مسنون ہے مگر اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد والے دن کا روزہ ملانا ضروری ہے اس لیے کہ صرف دس محرم کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: واما صوم یوم عاشوراء فیستحب ان یصوم قبله یوماً و بعده یوماً (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۹ کتاب الصوم، باب الفطر والاباحة)[2]

---

[1] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: ومنه صوم یوم عرفة ولو لحاج لم یضعفه عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات فلو اضعفه کره۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۵۹۰ اراء المذاهب فی الصوم المسنون)
ومثله فی الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۹ الاوقات التی یکره فیها الصوم۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: وکانوا یستحبون ان یصوموا قبل عاشوراء او بعده یوماً۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۹ کتاب الصوم، الاوقات التی یکره فیها الصوم)
ومثله فی الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۵۹۰ النوع الرابع صوم التطوع۔

رمضان المبارک میں مہمان کی خاطر و تواضع کا حکم

سوال: جناب محترم مفتی صاحب! میں بسلسلہ روزگار انگلینڈ میں مقیم ہوں وہاں میرے کچھ انگریز دوست ہیں اگر وہ میرے پاس رمضان المبارک میں دن کے وقت ملاقات کے لیے آئیں تو کیا میں ان کی خاطر و تواضع کر سکتا ہوں یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: اسلام نے مہمان کی خاطر مدارات کے لیے نفل روزہ تک توڑ دینے کی گنجائش رکھی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص مہمان کی خاطر و تواضع کے لیے نفل روزہ توڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اس روزہ کی قضا کرنا ضروری ہے، جب غیر رمضان میں مہمان کی خاطر نفل روزہ افطار کیا جا سکتا ہے تو پھر رمضان المبارک میں ایسا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تاہم آپ کے لیے مہمان کی خاطر رمضان کا روزہ توڑنا جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: کسی کے گھر مہمان گئی یا کسی نے دعوت کر دی اور کھانا نہ کھانے سے اس کا جی برا ہوگا دل شکنی ہوگی تو اس کی خاطر سے نفل روزہ توڑ دینا درست ہے اور مہمان کی خاطر سے گھر والی کو بھی توڑ دینا درست ہے۔

(بہشتی زیور ص۱۲ کتاب الصوم)

عاشورہ کے دن قضاءِ رمضان کا حکم

سوال: جناب محترم مفتی صاحب! یوم عاشورہ (دس محرم الحرام) کو قضاءِ رمضان کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی رکھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں مسئلے کا حل بیان فرمائیں؟

الجواب: اسلام نے سال بھر میں صرف پانچ دن[1] روزہ رکھنے کو موجب گناہ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ باقی ایام میں جس دن چاہے قضاءِ رمضان کا روزہ رکھا جا سکتا ہے ایسا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لما فی الھندیۃ: لو نوی قضاء رمضان والتطوع کان عن القضاء۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الھندیۃ ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم)

---

[1] ان پانچ دنوں کی تفصیل یہ ہے: عید الفطر کا دن، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ

پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا حکم

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! میری والدہ صاحبہ کئی برسوں سے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھ رہی ہیں، کیا قرآن و سنت میں اس کے بارے میں کوئی فضیلت آئی ہے یا نہیں؟

الجواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اعمال نامے پیش کیے جاتے ہیں، مجھے یہ پسند ہے کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزے سے ہوں۔ لہٰذا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا کارِ ثواب ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری صوم الاثنین والخمیس۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۵۷ باب ما جاء فی صوم الاثنین والخمیس) لہ

پندرہ شعبان کے روزے کا شرعی حکم

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! پندرہ شعبان کے روزے کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ نیز اس روزے کا شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب :- فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرغوب روزوں میں سے پندرہ شعبان (شب برات) کا روزہ بھی ہے، لہٰذا اس قسم کا روزہ رکھنا موجب اجر و ثواب ہے۔

لما فی الهندیة: والمرغوبات من الصیام انواع، اولها صوم المحرم والثانی صوم رجب والثالث صوم شعبان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۲) کہ

لہ عن حفصۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم ثلاثۃ ایام من کل شهر الاثنین والخمیس والاثنین من الجمعۃ الاخری۔ (ابوداؤد ج۱ ص۳۳۲ باب من قال الاثنین والخمیس)

ومثلہ فی مشکوۃ المصابیح ص۱۷۹ کتاب الصوم، باب صیام التطوع۔

کہ لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ :- شب برات کی پندرہویں اور عید الفطر کے چھ دن نفل روزہ رکھنے کا بھی اور نفلوں سے زیادہ ثواب ہے۔

(بہشتی زیور حصہ سوم ص۱۲ کتاب الصوم)

مروجہ افطار پارٹیوں میں شرکت کا مسئلہ

سوال:۔ رمضان المبارک میں بعض سیاسی لوگ ایک دوسرے کو افطار پارٹیوں میں مدعو کرتے ہیں جن میں عموماً کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ شرعاً اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرانا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے مگر مروجہ افطار پارٹیوں میں چونکہ اکثر کبائر کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے تاکہ ارتکاب گناہ سے بچا جا سکے۔

لما قال علیہ السلام: من فطر صائماً کان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبته من النار وکان له مثل اجره من غیر ان ینقص من اجره شیء۔

(مشکوٰۃ ص۱۷۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث)۔ لہ

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کا حکم

سوال:۔ رمضان میں اگر کسی دن آسمان پر بادل ہوں اور سورج غروب ہونے کا صحیح اندازہ نہ ہو سکتا ہو تو ایسے میں روزہ افطار کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مستحب تو یہ ہے کہ جیسے سورج ڈوب جائے فوراً روزہ افطار کیا جائے اور اگر مطلع صاف نہ ہو یا آسمان پر بادل وغیرہ ہوں تو پھر روزہ افطار کرنے میں اتنی دیر کی جائے کہ سورج ڈوب جانے کا شک ختم ہو جائے۔ اور آجکل تو ویسے بھی تقریباً ہر آدمی کے پاس گھڑی ہوتی ہے اس کے حساب سے سورج ڈوب جانے کا یقین ہو جانے کے بعد روزہ افطار کر لینا چاہیئے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: ولو شك في غروب الشمس لا یحل له الفطر۔

(الهدایة ج۱ ص۱۹۶ کتاب الصوم) ۔ ٢ه

لہ لقوله علیه السلام: من فطر صائماً فله مثل اجره۔

(مجمع الزوائد ج۳ ص۱۵۶ کتاب الصوم، باب فیمن فطر صائماً)

٢ه لما قال العلامة اشرف علی تھانویؒ: جب تک سورج کے ڈوب جانے میں شبہ رہے تب تک روزہ افطار کرنا درست نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص۲۰ کتاب الصوم)

روزہ افطار کرنے کیلئے وقت مقرر کرنے کا حکم

سوال :- افطاری کتنے منٹ تک ہونی چاہیئے ؟ بعض لوگ افطاری کے وقت پورا کھانا کھاتے ہیں اور اس کے بعد نماز پڑھتے ہیں ، شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب :- افطاری کے لیے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں ، ضروری امر یہ ہے کہ مغرب کی نماز ادا کی جائے ، اس لیے بہتر یہ ہے کہ مختصر افطاری کرکے پہلے مغرب کی نماز ادا کر لی جائے اس کے بعد کھانا کھایا جائے ۔ تاہم اگر پورا کھانا کھانے کے بعد نماز وقت پر ادا کی جا سکتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔

روزے کی نیت عربی یا مادری زبان میں کرنے کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب ! رمضان المبارک کے روزوں کی نیت عربی زبان میں کرنا ضروری ہے یا اپنی مادری زبان میں کرنا بھی صحیح ہے ؟

الجواب :- نیت کا تعلق دل سے ہے ، قلبی ارادہ کرنے سے روزہ صحیح ہو جاتا ہے ، تاہم زبان سے نیت پر تلفظ کرنا بہتر ہے چاہے عربی زبان میں ہو یا مادری زبان میں ، دونوں طرح سے صحیح ہے ۔

لما قال الهندية : والنية معرفته بقلبه أن يصوم كذا في الخلاصة و محيط السرخسي والسنة ان يتلفظ بها كذا في النهر الفائق ۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۹۵ كتاب الصوم - الباب الاول في تعريفه) [1]

جہاز میں سفر کے دوران جہاز کا وقت روزہ افطار کرنے کے لیے معتبر ہوگا

سوال :- ایک آدمی ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا زمینی وقت کے لحاظ سے سورج غروب ہو چکا تھا مگر جہاز کی بلندی کی وجہ سے ابھی تک سورج افق پر چمکتا نظر آ رہا تھا تو کیا یہ آدمی زمینی وقت کے لحاظ سے روزہ افطار کرے یا حالت سفر

---

[1] قال العلامة المفتی عبد الرحیمؒ : روزہ کی نیت میں زبان سے بولنا ضروری نہیں صرف دل کا ارادہ کافی ہے ، اپنی مادری زبان یا عربی میں زبان سے بھی کہے تو بہتر ہے منع نہیں ۔
فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۲۱۳ کتاب الصوم ۔

میں جب سورج غروب ہو تب افطار کرے؟

الجواب: صحیح یہ ہے کہ روزہ اور نماز میں اس مقام کا وقت معتبر ہوگا جہاں پہ آدمی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ شخص جہاز میں ہے اس لیے جب اس حالت میں سورج غروب ہو جائے تو پھر روزہ افطار کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: المراد بالغروب زمان غیبوبة جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة الشرق۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۸۔ کتاب الصوم)؎

شوال کے چھ روزوں کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! کئی سالوں سے بندہ عید الفطر کے دوسرے دن سے شوال کے چھ روزے رکھ رہا ہے، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ شوال کے چھ روزے مکروہ ہیں اور یہ احناف کا مذہب ہے، اس نے ایک رسالہ بھی مجھے دیا ہے جو اسی موضوع پر لکھا ہوا ہے۔ اپنے دوست کی باتیں سن کر اور رسالہ دیکھ کر سخت الجھن کا شکار ہوں، مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: احادیث مبارکہ میں شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف کی تقریباً ہر کتاب میں ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے، جہاں تک کراہت کے قول کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے ایک شاذ قول مروی ہے، احناف کا مذہب نہیں، ورنہ فقہاء کرام اس کو بڑے اہتمام سے ذکر کرکے مفتیٰ بہ قرار دیتے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: وكره ایضاً صوم ستة من شوال عند ابی حنیفة متفرقاً كان او متتابعاً وعن ابی یوسف كراهته متتابعاً لا متفرقاً لكن عامة المتأخرین لم یروا به بأساً۔ وقال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولم یروا به بأساً) قد سرد عباراتهم العلامة قاسم فی تصحیحه ورد قول من صحح الكراهة فراجعه۔

(البحر الرائق ومنحة الخالق ج۲ ص۲۵۸۔ کتاب الصوم)

؎ قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله وهو الیوم) ای هو من قبل زمان الصبح الصادق الی الغروب ای زمان غیبوبة تمام جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة الشرق۔ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۴۶)

باب مایفسد الصوم ومالایفسد

(کن کن اشیاء سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور کن سے نہیں)

مذی اور ودی کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ بیوی کے ساتھ لمس وتقبیل یا ملاعبت کرتے وقت اگر کبھی پانی نکل جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور اگر پیشاب کے ساتھ کچھ قطرے گریں تو روزہ پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے؟

الجواب:۔ مس وتقبیل کی صورت میں اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ کر قضاء واجب ہے اور کفارہ نہیں، البتہ کسی کمزوری کی وجہ سے پیشاب کرتے وقت کچھ قطرے گریں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال فی الہندیۃ:۔ واذا قبّل امرأتہ وانزل فسد صومہ من غیر کفارۃ۔ ایضاً فی الہندیۃ وکذا لا یفطر بالفکر اذا امنی خلاف ما فی اخراج الوجاج۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۰۴ کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد) لہ

خاوند کی سخت طبیعت کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کا چکھنا

سوال:۔ روزہ کی حالت میں خاوند کے خوف سے عورت کے لیے پکی ہوئی اشیاء کا چکھنا کیسا ہے، کیا یہ عمل روزہ پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں عموماً چیزوں کا چکھنا مکروہ ہے اور بعض اوقات مفسد صوم بھی بن جاتا ہے، لیکن اگر کسی عورت کا خاوند بدمزاج اور تلخ طبیعت کا مالک ہو اور عورت کو

لہ قال محمد بن عبداللہ:۔ ولو مس امرأتہ میتۃ او بہیمۃ او فخذا او بطنا او قبل او لمس فانزل ... ... لم یفطر ... قال محمد بن عبداللہ ... او قبل ولم ینزل او احتلم او انزل بنظر او بفکر الخ

(شامی ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷۲ باب مایفسد الصوم ومالایفسد۔

اس سے بار بار کھانے اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو تو ایسی عورت کے لیے پکی ہوئی چیز کا چکھنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال قاضی خان رحمه الله:۔ اذا كان الزوج سيئ الخلق لا بأس للمرأة ان تذوق المرقة بلسانها۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۹۸ کتاب الصوم) لـه

حاملہ کو اگر خون آجائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا

سوال:۔ حالتِ حمل میں اگر عورت کو کبھی کبھار خون آجائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ مفسداتِ صوم میں سے ایک مفسد حیض و نفاس کا آجانا بھی ہے اور جو خون عورت کو حمل کی حالت میں آئے تو وہ بیماری کا خون ہے جو روزہ رکھنے کے منافی نہیں لہٰذا اس سے روزہ متاثر نہیں ہوتا۔

قال عبد الرحمن الجزائریؒ: اما الدم الذی یخرج عند خروج اکثر الولد فهو دم نفاس كالدم الذی یخرج عقب خروجه اما الدم الذی یخرج بخروج اقل الولد او قبله فهو فساد ولا تعتبر نفساء و يفعل ما يفعله الطاهرات۔

(الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۱۳۱ باب الحيض) لـه ۲

لـه قال عالم بن علاءؒ: ان كان زوجها سيئ الخلق فذاقت بلسانها ليعلم ملوحة الطعام فلا بأس به۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج ۲ ص [illegible] کتاب الصوم الفصل [illegible])

ومثله فی شامی ج ۲ ص [illegible] کتاب الصوم مطلب فیما یکره للصائم۔

لـه ۲ قال الکاسانیؒ: واما الحیض اکثر وقوعا فقدمه ثم اعقبه الاستحاضة لانها اكثر وقوعا من النفاس باعتبار كثرة اسبابها فانها تكون متحققة بما رأت الدم حالة الحبل او زاد على عشرة و زاد على معروفها وجاوز العشرة او رأت ما دون ثلاث او رأت قبل تمام الطهر او رأت قبل ان تبلغ تسع سنين على ما عليه العامة بخلاف النفاس فان سببه شئ واحد وقدم حكمها الاستحاضة ومن بعدها على تعريفها لان المقصود بيان الحكم۔ قال برهان الدینؒ: يتوضئون لوقت كل صلوة۔ (العناية على هامش فتح القدير ج ۱ ص ۱۵۹ باب الحيض)

ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۱۵ باب الحیض۔

روزہ جلدی افطار کرنا بہتر ہے

سوال:- افطار میں احتیاط کے لیے تاخیر کرنے کا شریعتِ مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:- غروبِ آفتاب قطعی اور یقینی امر ہے اس کے بعد غلبۂ ظن اور احتیاط کا دعویٰ کرنا بے بنیاد ہے یہی وجہ ہے کہ ازروئے شرع روزہ افطار کرنے میں تعجیل افضل ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ:- ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم۔

(فتاویٰ تاتارخانیہ ج۲ ص۳۶۴ کتاب الصوم، الفصل السادس فی الاسباب المبیحة) [1]

رمضان میں ادویات سے حیض بند کرنے کا حکم

سوال:- کئی عورتیں رمضان میں روزہ کی محرومی سے بچنے یا غیر رمضان میں نماز کے فوت ہونے سے بچنے کے لیے مانع حیض ادویات استعمال کرتی ہیں، کیا ازروئے شرع عورت کے لیے یہ اقدام مرخص ہے یا نہیں، نیز شرعی احکام پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

الجواب:- عورت کے لیے حیض کا آنا ایک طبعی اور فطری امر ہے اس لیے شریعتِ مطہرہ نے ان ایام میں عورت کو معذور سمجھ کر عبادات کی ذمہ داری ان سے اٹھائی ہے، یہی وجہ ہے کہ جدید اور قدیم طب میں حیض عورت کی صحت اور تندرستی کی نشانی سمجھی جاتی ہے، اگر کوئی عورت ادویات کے ذریعے اس کو بند رکھے تو شرعی احکام اس سے متاثر نہیں ہوتے یعنی حیض نہ آنے پر روزہ اور نماز کی ادائیگی ضروری ہے لیکن عورت کی صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے سے احتراز بہتر ہے تاہم اس طرح حیض بند کرنے سے روزہ درست رہے گا۔

قال عالم بن العلاءؒ:- وشرط صحة الاداء وهو الوقت القابل وهو اليوم المعتوى عن الاكل والشرب وطهارة المؤديين من الحيض والنفاس۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۲ ص۳۴۳ کتاب الصوم) [2]

---

[1] قال طاهر بن احمدؒ:- ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم۔
(خلاصة الفتاویٰ ج۱ ص۲۶۴ کتاب الصوم، الفصل الخامس فی العذر والاباحة)
ومثلہ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۷۲ کتاب الصوم۔

[2] قال طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:- اعلم بان الصوم هو الکف عن المفطرات شرعًا فی وقته بنیة بشرطه من اهله واهله العاقل البالغ المسلم وفی المرأة الطهارة من الحیض والنفاس۔
(خلاصة الفتاویٰ ج۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم، الفصل الثانی فی المقدمة)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۵ کتاب الصوم۔

زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال:- کیا بچھو اور بھڑ کے کاٹنے سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں جبکہ ایسی حالت میں ڈنگ مارنے والے بچھو وغیرہ کا زہر روزہ دار کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے؟

الجواب:- کسی چیز کا معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسد صوم تب بنتا ہے کہ وہ چیز جوف دماغ یا جوف معدہ میں بطریق منفذ (راستہ) کے ذریعہ داخل ہو۔ اگر وہ چیز بصورت ترشح (رِس رِس کر) جوف دماغ یا جوف معدہ میں پہنچ جائے تو مفسد صوم نہیں، چنانچہ صورت مسئولہ میں زہر چونکہ معدہ میں بصورت ترشح پہنچ جاتا ہے اس لیے مفسد صوم نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ولو اكتحل لم يفطر لانه ليس بين العين والدماغ منفذ والدمع يترشح كالعرق والداخل من المسام لا ينافي كما لو اغتسل بالماء البارد۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۹۷ کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)[1]

بدنگاہی سے انزال مفطر صوم نہیں

سوال:- کسی حسین عورت کو دیکھنے سے شہوت کا غلبہ ہو کر اگر روزہ دار کا انزال ہو جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:- انزال سے فساد صوم کے لیے جماع حقیقی یا معنوی کا ہونا ضروری ہے، چونکہ شہوت نظر سے انزال میں دونوں کا فقدان ہے اس لیے فقہاء کرام نے عدم افطار کا فتویٰ دیا ہے۔

قال ابن الہمام رحمہ اللہ: اذا نظر الى امرأة بشهوة الى وجهها او فرجها كرر النظر او لا لا يفطر اذا انزل لما بينا انه لم يوجد صورة الجماع ولا معناه وهو الانزال

---

[1] قال العلامة عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي: ... والاقطار في الاحليل عندهما لا يفطر، وقال ابو يوسف يفطر، بناء على انه هل بين المثانة والجوف منفذ ام لا، قيل لخروج البول، والاصح انه ليس بينهما منفذ وانما البول يترشح في المثانة ثم يخرج وما يترشح لا يعود فيترشح فلا يصل۔
(الاختيار لتعليل المختار ج ۱ ص ۱۳۳ کتاب الصوم، فصل فی وجوب الکفارۃ والقضاء)
ومثله في فتح القدير ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارۃ

اعتبار ہوگا جہاں پر مثلاً ۲۹ روزے ہوں یا اپنے علاقے کا اعتبار ہوگا جہاں پر ۳۰ روزے پورے ہوئے ہوں؟

الجواب:- جہاں تک عید منانے کا حکم ہے تو یہ موجودہ ملک کا تابع ہے لیکن روزہ کی تعداد میں اس ملک کا اعتبار ہے جہاں پر اس شخص نے ابتدائی روزہ رکھا ہے اور اگر اس ملک کی رؤیت معلوم نہ ہو تو پھر ازروئے احتیاط تیس روزے پورے کرے بشرطیکہ اس کے روزے پورے نہ ہوئے ہوں۔

قال في الهندية: ولو صام اهل مصر تسعة وعشرين يوما للرؤية وفيهم مريض لم يصم فعليه القضاء تسعة وعشرين يوما فان لم يعلم الرجل ما صنع اهل مصره صام ثلاثين يوما ليخرج عن العهدة بيقين كذا في المحيط.

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۹۹ كتاب الصوم الباب الثاني في رؤية الهلال) ؎

فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا شرعی عذر نہیں

سوال:- اگر رمضان میں فصل پک جائے اور رمضان کے گزرنے کا انتظار کرنے کی صورت میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے۔ تو فصل کی کٹائی کے لیے روزہ نہ رکھنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- موجودہ دور میں فصل کی کٹائی کے لیے جدید ترین طریقے موجود ہیں مثلاً تھریشر مشین وغیرہ، البتہ اگر خود کٹائی کی طاقت نہ ہو تو اجرت پر بھی کٹائی ممکن ہے اس لیے فصل کی کٹائی روزہ نہ رکھنے کے لیے عذر شرعی نہیں۔

قال ابن نجيم رحمه الله: وفي القنية لا يجوز للخباز ان يخبز خبزا يوصله الى ضعف مبيح للفطر بل يخبز نصف النهار ويستريح في النصف الباقي فان قال لا يكفيه اجرته او ربحه

؎ قال عالم بن العلاء رحمه الله: اذا صام اهل مصر تسعة وعشرين يوما بالرؤية وفيهم مريض لم يصم فعليه القضاء تسعة وعشرين يوما فان لم يعلم الرجل ما صنع اهل المصر صام ثلاثين يوما ليخرج عن العهدة بيقين.

(الفتاوى التاتارخانية ج ۲ ص ۳۵۴ كتاب الصوم رؤية الهلال)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳ كتاب الصوم ثبوت رمضان ؎

فقال هو کاذب وهو باطل بل قصر ایام الشتاء. (البحر الرائق ج۲ ص۲۸۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده)[1]

قاضی کے لیے مسندِ قضا پر روزہ نہ رکھنے کا سبب نہیں

سوال: اگر کوئی قاضی مسندِ قضاء میں ایسی حالت سے دوچار ہو کر فیصلہ کرنے کے وقت روزہ اس کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہو تو کیا اس کے لیے افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ کوئی ایسا شرعی عذر نہیں کہ جس سے روزے کا افطار مرخص ہو، اس لیے اس پر روزہ واجب ہے۔

قال فی الهندیة: شرط وجوبه الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء الصحة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۴ کتاب الصوم الباب الاول فی تعریفه الخ)[2]

روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا مفسدِ صوم نہیں

سوال: روزہ میں انجکشن لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا رگ والے اور دوسرے انجکشن میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ حلق کی چیز یا اس کے اثرات کا

---

[1] قال نافع بن العلاء رحمه الله: سألت اباحامد عن خباز یخبز فی شهر رمضان ویضعف فی آخر النهار هل یجوز له ان یعمل هذا العمل فقال لا یجوز له بان یعمل ما یوصله الی هذا النوع من الضعف ولکن یخبز نصف النهار ویستریح فی النصف الباقی قیل له: انه لا یکفیه ما یأخذ فی نصف النهار فقال هو کاذب فان ایام الشتاء تقصر الایام فما یفعل فی تلک الایام یفعله الیوم.

(فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۸۵ کتاب الصوم، نوع آخر فی الاسباب المبیحة للفطر)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۰ کتاب الصوم، فصل فی فساد الصوم.

[2] قال عالم بن العلاء رحمه الله: شرط نفس الوجوب وهو الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء وهو الصحة والاقامة وشرط صحة الاداء وهو الوقت ... بما قبل.

(فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۵۵ کتاب الصوم)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم، الفصل الثانی فی مقدمة.

جلد تک پہنچنا مفطر صوم نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت مفطر صوم ہے جب منافذ معتادہ سے بدن میں داخل ہوکر پیٹ یا دماغ تک پہنچے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں انجکشن کے اثرات معدہ و دماغ تک نہیں پہنچتے بلکہ رگوں میں حلول کرکے بدن کو راحت پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں جبکہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چونکہ یہ علت ہر قسم کے انجکشن میں موجود ہے اس لیے کسی بھی انجکشن (خواہ رگ والا ہو یا عام) سے روزہ متاثر نہیں ہوتا جیسا کہ پیاس کے وقت مسامات کے ذریعے رطوبت پہنچنا مفطر صوم نہیں۔ تاہم حتی الامکان روزہ کی حالت میں رگ والے انجکشن سے اجتناب کیا جائے۔

قال في الهندية: ومن اغتسل في ماء وجد بردة في باطنه لا يفطر۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۰۳ كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد)

قال ابن نجيم: وفي التحقيق ان بين الجوفين منفذ اصليا فما وصل الى جوف الرأس يصل الى جوف البطن۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۸ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد) ؎

روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا

سوال: کیا روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا کوئی ایسا عمل نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے، تاہم اس عمل سے اجتناب بہتر ہے کیونکہ اس سے روزہ ٹوٹ جانے کا خطرہ ضرور ہے۔

قال المرغيناني: ولا بأس بالقبلة اذا أمن على نفسه اي الجماع او الانزال ويكره اذا لم يأمن۔ (الهداية ج۱ ص۱۹۹ كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة) ؎

دانت نکالتے وقت نکلنے والے خون کے روزہ پر اثرات

سوال: تکلیف کی وجہ سے روزہ دار کیلئے دانت نکلوانا شرعاً

؎ قال اكمل الدين محمد بن محمود: اذا علم ان الدواء اليابس وصل الى جوفه او الى دماغه فسد صومه عنده لانه ذكر الرطب واليابس بناءً على العادة۔

(العناية على هامش فتح القدير ج۲ ص۲۶۷ باب ما يوجب القضاء والكفارة)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۳ كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد الخ۔

؎ قال محمد بن عبد الله: (او قبل ولم ينزل او احتلم او انزل بنظر ولو الى فرجها مرارا او بفكر وان طال) (تنوير الابصار مع رد المحتار ج۲ ص۳۹۵-۳۹۶ كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم [illegible])

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۶۲ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد۔

پانی میں غوطہ لگانا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ اگر روزہ دار کسی تالاب یا حوض میں غوطہ لگائے، اس طرح اس کا روزہ کہاں تک متاثر ہوتا ہے؟

الجواب:۔ اگر منہ میں پانی داخل نہ ہو بلکہ کان میں پانی یا بدن میں برودت و ٹھنڈک کا احساس ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر پانی پیٹ میں داخل ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا تاہم ایسے عمل سے اجتناب مناسب ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ: ولو اغتسل۔ وفی الفتاوی العتابیة او خاض الماء فدخل الماء اذنه لا یفسد صومه بلا خلاف۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۶۳ کتاب الصوم، الفصل الرابع ما یفسد الصوم الخ) [۱]

روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے کا حکم

سوال:۔ روزہ دار کو اگر احتلام ہو جائے تو اس کے روزہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احتلام ہو جانا ایسا عمل نہیں جو روزے کے منافی ہو، اس لیے روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال برهان الدین رحمه الله: فان نام فاحتلم لم یفطر لقوله صلی الله علیه وسلم ثلاث لا یفطرن الصیام القیء والحجامة والاحتلام (الهدایة ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم) [۲]

روزہ میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال:۔ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کس درجہ کا استمتاع شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ طرفین کے امن کی صورت میں لمس و تقبیل اور بوس وکنار میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر فساد کا خطرہ ہو تو ایسا کرنا بھی مکروہ ہے۔

قال محمد رحمه الله: ویکره قبلة ومس ومعانقة ومباشرة فاحشة

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ: ان خاض الماء فدخل اذنه لا یفسد۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۷۸ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)
ومثله فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد

[۲] قال العلامة الحصکفیؒ: او احتلم او انزل بنظر ولو الی فرجها مرارا او بفکر ..... لم یفطر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم)
ومثله فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد۔

نسوار کا استعمال مفسدِ صوم ہے

سوال:- کیا نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسوار استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا!

الجواب:- نسوار منہ میں ڈالنے سے لعاب کے ساتھ مل کر پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے جو کہ فسادِ روزہ کا ذریعہ ہے بلکہ نسوار کے عادی لوگ تو اس کو غذا کا نعم البدل سمجھتے ہیں اسلئے نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ:- اختلفوا في معنى التغذي قال بعضهم ان يميل الطبع الى اكله وتنقضي شهوة البطن به وقال بعضهم هو ما يعود نفعه الى صلاح البدن وفائدته فيما اذا مضغ لقمة ثم اخرجها ثم ابتلعها فعلى الثاني يكفر لا على الاول والاشبه [illegible] لانه لا نفع فيها للبدن وربما تنقص عقله ويميل اليها الطبع وتنقضي بها شهوة البطن۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۱۰ كتاب الصوم باب ما يفسد الصوم) [1]

بندوق کی گولی مفسدِ صوم ہے

سوال:- بندوق کی گولی پیٹ میں لگنے سے روزہ پہ اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:- بندوق کی گولی اگر پیٹ میں لگ کر باہر نکل جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر گولی پیٹ میں ہی رہ جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال العلامة شمس الدينؒ:- ولو طعن برمح حتى وصل الى جوفه ثم نزعه لم يفسد لانه لم يبق الطاعن من الرمح وصوله الى الباطن حكماً فان بقي الرمح في جوفه فسد۔ (الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۷۸) [2]

---

[1] ثم قال شيخ الاسلام في بكري علي تركه ومن اكل الحصاة والحديد والنحو لا كفارة عليه ولكن يفسد صومه لان المضغ ذهب فيه وانما افطر لوجود صورة الفطر ولا كفارة عليه لعدم المعنى وهو قضاء شهوة البطن۔ (الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۷۶ فصل فيما يفسد الصوم)

ومثله في مراقي الفلاح شرح على مراقي الطحطاوي ص۳۶۷ باب في بيان ما لا يفسد الصوم۔

[2] ثم قال العلامة عبدالرشيدؒ: ولو طعن برمح فوصل الى جوفه ثم نزعه لا يفسد صومه ولو بقي الرمح في جوفه اختلف المشائخ والصحيح انه لا يفسد صومه هكذا في التتمة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۰۴ كتاب الصوم الفصل الرابع فيما يفسد الصوم)

ومثله في فتح القدير ج۲ ص۲۶۹ باب ما يوجب القضاء والكفارة۔

رحم میں دوائی رکھنا مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ اگر عورت کسی بیماری کی وجہ سے رحم میں بطورِ علاج دوائی رکھے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علاج کے طور پر رحم میں دوائی رکھنا جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے علاج ممکن نہ ہو تاہم جب دوائی روزہ کی حالت میں اندر رکھی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ فرج کے بیرونی حصہ پر دوائی لگانا فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں۔

قال طاهر بن احمدؒ: وتكلم المشائخ في الاقطار في قبل النساء، منهم من قال على الخلاف ومنهم من قال يفسد بلا خلاف وهو الصحيح. (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۳ كتاب الصوم الفصل فيما يفسد الصوم) [۱]

روزہ دار کیلئے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا

سوال:۔ روزہ دار کے لیے ٹوتھ پیسٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹوتھ پیسٹ میں چونکہ ذائقہ چکھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات دوائی کا حلق سے نیچے اترنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے روزہ کی حالت میں اس کا استعمال مکروہ ہے اور اگر حلق سے اندر چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال قاضی خانؒ: وكره ذوق شيء للصائم لان فيه تعريض الصوم للفساد. (فتاوى قاضي خان ج۱ ص۹۴ الفصل الرابع فيما يكره للصائم وما لا يكره) [۲]

بدنظری سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر روزہ کی حالت میں نظر بے جا استعمال ہو تو اس سے

---

[۱] قال عالم بن العلاءؒ: وتكلم المشائخ في الاقطار في قبل النساء، منهم من قال هو على هذا الاختلاف، ومنهم من قال يفسد الصوم بلا خلاف كالحقنة وهو الصحيح.
(فتاوى تاتارخانية ج۲ ص۳۶۵ كتاب الصوم الفصل الرابع ما يفسد الخ)
ومثله في الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۴۳ باب ما يفسد الصوم۔

[۲] قال ابن الهمامؒ: (قوله لما بينا) من انه تعريض للصوم على الفساد وقد يسبق شيء منه الى الحلق فانه من حام حول الحمى يوشك ان يقع فيه۔
(فتح القدير ج۲ ص۲۶۸ باب ما يوجب القضاء والكفارة)
ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۲۸۰ باب ما يفسد وما لا يفسد۔

روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

الجواب:- روزہ کی حالت میں نظر کی حفاظت بھی ایک ضروری امر ہے، نظر میں بے احتیاطی سے روزہ کی حقیقت لازمی طور پر متاثر ہوتی ہے لیکن اس سے فسادِ صوم لازم نہیں آتا۔

قال ابن نجیمؒ: کان عینہ یعنی بمفطر (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۳ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)[۱]

دانتوں سے خون آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:- جناب مفتی صاحب! میرے دانتوں سے ہر وقت خون آتا رہتا ہے تو کیا اس سے میرے روزوں پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:- دانتوں سے صرف خون کا نکل آنا مفسدِ صوم نہیں بلکہ اس میں قدرے تفصیل ہے کہ اگر خون قلیل مقدار میں ہو اور تھوک خون پر غالب ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا تاہم اگر خون کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح اگر خون تھوک پر غالب ہو یا مساوی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا مگر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

وفی الھندیۃ: الدم اذا خرج من الاسنان ودخل حلقہ ان کانت الغلبۃ للبزاق لا یضرہ وان کانت الغلبۃ للدم یفسد صومہ وان کان سواء افسد ایضاً استحساناً (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد)[۲]

۱؎ قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ: واما اذا نظر فانزل لا یفطر لعدم المباشرۃ فالنظر مقصور علیہ متصل بہا فصار کالانزال بالتفکر (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)
ومثلہ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۵۵ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ۔

۲؎ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: او خرج الدم من بین اسنانہ ودخل حلقہ یعنی ولم یصل الی جوفہ، اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا الا اذا وجد طعمہ بزازیۃ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)
ومثلہ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۴ ص۹۹ کتاب الصوم، الثالث فیما یفسد وما لا یفسد۔

انہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! عصر حاضر میں طب کے میدان میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ خاص کر دمہ جیسی خطرناک بیماری کے علاج میں انہیلر (ایک خاص قسم کا پمپ) کامیاب ایجاد ہے جسے دمہ کے مریض بوقت ضرورت سانس کی رکاوٹ ختم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تو کیا اس کا استعمال روزے پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں؟

الجواب:- مذکورہ انہیلر پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر روزہ کی حالت میں انتہائی مجبوری کے وقت اس کو استعمال کیا گیا تو رمضان کے بعد اس روزے کی صرف قضا کرنا ہوگی کفارہ نہیں۔ تاہم اگر مریض کی حالت ایسی ہو کہ اس کے بغیر اس کا گزارہ نہ ہوتا ہو تو وہ روزہ نہ رکھے صرف فدیہ دینا ہوگا۔

حالتِ صوم میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا

سوال:- اگر کسی کی آنکھوں میں بہت سخت تکلیف ہو تو کیا وہ روزہ کی حالت میں دوائی استعمال کر سکتا ہے؟ جبکہ دوائی ڈالنے کے بعد اس کا اثر حلق میں محسوس ہوتا ہے!

الجواب:- اسلام نے حالتِ اضطرار یعنی انتہائی تکلیف کے وقت رمضان کا روزہ قضا کرنے کی گنجائش بھی دی ہے کہ حاذق اور مسلمان طبیب کے مشورہ سے روزہ توڑ دیا جائے، البتہ آنکھوں میں دوائی ڈالنے سے روزہ متاثر نہیں ہوتا، اس لیے اگر تکلیف کے وقت روزہ کی حالت میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا جائز ہے، اس عمل سے روزہ نہیں ٹوٹےگا، اگرچہ اس دوائی کا اثر حلق کے اندر محسوس ہو۔

لما فی الھندیۃ: لو اقطر شیئاً من الدواء فی عینیہ لا یفطر صومہ عندنا وان وجد طعمہ فی حلقہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم، باب ما لا یفسد الصوم)[1]

---

[1] ما قال العلامۃ الحصکفیؒ: او ادھن او اکتحل او ... وان وجد طعمہ فی ...... لم یفطر ملقہ۔ قال ابن عابدینؒ: قولہ ان وجد طعمہ فی حلقہ ای طعم الکحل او الدھن کما فی السراج وکذا لو بزق فوجد لونہ فی الاصح۔

(رد المحتار ج۲ ص۳۹۵ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم الخ)

روزہ کی حالت میں بار بار غسل کرنے یا سر دھونے کا حکم

سوال - اگر رمضان کے روزے سخت گرمی کے موسم میں آجائیں تو کیا روزہ دار آدمی گرمی کی شدت کی وجہ سے بار بار غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شدت حرارت (سخت گرمی) کی وجہ سے حالت صوم میں بار بار غسل کرنا یا بار بار سر دھونا بشرطیکہ پانی کے قطرات حلق میں نہ جائیں جائز ہے اور شرعاً ایسا کرنے سے روزے پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔

عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الناس فی سفرہ عام الفتح بالفطر وقال تقووا لعدوکم وصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قال الذی حدثنی لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعرج یصب علی رأسہ الماء وھو صائم من العطش او من الحر۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۵ باب الصائم یصب علیہ الماء من العطش، کتاب الصوم)

روزہ کی حالت میں بیوی سے بغلگیر ہونا

سوال - اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ بغلگیر ہو کر سو جائے اور دونوں میں سے کسی کو انزال نہ ہو تو کیا اس سے روزہ متاثر ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم فقہ حنفی کی رو سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا، ایک دوسرے کے ساتھ چمٹنا یا بغلگیر ہو کر سونا ممنوع نہیں بشرطیکہ اپنے اوپر پوری قدرت ہو اور اگر قدرت نہ ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہئے تاکہ کسی خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر میاں بیوی دونوں میں سے کسی کو انزال نہ ہوا ہو تو روزہ فاسد نہیں البتہ دونوں میں سے جس کا بھی انزال ہو جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر اس روزہ کی قضا لازم ہوگی۔

قال العلامۃ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ: بازن را بوسہ داد یا مس بشہوت کرد اگر انزال شد روزہ فاسد شود والا فاسد نشود۔

(مالابد منہ ص ۹۵ کتاب الصوم)

کالملیقی۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۲۷ مطلب فیما یکرہ للصائم) ۔ لہ

ناس کا روزہ پر اثر انداز ہونے کا حکم

سوال:۔ ناس کے سونگھنے سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے اور ناس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ ناس ہندی زبان کا لفظ ہے، فیروز اللغات میں اس کا معنی نسوار لکھا ہے اور اس کا استعمال ناک کے ذریعے ہوتا ہے۔ چونکہ اس نسوار کے ذرات اتنے باریک ہوتے ہیں کہ سانس کے ذریعے جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جاتے ہیں جو کہ مفسدِ صوم ہے لہٰذا ناس سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لما قال فی الهندیة:۔ وفی دواء الجائفة والآمة أکثر المشائخ علی أن العبرة للوصول الی الجوف والدماغ لا لکونه رطبا او یابسا حتی اذا علم ان الیابس وصل یفسد صومه ولو علم ان الرطب لم یصل لم یفسد۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۴ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد) [1]

دھوئیں اور غبار کے روزے پر اثرات

سوال:۔ دھواں اور گرد وغبار اگر حلق کے اندر چلا جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ دھواں یا گرد وغبار اگر حلق کے اندر بلا قصد چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں

---

[1] لما قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ومن ذاق شیئا بفمه لم یفطر لعدم الفطر صورة ومعنی ویکره له ذلك لما فیه من تعریض الصوم علی الفساد۔ قال العلامة بدر الدین العینیؒ تحت قوله من تعریض الصوم علی الفساد لانه لا یؤمن ان یصل الی جوفه ۔۔۔۔
قال ایضا تحت قوله ومضغ العلك لا یفطر الصائم لانه لا یصل الی جوفه وقیل اذا لم یکن ملتئما یفسد (لانه یصل الیه) ای الی جوفه بعض اجزائه (لانه اذا لم یکن ملتئما یتفتت فیدخل شیء من ذلك حتی یفسد صومه۔ (البنایة شرح الهدایة ج۳ ص۳۸۴ باب ما یوجب القضاء والکفارة)
ومثله فی امداد الفتاوی ج۲ ص۱۴۲ کتاب الصوم۔

[2] لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ:۔ وما وصل الی جوف الرأس والبطن من الاذن والانف والدبر فهو مفطر بالاجماع وفیه القضاء۔
(خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۳ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم وفیما لا یفسد)
ومثله فی امداد المفتیین ج۱ ص۴۹۲ المعروف بفتاوی دارالعلوم دیوبند)

ہوتا البتہ اگر قصداً دھواں وغیرہ لینے کی صورت ہو تو روزہ فاسد ہو کر قضاء کا موجب بن جاتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان ولو ذاکراً استحساناً لعدم امکان التحرز عنه ومفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ای دخان کان ولو عوداً او عنبراً لو ذاکراً لامکان التحرز عنه. (الدر المختار ج ۲ ص ۳۹۵ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده) له

روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود فدیہ دینا بے سود ہے

سوال: کفارہ کے وجوب کی صورت میں اگر روزہ کی استطاعت ہو تو کیا فدیہ کی ادائیگی مفید ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ رکھنے کی استطاعت کے باوجود فدیہ دینا بے سود ہے ایسی حالت میں روزہ رکھنا ضروری ہے تاہم اگر روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو فدیہ دیا جا سکتا ہے۔

لما قال العلامة بدر الدین العینیؒ: والکفارة مثل کفارة الظهار ای الکفارة التی تجب بالوقاع مثل کفارة الظهار وهی عتق رقبة فان لم یجد فصیام شهرین متتابعین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً الخ. (البنایة شرح الهدایة ج ۳ ص ۳۴۸ باب ما یوجب القضاء والکفارة) ٢ه

جبراً روزہ افطار کرانے پر قضاء لازم ہے

سوال: اگر ایک شخص پر جبر کر کے روزہ افطار کرایا جائے تو کیا اس پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی نے زبردستی کر کے دوسرے کا روزہ افطار کرایا تو کھانا کھانے والے پر

له لما قال العلامة عبد الحی اللکنویؒ: ولو دخل ما لا یستطاع الاحتراز عنه فی الحلق بلا صنع منه لا یفسد والغبار لا یفسد الصوم فی التکییف بحسب الوسع وما لو ادخل الدخان بایة دا... الی الحلق من یقصده بصومه فسد ... التنباک لانه ... المفطر ... التمکین للمعتادین ... الذباب فی الحلق من غیر ... (نفع المفتی والسائل ص ۱۶۰ بیان دخول الدخان الخ)
ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۳ باب ما یوجب القضاء والکفارة۔

٢ه لما قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله ککفارة المظاهر مرتبط بقوله وکفر ای مثلها فی الترتیب فیعتق اولاً فان لم یجد صام شهرین متتابعین فان لم یستطع اطعم ستین مسکیناً الخ
(رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۲ مطلب فی الکفارة)
ومثله فی الطحطاوی ص ۳۶۷ فصل فی الکفارة وما یسقطها عن الذمة بعد الوجوب۔

کفارہ واجب نہیں البتہ اسی دن کی قضاء لازم ہوگی۔

قال شمس الدین سرخسیؒ: ولو کرہ علی الاکل والشرب فعلیہ القضاء دون الکفارۃ۔

(المبسوط سرخسی ج ۳ ص۹۸ باب مایفسد الصوم) [۱]

غروب آفتاب سے قبل افطار موجب قضاء ہے

سوال: ایک شخص نے غروب آفتاب کے وقت عید کا چاند دیکھ کر یہ خیال کیا کہ آج عید کا دن ہے اور یہ چاند دوسری رات کا ہے اس لیے آج کا روزہ جائز نہیں، پھر اس نے فوراً روزہ توڑ کر دوسروں کو بھی افطار کرنے کی دعوت دی تو ایسے شخص کے روزہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پر قضاء واجب ہے یا کفارہ یا دونوں؟

الجواب: روزہ اور عید کا دارومدار باقاعدہ چاند کی رؤیت پر ہے، آفتاب کی روشنی میں عید منانا از روئے شرع معتبر نہیں، صورت مذکورہ میں محض چاند کی رؤیت کی بنیاد سے روزہ توڑنا مناسب نہیں، اگر پہلے دن کی باقاعدہ رؤیت نہ ہو تو اس شخص پر قضاء ہوگی کفارہ واجب نہیں۔

قال طاہر بن احمد رحمہ اللہ: ولو افطروا اکبر رایہ ان الشمس لم تغرب فعلیہ القضاء والکفارۃ لانہ لما کان ثابتا وقد انضم الیہ اکبر رایہ فصار بمنزلۃ الیقین۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۵۳ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد الصوم) [۲]

بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کا حکم

سوال: اگر ایک شخص ضعف و بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو کیا

---

[۱] قال برہان الدین رحمہ اللہ: ولو کان مخطئا او مکرہا فعلیہ القضاء۔

(الہدایۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)

ومثلہ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۵۵ کتاب الصوم۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: او افطر یظن الیوم لیلا والفجر طالع والشمس لم تغرب، علیہ القضاء فیہما۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ: ای فی الاول والثانی بان الاصل فی الاول بقاء اللیل فلا تجب الکفارۃ وفی الثانی بقاء النہار فتجب علی احدی الروایتین کما علمت۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم)

ومثلہ فی الہدایۃ ج۱ ص۲۲۵ باب ما یفسد الصوم۔

روزہ کی حالت میں دانت میں دوائی ڈالنا

سوال: شدتِ درد کی وجہ سے اگر دانت میں دوائی ڈال دی گئی یا دانت نکلوانے کے بعد تکلیف ناقابلِ برداشت ہو تو روزہ افطار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس روزے کا قضا واجب ہوگی یا کفارہ؟

الجواب: دانت کا درد اگر برداشت سے باہر ہو تو ایسی حالت میں دوا استعمال کرنا جائز ہے اور اس کے لیے روزہ افطار کرنا مرخص ہے جس کی وجہ سے قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

قال قاضی خانؒ: لا فرق بین الرطب والیابس فان وصل الی الجوف فسد صومه وان لم یصل لا یفسد وذکر فی الاصل انه یفسد الصوم مطلقاً بناءً علی الغالب والغالب هو الوصول الی الجوف وذکر شرطاً فی تفسیر المجلد۔ (فتاوی قاضی خان ج۱ ص۲۰۸ فصل فیما یفسد الصوم)[1]

شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے سے روزہ کا حکم

سوال: اگر عورت اپنی قُبُل میں یا مرد اپنی دُبُر میں انگلی داخل کرے تو کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر انگلی داخل کرتے وقت خشک ہو تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ تیل یا پانی سے تر کرکے داخل کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں تاہم اس سے اجتناب ہر حالت میں ضروری ہے۔

قال فخر الدین الزیلعیؒ: ولو ادخلت الصائمة اصبعها فی فرجها او دبره لا یفسد علی المختار الا ان تکون مبلولة بماء او دهن۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب ما یفسد الصوم)[2]

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ: ان فعل ذلک به من غیر اختیاره او باختیاره فلا یلزمه الکفارة۔ (فتاوی تاتارخانیہ ج۲ ص۳۶۵ کتاب الصوم الفصل الرابع فیما یفسد الخ)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۸۲ فصل فی العوارض۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: او ادخل اصبعه الیابسة فیه) ای دبره او فرجها ولو مبتلة فسد۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم)
ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۴ کتاب الصوم - الفصل الثالث فیما یفسد الخ

روزہ کی حالت میں جماع مع حائل کا حکم

سوال:۔ رمضان میں اگر بیوی سے جماع کرتے وقت کوئی چیز حائل ہو تو کیا اس سے کفارہ ساقط ہوتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کسی چیز کے حائل ہونے کے باوجود حرارت اور لذت محسوس ہو تو جماع بلا حائل اور مع حائل دونوں کا حکم ایک ہے قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، تاہم بصورت حائل اگر حرارت محسوس نہ ہو تو صرف قضاء واجب ہوگی۔

قال ابن نجیمؒ: کذا فی المعراج والمراد بالمس المس بلا حائل فان مسها وراء الثیاب فامنی فان وجد حرارة جلدها فسد والا فلا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۲، ۲۹۳ باب ما یفسد الصوم)[1]

اغلام و لواطت موجب کفارہ و قضاء ہے

سوال:۔ کیا لواطت جیسا قبیح کام کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے یا صرف قضاء لازمی ہے ؟

الجواب:۔ قضاء شہوت کا محل مشتہات ہونا ضروری ہے جو احد السبیلین ہے ایسی جگہوں کو جب بھی روزہ کی حالت میں استعمال کیا جائے تو کفارہ و قضاء دونوں واجب ہوجاتے ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں دونوں لازم ہیں۔

قال العلامة فخر الدین الزیلعیؒ: وقوله او جومع نص علی انها تجب علی المفعول به وعلی المرأة ان کان بطوعها۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۲۷ باب ما یفسد الصوم)[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله ولو بحائل لا یمنع الحرارة) یفید ما بعد لو وهو عدم الحائل المذکور اولی بالحکم وهو وجوب القضاء لکن لا تظهر الاولویة بالنظر الی عدم الکفارة مع ان الکلام فیما یوجب القضاء دون الکفارة وقید الحائل بکونه لا یمنع الحرارة فی البحر تبعا للمعراج ولو مسها وراء الثیاب فامنی فان وجد حرارة جلدها فسد والا فلا۔

(رد المحتار ج ۲ ص [illegible] کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص [illegible] کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد الصوم۔ الخ

[2] قال العلامة قاضیخانؒ: وان جامعها فی دبرها متعمدا فی قول ابی حنیفة … علیهما القضاء والکفارة عندهما ولم یذکر الخلاف۔ (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص [illegible] فصل فیما یفسد الصوم)

ومثله فی الاشباه والنظائر ج ۲ ص [illegible] کتاب الصوم۔

روزہ کی حالت میں زنا کرنے پر قضاء اور کفارہ کا وجوب

سوال: بظاہر زنا کرنے سے انسان پر حد جاری ہوتی ہے تو کیا حد کے اجراء کی وجہ سے کفارہ کے وجوب پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع یا کسی اجنبیہ سے زنا کرنے میں وجوب قضاء اور کفارہ میں کوئی فرق نہیں جبکہ حد کا اجراء الگ مسئلہ ہے جس کا کفارہ و قضاء کے وجوب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تاہم جبر واکراہ کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

قال العلامة طاہر بن احمدؒ: وان کانت المرأة مکرهة فعلیها القضاء دون الکفارة ولو کان الرجل مکرها علی الجماع فعلیه الکفارة فی قول ابی حنیفةؒ الاول ثم رجع وقال علیه القضاء دون الکفارة وهو قولهما وعلیه الفتوی۔
(خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)[1]

بہیمہ (جانور) سے وطی کرنے سے روزہ کا حکم

سوال: کسی جانور کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جانوروں کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ یقیناً فاسد ہو کر قضاء لازم ہو جاتی ہے اور کفارہ لازمی نہیں۔ تاہم نفس دخول سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ فعل ہر صورت میں حرام ہے۔

قال العلامة قاضی خانؒ: ولکن اذا جامع بهیمة ولم ینزل او میتة ولم ینزل لا فساد وان انزل فی هذه الوجوه کان علیه القضاء دون الکفارة۔ (فتاوی قاضی خان ج۱ ص۲۰۸ الفصل فیما یفسد الصوم)[2]

جماع کے بغیر انزال سے صرف قضاء واجب ہے

سوال: امرد یا بیوی کے علاوہ اگر کسی عورت سے

---

[1] قال فی الهندیة: ولو مکنت نفسها من صبی او مجنون فزنی بها فعلیها الکفارة بالاتفاق۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۵ کتاب الصوم النوع الثانی ما یوجب القضاء والکفارة)
ومثله فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۸ باب ما یفسد الصوم۔

[2] قال عالم بن العلاء رحمه الله: ولو جامع میتة او بهیمة فلا کفارة علیه انزل او لم ینزل۔ (فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۷۶ کتاب الصوم الفصل الرابع فیما یفسد)
ومثله فی الشامی ج۲ ص۳۹۹ کتاب الصوم مطلب فی حکم الاستمناء بالکف۔

انزال ہو جائے تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب:- کفارہ چونکہ ایک عظیم جرمانہ ہے اور جرم کی نوعیت کو دیکھ کر اس کا حکم لگایا جاتا ہے، اعضاء سبیلین کے علاوہ کسی اور طریقہ سے انزال میں چونکہ قضاء شہوت کامل طریقے سے نہیں پایا جاتا اس لیے اس میں صرف قضاء واجب ہے اور کفارہ کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ:- او جامع فیما دون الفرج ولم ینزل یعنی فی غیر السبیلین کسرۃ وفخذ وکذا الاستمناء بالکف او ادخل ذکرہ فی بھیمۃ او میتۃ من غیر انزال ... ومتی خرج بھیمۃ او تقبیلھا فانزل او اقطر فی احلیلہ۔

[1] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۹۸،۳۹۹ کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم)

غیر رمضان میں روزہ افطار کرنے سے صرف قضاء لازم ہے

سوال:- اگر کوئی شخص رمضان کے علاوہ روزہ (جان بوجھ کر) افطار کرے تو اس پر صرف قضاء لازم ہے یا کفارہ بھی لازم ہے؟

الجواب:- رمضان کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر روزہ توڑنے سے فقط قضاء واجب ہے خواہ روزہ فرض ہو یا نفل یا نذر ہو کفارہ واجب نہیں ہوتا یہ صرف رمضان کے ساتھ خاص ہے۔

وفی الهندیة:- ولا کفارة بافساد صوم غیر رمضان کذا فی الکنز۔

[2] (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۵ کتاب الصوم۔ باب المتفرقات)

سفر میں روزہ نہ رکھنے پر صرف قضاء واجب ہے

سوال:- اگر ایک شخص سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھے تو ایسے شخص کے لیے

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ:- ولو جامع بهیمة فانزل فسد صومه وعلیه القضاء ولا کفارة علیه لانه وان وجد الجماع صورة ومعنی وهو قضاء الشهوة لکن علی سبیل القصور لعدم المحل ولو جامعها ولم ینزل لا یفسد. اھ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹۳ کتاب الصوم۔ فصل فی ارکانه)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده۔

[2] قال العلامة برهان الدینؒ:- ان الکفارة تعلقت بجنایة الافطار فی رمضان علی وجه الکمال۔ (الهدایة ج ۱ ص ۲۱۹ باب ما یفسد الصوم) اھ

ومثله فی فتاوی قاضیخان ج ۱ ص ۱۰۳ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم۔

تو ایسے مقیم کا کیا حکم ہے ؟

الجواب: مسافر کے لیے حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنا مرخص ہے لہٰذا اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھے تو اس پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں ۔

قال قاضی خان رحمہ اللہ: ولو اصبح المقیم صائماً ثم سافر فافطر بعد ذلک لا کفارة علیہ ۔ (فتاوی قاضی خان ج۱ ص۲۰۱ الفصل فیما یوجب الکفارة ومالا یوجب) لہ

استمناء بالید سے انزال میں قضاء واجب ہے

سوال: روزے کی حالت میں اگر کوئی شخص استمناء بالید یا ہاتھ سے انزال کرے تو کیا اس شخص پر کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء کافی ہے ؟

الجواب: استمناء بالید میں چونکہ قضاء شہوت کامل نہیں ہوتی اس لیے اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، البتہ قضاء لازمی ہے اور اگر انزال نہ ہو تو پھر قضاء بھی واجب نہیں ۔

قال العلامة الحصکفی: وکذا الاستمناء بالکف (قال ابن عابدین) ای فی کونہ لا یفسد لکن هذا اذا لم ینزل اما اذا انزل فعلیہ القضاء کما سیصرح بہ وهو المختار ۔

(شامی ج۲ ص۳۹۹ کتاب الصوم مطلب فی حکم الاستمناء بالکف) لہ

غلط فہمی سے کھانا پینا موجبِ کفارہ نہیں

سوال: اگر کسی نے بھول کر کھا پی لیا پھر بلا سبب انزال سے یہ گمان کیا کہ روزہ بھی نہیں رہا اس لیے میرے لیے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تو کیا ایسے شخص کے اس طرح قصداً کھانے پینے سے کفارہ واجب ہوگا یا قضاء ؟

لہ قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ: المسافر قدم مصرہ وهو صائم ثم نوی ان یصوم عنہ جزیہ فافطر بعد ذلک متعمداً لا کفارة علیہ ۔ (فتاوی تاتارخانیہ ج۲ ص۳۷۹ فصل فیما یوجب الکفارة)

ومثلہ فی الشامی ج۲ ص۴۲۰ کتاب الصوم مطلب فیما یکرہ للصائم ۔

لہ قال قاضی خان: وکذا اذا جامع بهیمة ولم ینزل او میتة ولم ینزل وکذا لو جامع فیما دون الفرج ولم ینزل وان انزل فی هذه الوجوہ کان علیہ القضاء دون الکفارة ۔

(فتاوی قاضی خان ج۱ ص۲۰۷ فصل فیما لا یفسد الصوم)

ومثلہ فی الهندیة ج۱ ص۲۰۵ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد ۔

الجواب:- اگر کسی نے بھول کر کھانا کھالیا یا بلا سبب کے انزال ہوگیا تو اس کا روزہ باقی ہے۔ البتہ اگر بعد میں غلط فہمی سے کھانا کھایا کہ میرا روزہ ختم ہوچکا ہے، تو محض کسی غلط فہمی کی وجہ سے کھالینا موجب کفارہ نہیں بلکہ صرف اسی دن کی قضا واجب ہوگی۔ کفارہ ایسی سزا ہے جو دیدہ دلیری سے کسی جرم کے ارتکاب پر دی جاتی ہے۔

قال طاهر بن احمدؒ:- ولو نظر الى محاسن المرأة فانزل فظن ان ذلك فطره فاكل بعد ذلك فهو كالاول وقد ذكرنا حكمه، وقال البعض ان كان عالماً عليه القضاء والكفارة عند الكل وان كان جاهلاً عليه القضاء دون الكفارة۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۹ كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد الخ) [1]

سگریٹ نوشی مفطر صوم ہے

سوال:- کیا سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، اگر ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

الجواب:- سگریٹ کا دھواں منہ کے ذریعے حلق کے اندر چلا جاتا ہے جو کہ فساد صوم کا سبب ہے لہٰذا سگریٹ نوشی مفطر صوم ہے، تاہم اس صورت میں قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

قال علاؤ الدينؒ:- ولو دخل غبار او دخان او رائحة في حلقه لم يفطر وان ادخل حلقه متعمداً، روي عن ابي يوسفؒ انه اذا تعمد عليه القضاء ولا كفارة عليه۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۹۰ كتاب الصوم، فصل اركانه) [2]

---

[1] قال قاضي خانؒ:- ولو نظر الى محاسن المرأة فانزل او تفكر فانزل فظن ان ذلك فطره فاكل متعمداً فهو بمنزلة الناسي۔ وقال بعضهم ان كان عالماً عليه القضاء والكفارة عند الكل وان كان جاهلاً عليه القضاء دون الكفارة۔

(فتاوى قاضي خان ج۱ ص۲۰۴ الفصل الرابع فيما يفسد الصوم ولا يفسد)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۰۵ كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد۔ الخ۔

[2] قال عبدالرحمن الجزيريؒ: شرب الدخان المعروف وتناول الافيون والحشيش ونحو ذلك فان الشهوة فيه ظاهرة۔ (الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۵۶۵ كتاب الصوم)

ومثله في رد المحتار ج۲ ص۳۹۵ كتاب الصوم، باب فيما يفسد الخ۔

بے خبری میں طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھانے کا حکم

سوال:- اگر کسی شخص نے ماہِ رمضان میں بے خبری میں فجر کے طلوع ہونے کے بعد کھانا کھایا جبکہ اس کا گمان یہ تھا کہ فجر ابھی تک طلوع نہیں ہوئی ہے، اس صورت میں ایسے شخص کے روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- روزہ رکھنے کی ابتداء طلوعِ فجر سے ہوتی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں موصوف نے غلط فہمی کی بناء پر طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھایا اس لیے اُس کا یہ روزہ ختم ہو چکا ہے اب اسکے ذمے اس دن کے روزہ کی قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

[1] قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: ومن تسحر وھو یظن ان الفجر لم یطلع فاذا ھو قد طلع ... علیہ القضاء ...... ولا کفارۃ علیہ لان الجنایۃ قاصرۃ لعدم القصد۔

(الہدایۃ ج ۱ ص۲۲۱ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)

فدیہ دینے سے عاجز شخص کو کیا کرنا چاہیئے

سوال:- اگر کوئی شخص فدیہ دینے سے عاجز ہو اور ڈاکٹر نے بھی اس کو روزہ رکھنے سے منع کر رکھا ہو تو یہ شخص کیا کرے؟

الجواب:- جب کوئی شخص اتنا بیمار ہو کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور مسلمان ڈاکٹر نے بھی اسے روزہ رکھنے سے منع کیا ہو تو اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے لیکن اگر کوئی فدیہ دینے کا بھی متحمل نہ ہو تو اس صورت میں استغفار کثرت سے پڑھا کرے۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوباً ... ولو موسراً والا یستغفر اللہ۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ والا یستغفر اللہ) ھذا ذکرہ فی الفتح والبحر عقیب مسئلۃ نذر الابد اذا اشتغل عن الصوم بالمعیشۃ فالظاھر انہ راجع الیھا دون ما قبلھا من مسئلۃ الشیخ الفانی لانہ لا تقصیر منہ بوجہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۲۷ فصل فی العوارض)

---

[1] ولو تسحر او جامع ظاناً الطلوع وھو طالع او افطر یظن الغروب والشمس حیۃ امسک یومہ وقضی ولم یکفر کأکلہ عمداً بعد اکلہ ناسیاً ونائمۃ ومجنونۃ وطئتا۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص۳۲۳ کتاب الصوم)

[2] قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: والشیخ الفانی وھو یفدی فقط لکل یوم نصف صاع ...... وان لم یقدر علی الفدیۃ لعسرتہ یستغفر اللہ تعالیٰ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۸۶ کتاب الصوم فصل فی العوارض)

مسافر یا مریض کو روزہ کی قضاء کا موقع نہ ملے تو کچھ مواخذہ نہیں

سوال:۔ اگر کسی مسافر کو سفر سے واپسی پر یا بیمار کو صحتیابی کے فوراً بعد ترکِ روزہ کی قضاء کا موقع نہیں ملا تو کیا اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے یا معافی ہے؟

الجواب:۔ مریض اور سفر میں روزہ افطار کرنا مرخص ہے جبکہ حالتِ صحت و اقامت میں قضاء واجب ہے اب اگر مریض و مسافر کو قضاء کرنے کا کسی وجہ سے قضاء کا موقع نہیں مل سکا اور وہ فوت ہوگیا تو اس شخص پر کچھ مواخذہ نہیں البتہ اگر موقع ملنے کے باوجود روزہ نہ رکھے تو بعد الموت فدیہ دینا لازم ہے۔

وفی الہندیۃ: وفوات صوم رمضان بعذر المرض والسفر واستدام المرض والسفر حتی مات لا قضاء علیه...... وان صح المریض وقدم المسافر وادرک من الوقت بقدر ما فاته یلزمه قضاء جمیع ما ادرک فان لم یصم حتی ادرکه الموت فعلیه ان یوصی بالفدیة۔
(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص[illegible] الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار) [1]

غیر رمضان کا روزہ قصداً توڑنے پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص قصداً و عمداً غیر رمضان کا روزہ توڑ دے تو کیا اس شخص پر کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ قصداً روزہ توڑنے سے کفارے کا وجوب صرف رمضان شریف کے روزے کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ جو بھی روزہ قصداً یا سہواً توڑ دیا جائے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں البتہ ان کی قضاء واجب ہے۔

قال العلامة ابن همامؒ: ولیس فی افساد صوم غیر رمضان کفارة لان الافطار فی رمضان ابلغ فی الجنایة فلا یلحق به غیره۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۶۵ باب ما یوجب القضاء والکفارة) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: فان ماتوا فیه ای فی ذلک العذر فلا تجب علیهم الوصیة بالفدیة لعدم ادراکهم عدة من ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیة بقدر ادراکهم عدة من ایام اخر۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۱۲۳ فصل فی العوارض)
ومثله فی الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۵ فصل فی الاسباب المبیحة للفطر

[2] قال العلامة عالم بن علاء الانصاریؒ: ولیس فی افساد الصوم فی غیر رمضان کفارة۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۳ الفصل الرابع فی وجوب الکفارة فی افساد الصوم)
ومثله فی الفتاوی الہندیة ج۱ ص۲۱۵ باب المتفرقات

سگریٹ یا حقہ پینے سے جب روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضا کرے یا کفارہ بھی؟

سوال: حقہ یا سگریٹ پینے سے روزہ کا ٹوٹ جانا تو معلوم ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو شخص بحالت روزہ حقہ یا سگریٹ پیتا ہے اس پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب: حقہ نوشی اور سگریٹ نوشی سے روزہ ختم ہو جاتا ہے جس سے قضاء بدون کفارہ کے لازم ہو جاتی ہے لیکن اگر حقہ نوشی بطور شہوت نفس یا کسی اور نفع کے لیے کی جائے تو اس صورت میں قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصكفي: انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ... ومنع من بيع الدخان وشاربه في الصوم لا شك يفطر ويلزمه التكفير لو ظنه نافعا كما اذا فعله لشهوات بطن فتنبه له. (رد المحتار ج۲ ص۳۹۵ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده) ۱؎

سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گھر واپس آکر روزہ افطار کرنے پر قضاء و کفارہ کا حکم

سوال: ایک شخص سفر کی نیت سے گھر سے نکلا مگر راستے میں کچھ ضروری کام یاد آنے کی وجہ سے تھوڑی دیر کے بعد گھر واپس آگیا اور روزہ افطار کر لیا تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حالت سفر میں اگرچہ روزہ افطار کرنا جائز ہے چاہے سفر تکلیف دہ ہو یا آرام دہ، لیکن صورت مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے گھر ہی کے اندر روزہ افطار کیا ہے جو کہ حالت اقامت ہے اس لیے اس پر قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين: اذا دخل مصره لشيء نسيه فافطر فانه يكفر لانه مقيم عند ذلك حيث رفض سفره بالعود. (رد المحتار ج۲ ص۱۲۲ فصل في العوارض) ۲؎

۱؎ وقال الشيخ المفتي عزيز الرحمن: الجواب: حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء لازم ہوتی ہے اور جیسا کہ مشہور ہے کفارہ بھی لازم ہے ... بعض کا یہ گمان ہے کہ اگر لذت اور نفع کی غرض سے پیا جاتا ہے تو کفارہ و قضاء دونوں لازم ہوں گے ورنہ صرف قضاء (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۴۱۴ مسائل متعلقہ صوم)

۲؎ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: ولو سافر في نهار رمضان ولم يفطر حتى تذكر شيئا في منزله فدخل فيه فخرج الى منزله واكل شيئا ثم خرج من منزله فعليه القضاء والكفارة كالمقيم اذا اكل ثم سافر. (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۳ الفصل الثالث فيما يفسد الصوم وما لا يفسد الخ)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۰۶ الباب الخامس في الاعذار التي تبيح الفطر.

کیا بیماری کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر کفارہ لازم ہے یا قضاء

سوال:۔ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اچانک شدید بیمار ہو جائے تو کیا اس کو روزہ افطار کر لینا چاہیئے یا نہیں؟ اور افطار کرنے کی صورت میں قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ شدتِ مرض میں جب نقصان کا خوف ہو تو اس صورت میں روزہ افطار کر لینا جائز ہے اور اس روزہ کی صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وفي الاكراه وخوف هلاك او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شديد بل الفطر يوم العذر ـــ وقضوا لزوما ما قدروا بلا فدية. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ فصل في العوارض المبيحة)[۱]

شدتِ پیاس سے روزہ توڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کبھی اتنی گرمی ہو جائے کہ پیاس کی وجہ سے لوگوں کی ہلاکت یا کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو تو کیا اس صورت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھوک اور پیاس کی شدت میں جب کسی سخت نقصان کا خطرہ ہو تو اس صورت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے لیکن اس روزہ کی قضاء لازمی ہوگی اگرچہ کفارہ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وفي الاكراه وخوف هلاك او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شديد او لسعة حية ... الفطر وقضوا لزوما ما قدروا بلا فدية. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ فصل في العوارض المبيحة)[۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر میں افطار کیا تھا

سوال:۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی سفر میں روزہ افطار کیا تھا یا نہیں؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ معلم بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپ حالات اور تقاضے کے مطابق روزہ رکھتے بھی تھے اور افطار بھی کرتے تھے، بعض حالات میں آپ نے

---

[۱] وفي الهندية: المريض اذا خاف على نفسه التلف او ذهاب عضو يفطر بالاجماع وان خاف زيادة العلة وامتداده فكذلك عندنا وعليه القضاء اذا افطر كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۰۷ فصل في العوارض)
ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۳۸۳ فصل في الاسباب المبيحة للفطر.

[۲] وفي الهندية: اذا خيف منها الهلاك او نقصان العقل كالأمة اذا ضعفت عن العمل وخشيت الهلاك بالصوم وكذا الذي ذهب به ... (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۰۷ فصل في العوارض)
ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۳۸۳ فصل في الاسباب المبيحة للفطر.

افطار کرنے والوں پر نکیر بھی فرمائی۔

عن ابن عباسؓ سافر رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان حتى بلغ عسفان ثم دعا بإناء فيه شراب فشربه نهاراً ليراه الناس ثم أفطر حتى دخل مكة. قال ابن عباسؓ فصام رسول الله صلى الله عليه وسلم وأفطر فمن شاء صام ومن شاء أفطر۔

(صحیح مسلم ج۱ ص۳۵۶ باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر) لہ

کیا سفر میں روزہ افطار کرنا قصر نماز کی طرح لازم ہے؟

سوال:۔ حالت سفر میں تو نماز قصر کرکے پڑھنا واجب ہے، کیا روزے کا حکم بھی نماز کی طرح ہے کہ سفر میں لازماً افطار کیا جائے؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ نے حالت سفر میں نماز کو قصر کرکے پڑھنا ایک نعمت خداوندی قرار دے کر اس میں قصر کو واجب کیا ہے مگر روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار بندے کو دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بحالت عافیت روزہ رکھنے کو افضل قرار دیا ہے اس لیے سفر میں روزہ رکھنا افضل ومستحب ہے بخلاف نماز کے، تاہم اگر روزہ رکھنے سے تکلیف زیادہ ہوتی ہو تو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة ابن نجيمؒ: وإنما كان الصوم أفضل إن لم يضره لقوله تعالى: وأن تصوموا خير لكم، ولأن رمضان أفضل الوقتين فكان الأداء فيه أولى، ولا يرد علينا القصر في الصلوٰة فإنه واجب حتى يأثم بالإتمام لأن القصر هو العزيمة۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۸۳ فصل في العوارض) ۲ہ

لہ وعن جابر بن عبد اللهؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إلى مكة عام الفتح فصام حتى بلغ كراع الغميم وصام الناس معه فقيل له إن الناس قد شق عليهم الصيام وإن الناس ينظرون فيما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ينظرون إليه فأفطر بعضهم وصام بعضهم۔ (ترمذی ج۱ ص۱۵۱ باب ما جاء في كراهية الصوم في السفر)

۲ہ وفي الهندية، ويندب للمسافر الصوم إذا لم يجهده ... فإن لم يكن كذلك فالصوم أفضل۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۰۶ الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره)

ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۳۸۳ فصل الأسباب المبيحة للفطر۔

شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم

سوال: جناب محترم مفتی صاحب! میرے والد صاحب شوگر کے مریض ہیں، ڈاکٹر نے انہیں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر انہوں نے روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی، جبکہ حقیقت بھی یہی ہے اس لیے کہ جب بھی انہوں نے روزہ رکھا تو تکلیف زیادہ ہوئی، اس صورت میں شرعاً ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ نہ رکھیں تو انہیں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: اسلام کسی کو بلاوجہ تکلیف میں نہیں ڈالتا۔ اگر آپ کے والد محترم کو واقعی شوگر کا شدید مرض لاحق ہے کہ ان میں روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں اور اگر رکھ لیں تو مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور ساتھ ہی مسلمان ڈاکٹر نے بھی تجربات کے بعد روزے نہ رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو شرعاً ان کو اجازت ہے کہ وہ روزے نہ رکھیں۔ اور اگر مرض دائمی ہو تو ہر روزے کا فدیہ دینا ہوگا جو ایک روزے کے بدلے میں صدقۂ فطر کی مقدار کے برابر ہے۔

قال العلامة الحصكفي: وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوباً. قال ابن عابدين: المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض. (رد المحتار ج۲ ص[illegible] كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم)

ظنِ غالب کی بنا پر مرض بڑھ جانے کے خوف سے روزہ نہ رکھنا

سوال: ایک شخص بیمار ہے اور اس نے ڈاکٹر سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں پوچھا نہیں، خود اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کی بیماری بڑھ جائے گی تو کیا یہ بیمار شرعاً درست کر رہا ہے؟ یا یہ کہ اس کو روزہ نہ رکھنے کے بارے ڈاکٹر سے لازمی پوچھنا پڑے گا؟

الجواب: شرعاً شدتِ مرض یا خوفِ مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرنا یا تو تجربہ پر یا کسی ماہر مسلمان طبیب نے کہا ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں مریض کا غالب گمان شدتِ مرض ہے اس لیے اس کو اپنے گمان کی بنا پر روزہ نہ رکھنا درست ہے، ڈاکٹر سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: أو مريض خاف زيادة مرضه ... وتعرف المرض ... المراد بالخوف غلبة الظن۔

(رد المحتار ج۲ ص[illegible] كتاب الصوم)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کے احکام و مسائل)

روزہ کے فاسد ہونے سے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ اگر معتکف سے غلطاً روزہ فاسد ہو جائے تو کیا اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اعتکاف مسنون اور واجب دونوں کے لیے روزہ رکھنا چونکہ شرط ہے اسلئے اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اعتکاف بھی باقی نہیں رہتا، البتہ اگر بلا صوم اعتکاف میں بیٹھا رہا تو نفل اعتکاف شمار ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: والصوم شرط لصحة الاول اتفاقاً على المذهب۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: قلت ومقتضی ذلک ان الصوم شرط ایضاً فی الاعتکاف المسنون لانه مقدر بالعشر الاخیر حتی لو اعتکفه بلا صوم لمرض او سفر ینبغی ان لا یصح عنه بل یکون نفلاً۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف) [1]

اعتکاف فاسد ہونے پر اس کی قضاء نہیں

سوال:۔ اگر کسی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو جائے تو کیا اس کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف (مسنون اور نفلی) ٹوٹ جانے سے اس کی قضاء واجب نہیں، تاہم اگر جس دن یا رات کو اعتکاف ٹوٹ جائے اور اسی دن رات کی قضاء کی جائے تو بعض کے قول پر بھی عمل ہو جائے گا جو کہ بہتر ہے مگر ضروری نہیں۔

قال العلامة عالم بن العلاءؒ: ولو شرع فیه ثم قطع لا یلزمه القضاء فی روایة الاصل

---

[1] لما قال برهان الدین المرغینانیؒ: قال الاعتکاف مستحب والصحیح انه سنة مؤکدة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظب علیه فی العشر الاواخر من رمضان والمواظبة دلیل السنة وهو اللبث فی المسجد مع الصوم ..... والصوم من شرطه ..... ثم الصوم شرط لصحة الواجب منه۔ (الهدایة ج۱ ص۲۱۱ باب الاعتکاف)

ومثله فی البنایة شرح الهدایة ج۳ ص۴۲۳، ۲۹۴ باب الاعتکاف۔

شخص پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔

وفی الہندیۃ: ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادۃ المریض وصلاۃ الجنازۃ وحضور مجلس العلم یجوز لہ ذلک۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۱۲ الباب السابع فی الاعتکاف)[1]

اعتکاف کے دوران بے فائدہ باتوں سے اجتناب کا حکم

سوال: کیا اعتکاف کے دوران فضول باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ بسا اوقات انسان غیر اختیاری طور پر ایسی باتیں کرجاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا؟

الجواب: اعتکاف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کثرت سے کی جائے لہٰذا دوران اعتکاف دنیاوی باتوں سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیے، تاہم دینی مسائل پر گفتگو کرنا اور ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، البتہ دنیاوی باتیں کرنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

قال العلامۃ عبد الرحمن الجزیری: وما آدابہ فمنہا ان لا یتکلم الا بخیر۔[2]
(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۵۸۹ باب الاعتکاف)

معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم

سوال: اگر معتکف دوران اعتکاف انتقال کرجائے تو کیا کسی اور کا اس کی جگہ اعتکاف بیٹھنا ضروری ہے یا نہیں تاکہ اعتکاف مکمل ہوجائے؟

الجواب: رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کا اعتکاف کرنا سنت ہے، چند ایام اعتکاف کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی، موت واقع ہونے کی صورت میں معتکف نے اعتکاف پورا نہیں کیا کیونکہ اس کا اعتکاف عشرہ تک نہ رہا۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور شخص اعتکاف پر

---

[1] قال عالم بن العلاء: ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادۃ المریض وصلاۃ الجنازۃ وحضور مجلس العلم یجوز لہ ذلک۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)
ومثلہ فی رد المحتار ج۲ ص۴۴۸ باب الاعتکاف۔

[2] قال عالم بن العلاء: ولا یتکلم بفضول کلام الدنیا...... ولا یتکلم بما فیہ اثم، فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتحدث مع الناس فی اعتکافہ۔
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۰۲ باب الاعتکاف۔

بیٹھا ہو تو پوری بستی پر ذمہ داری باقی رہے گی۔

قال العلامة ابن عابدین: (قوله ای سنة کفایة) نظیرها اقامة التراویح بالجماعة فاذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقین فلم یاثموا بالمواظبة علی الترک بلا عذر ولو کان سنة عین لاثموا بترک السنة المؤکدة اثما دون اثم ترک الواجب۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف)[1]

کیا معتکف کیلئے نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟

سوال: معتکف کے لیے شرعاً نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے اعتکاف پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: وجوبی اور مسنون اعتکاف میں بلا ضرورت نکلنا مفسد اعتکاف ہے، البتہ اگر ابتداء میں نماز جنازہ وغیرہ کے لیے نکلنے کی شرط رکھی جائے تو اس صورت میں نماز جنازہ کا پڑھنا پڑھانا مفسد اعتکاف نہیں لیکن بغیر شرط کے نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کے لیے نکلنا فساد اعتکاف کا ذریعہ ضرور ہے تاہم نفلی اعتکاف میں توسع کی بنا پر بغیر استثناء کے نکلنا مفسد اعتکاف نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء: ولا یخرج الا لطهور وغسل ولا لعیادة المریض ولا لصلوة الجنازة...... ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض وصلوة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذلک...... واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر او بغیر عذر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص۴۱۲، ۴۱۳ کتاب الصوم باب الاعتکاف)[2]

---

[1] قال العلامة محمد عبد الحی اللکنوی: هو سنة مؤکدة کفایة اذا قام بها البعض سقط عن الآخرین۔ (عمدة الرعایة عن حاشیة شرح الوقایة ج ۱ ص۲۵۲ باب الاعتکاف)

ومثله فی البحر الرائق ج [illegible] کتاب الطهارة۔

[2] قال العلامة السید محمد یوسف البنوری: لا یخرج المعتکف من معتکفه الا لحاجة شرعیة او طبیعیة...... واما اذا خرج من المسجد بغیر حاجة شرعیة او طبیعیة فیفسد الاعتکاف...... ولو شرط وقت نذره ان یخرج لعیادة مریض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلک...... وما روی عنه صلی الله علیه وسلم من الرخصة فی عیادة المریض وصلوة جنازة فقال ابو یوسف ذلک محمول علی اعتکاف التطوع۔ (معارف السنن ج [illegible] باب المعتکف یخرج لحاجته ام لا)

معتکف کا نماز باجماعت کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال: اگر کسی مسجد میں نماز باجماعت پابندی کے ساتھ نہ ہوتی ہو یا کسی سبب سے جماعت ہوتی نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا کیسا ہے؟

الجواب: چونکہ اعتکاف کے لیے جماعت والی مسجد ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت کی کوئی ممکن صورت نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جانا درست ہے، البتہ اگر رہ جائے تو اس کے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي: في مسجد جماعة هو ماله امام ومؤذن اديت فيه الخمس او لا وعن الامام اشتراط اداء الخمس فيه وصححه بعضهم وقال لا يصح في كل مسجد وصححه السروجي واما الجامع فيصح فيه مطلقاً اتفاقاً. قال ابن عابدين: وان لم يصلوا فيه الصلوات كلها ...

وأيضاً في الدر المختار: وحرم عليه الخروج الا لحاجة الانسان طبيعية كبول وغائط وغسل ... او شرعية كعيد واذان لمؤذن وباب المنارة خارج المسجد.

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۴۴ باب الاعتكاف) ؎

معتکف کا غسل جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال: دوران اعتکاف جمعہ کے دن غسل کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہائے کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کا جمعہ کے دن غسل کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے، بعض جزئیات میں سنت مؤکدہ اعتکاف کو نفلی اعتکاف میں شمار کیا گیا ہے، اسی طرح ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنے کی صورت میں اعتکاف فاسد نہیں ہوتا تاہم اجتناب اولیٰ ہے۔

قال العلامة الحصكفي: واما النفل فله الخروج لانه منتهٍ لا مبطل كما مر.

؎ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: ثم المسجد الجامع ويجوز الاعتكاف في الجامع وان لم يصلوا فيه الجماعة ... ولا يخرج المعتكف من المسجد الا لحاجة لازمة شرعية كالجمعة او طبيعية كالبول والغائط. (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۶۴ الفصل السادس في الاعتكاف)

ومثله في الكفاية في ذيل فتح القدير ج۲ ص[illegible] باب الاعتكاف.

قال ابن عابدینؒ: والاما لتعتبر الا الشامل لسنة المؤکدة۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۳ باب الاعتکاف)

معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دور تک جاسکتا ہے

سوال: اگر محلے کی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دور کی مسجد تک جاسکتا ہے؟

الجواب: معتکف کے لیے شرعاً جمعہ پڑھنے کے واسطے مصر (شہر) جانے کی اجازت ہے، اگر مصر دور ہو تو قبل از زوال اپنی مسجد سے جمعہ پڑھنے کے لیے روانہ ہوسکتا ہے، تاہم ایسے وقت پر روانہ ہونا چاہیے کہ وہاں پہنچ کر تسلی کے ساتھ سنتیں اور فرض پڑھ سکے، فرض پڑھنے کے فوراً بعد اپنی مسجد کو واپس آجائے لیکن بقیہ سنتیں پڑھنے کے لیے اگر وہیں ٹھہر جائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

قال في الهندية: ويخرج للجمعة حين تزول الشمس ان كان معتكفه قريبا من الجامع بحيث لو انتظر زوال الشمس لا تفوته الخطبة والجمعة واذا كان بحيث تفوته لم ينتظر زوال الشمس لكنه يخرج في وقت يمكنه ان يأتي الجامع فيصلي اربع ركعات قبل الاذان عند المنبر وبعد الجمعة يمكث بقدر ما يصلي اربع ركعات او ستا على حسب اختلافهم في سنة الجمعة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۲ باب السابع في الاعتكاف) ۲؎

اعتکاف کی حالت میں تعلیم کے لیے نکلنا

سوال: اگر اعتکاف کے دوران تعلیم کی ضرورت پڑے تو معتکف کے لیے مسجد سے نکلنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھنے سے قبل بعض امور کے لیے کرنے کی شرط لگا دے تو

۱؎ قال العلامة عالم بن العلاءؒ: واما في الاعتكاف النفل فلا بأس بان يخرج بعذر او بغير عذر۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثاني عشر في الاعتكاف)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۱۲ الباب السابع في الاعتكاف۔

۲؎ قال العلامة طاهر بن احمد بن عبد الرشيدؒ: وعن محمدؒ: اذا كان معتكف منزله بعيدا من الجامع يخرج حين ترى انه يبلغ الجامع عند الندا وان كان خروجه قبل الزوال هو الصحيح۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۶۷ الفصل السادس في الاعتكاف)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۳۰۱ باب الاعتكاف۔

ان دونوں کے لیے وہ عمل کرنا جائز ہوگا اور اس سے اس کا اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

قال العلامة عالم بن العلاء: ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلوة الجنازة وحضور العلم يجوز له ذلك۔

(الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثاني عشر في الاعتكاف) لے

بوقت ضرورت اعتکاف سے نکلنا

سوال: اہل وعیال کی بیماری یا کسی بہت بڑے حادثہ کی وجہ سے اعتکاف چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جان و مال یا اہل وعیال کے کسی شدید یقینی خطرہ کی وجہ سے اعتکاف کو چھوڑنا جائز ہے ایسی حالت میں ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اگر معتکف باہر چلا جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا لیکن گنہگار نہ ہوگا، تاہم اگر مسجد کے انہدام کی وجہ سے یا جبراً مسجد سے نکالے جانے کی صورت میں فوراً دوسری مسجد میں داخل ہو جائے تو اعتکاف برقرار رہے گا۔

لما قال العلامة فخر الدين الزيلعي: وكذا لو خرج لجنازة يفسد اعتكافه وكذا لصلوتها ولو تعينت عليه أو لإنجاء الغريق أو الحريق أو الجهاد إذا كان النفير عاماً أو لأداء الشهادة لتحمل ذلك مقصد بخلاف الخروج لحاجة الإنسان لأنها معلومة الوقوع فكانت مستثناة ولو انهدم المسجد الذي هو فيه فانتقل إلى مسجد آخر لم يفسد اعتكافه للضرورة لأنه لم يبق مسجداً بعد ذلك ففات شرطه وكذا لو تفرق أهله لعدم الصلوات الخمس فيه ولو أخرجه ظالم كرهاً أو خاف على نفسه أو ماله من المكابرين فخرج لا يفسد اعتكافه۔ (تبيين الحقائق ج۱ ص۳۵۱ باب الاعتكاف) ؎۲

لے قال العلامة الحصكفي: ولو شرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلوة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلك فليحفظ۔ (الدر المختار ج۲ ص۴۴۸ باب الاعتكاف)

(ومثله في حاشية الطحطاوي ج۱ ص۴۸۴)

؎۲ قال العلامة الحصكفي: وأما إذا خرج بعذر كانهدام مسجد فيسقط الإثم لا البطلان ولذا كان النسيان أولى بعدم الإفساد كما حققه الكمال خلافاً لما أطلقه الزيلعي وغيره۔ قال ابن عابدين تحت قوله خلافاً لما أطلقه الزيلعي حيث جعل الخروج لعيادة المريض والجنازة وصلوتها وإنجاء الغريق والحريق والجهاد إذا كان النفير عاماً وأداء الشهادة مفسداً بخلاف خروجه إلى مسجد آخر بانهدام المسجد أو تفرق أهله لعدم الصلوة الخمس فيه وإخراج ظالم كرهاً وخوفه على نفسه أو ماله من المكابرين۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۹ باب الاعتكاف)

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال: مسجد میں اعتکاف کے دوران اپنی بیوی سے بوس وکنار سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جماع مفسدِ اعتکاف ہے البتہ دواعیِ جماع (بوس وکنار) مفسدِ اعتکاف نہیں مگر اس کا ارتکاب حرام ضرور ہے، تاہم اس دواعی سے اگر انزال ہوجائے تو اس صورت میں اعتکاف ختم ہوجائے گا۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وبطل بوطء في فرج أنزل أم لا ولو كان وطؤه خارج المسجد ليلا أو نهارا عامدا أو ناسيا في الأصح لأن حالته مذكرة، وبطل بإنزال بقبلة أو لمس أو تفخيذ ولو لم ينزل لم يبطل وإن حرم الكل لعدم الحرج — قال ابن عابدينؒ تحت قوله (وإن حرم الكل) أي كل ما ذكر من دواعي الوطء إذ لا يلزم من عدم الإبطال بها حلها۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۴۴۵ باب الاعتكاف) [1]

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے باتیں کرنا

سوال: کیا اعتکاف کی حالت میں بیوی سے باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ معتکف مسجد میں ہو اور اس کی بیوی گھر میں ہو؟

الجواب: حالتِ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، خیر اور بھلائی کی باتیں کرنا ہر کسی سے جائز ہے چاہے انسان کی شریکِ حیات ہو یا کوئی اور، تاہم بیوی سے پیار محبت کی باتیں کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ويكره تحريما صمت إن اعتقده قربة وإلا لا، وتكلم إلا بخير وهو ما لا إثم فيه ومنه المباح عند الحاجة إليه لا عند عدمها (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۴۹ باب الاعتكاف)

---

[1] وفي الهندية: (ومنها الجماع ودواعيه) يحرم على المعتكف الجماع ودواعيه نحو المباشرة والتقبيل واللمس والمعانقة والجماع فيما دون الفرج والليل والنهار في ذلك سواء والجماع عامدا أو ناسيا ليلا أو نهارا يفسد الاعتكاف أنزل أو لم ينزل وما سواه يفسد إذا أنزل وإن لم ينزل لا يفسد۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع في الاعتكاف)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۱۱۶ كتاب الاعتكاف۔

عورتوں کے لیے اعتکاف کا حکم

سوال:- عورتوں کا اعتکاف کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ علماء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ ہمارے علاقے کے گھروں میں عورتوں کے لیے نماز پڑھنے کی کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہوتی اور وہ ہر پردہ کی جگہ میں نماز ادا کر لیتی ہیں، تو کیا وہ گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں اسی جگہ اعتکاف کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:- عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا احناف کے ہاں جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، عورتیں گھر کے کسی بھی کونے میں پردہ لگا کر اعتکاف کر سکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کا نماز کے لیے گھر کے اندر کوئی خاص جگہ مقرر کرنا ضروری نہیں جہاں کہیں ممکن ہو نماز بلا کراہت ادا کی جا سکتی ہے، تاہم جہاں تک ہو سکے پردہ میں نماز ادا کی جائے تو بہتر ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او لبثت امرأة فی مسجد بیتها. قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله فی مسجد بیتها وهو المعد لصلٰوتها الذی یندب لها وکل احد اتخاذه. (رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۳ باب الاعتکاف) لہ

حالتِ اعتکاف میں اخبار وغیرہ پڑھنے کا حکم

سوال:- معتکف آدمی اعتکاف کے دوران اخبار و رسائل پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح خبریں سننے کی غرض سے ریڈیو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اخبارات میں اکثر عریاں تصویریں ہوتی ہیں جبکہ ریڈیو میں صرف آواز سنائی دیتی ہے، تو کیا خبریں سننا زمرۂ عبادت میں شمار ہیں یا معاملات میں؟ ان افعال کے مرتکب شخص کو بار بار سمجھایا گیا کہ معتکف کے لیے یہ فعل غیر مناسب ہے، معتکف چونکہ ریٹائرڈ ہے اس لیے وہ اپنے اس فعل کو معیوب کی حیثیت سے چھوڑنے کے لیے قطعاً تیار نہیں، براہِ مہربانی تقدسِ مسجد اور آدابِ اعتکاف سے تفصیلاً آگاہ فرمائیں؟

لہ وفی الهندیة: المرأة تعتکف فی مسجد بیتها اذا اعتکفت فی مسجد بیتها فتلک البقعة فی حقها کمسجد الجماعة فی حق الرجل لا تخرج منه الا لحاجة الانسان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۱ الباب السابع فی الاعتکاف)

الجواب:۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی ہے۔ اس لیے اعتکاف کے دوران ان عبادات میں مشغول ہونا چاہیے جو رضائے الٰہی کا باعث بنتی ہوں۔ فقہائے کرام نے معتکف کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، احادیث مبارکہ اور دینی کتابوں کا مطالعہ اور نوافل کثرت سے پڑھنا تجویز کیا ہے۔ لہٰذا ایک معتکف کو ان امور میں مشغول رہنا چاہیے نہ کہ اخبار پڑھنے اور خبریں سننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے۔ اور ویسے بھی مسجد کے اندر ٹی وی اور دیگر آلات لہو و لعب لے جانا شرعاً جائز نہیں۔ اس لیے کسی معتکف کو ریڈیو سے خبریں سننا اور اخبار دیکھنا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وتكلم إلا بخير: وهو ما لا إثم فيه ومنه المباح عند الحاجة إليه لا عند عدمها ...... كقراءة قرآن وحديث وعلم وتدريس في سير الرسول عليه الصلوة والسلام وقصص الأنبياء عليهم السلام وحكايات الصالحين وكتابة أمور الدين.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۴۹ باب الاعتكاف)

بحالت اعتکاف جگہ تبدیل کرنا

سوال:۔ عمومی طور پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اعتکاف کے لیے ایک جگہ مخصوص کرتے ہیں، کیا جگہ مخصوص کرنے کے بعد بحالت اعتکاف اس جگہ کو تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا ضروری ہے۔ معتکف مسجد کے اندر جہاں چاہے رہ سکتا ہے۔ بحالت اعتکاف مسجد کے اندر جگہ تبدیل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمٰن: تمام مسجد میں جہاں چاہے معتکف بیٹھے، اس میں کچھ حرج نہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج [illegible] باب الاعتکاف)

وفي الهندية: ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم والأنبياء عليهم السلام وأخبار الصالحين وكتابة أمور الدين.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۲ الباب السابع في الاعتكاف)

معتکف دھوپ کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھ سکتا ہے

سوال:۔ کیا سردی کے زمانہ میں معتکف اپنی مخصوص جگہ سے نکل کر باہر صحن میں دھوپ میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر رہنا ضروری ہے اور تمام مسجد معتکف کے لیے معتکف ہے، لہٰذا معتکف آدمی مسجد کے اندر جہاں چاہے قیام کرے اگرچہ مخصوص جگہ کے علاوہ ہی ہو۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمٰنؒ: معتکف جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۰۳ باب الاعتکاف)[۱]

حالتِ اعتکاف میں کھانا لانے کیلئے گھر جانے اور وہاں منہیات کا ارتکاب کرنے والے کے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں کا ایک شخص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کیلئے محلے کی مسجد میں بیٹھ گیا، چونکہ اس کے لیے گھر سے سحری اور افطاری لانے کا کوئی انتظام نہ تھا اس لیے اسے خود ہی سحری اور افطاری لانے کے لیے گھر جانا پڑتا، ایک دن سحری لانے کیلئے جب وہ گھر گیا تو لاعلمی میں اس نے ضرورت سے زیادہ وقت گزارا اور اپنی بیوی کا بوسہ بھی لیا لیکن جماع نہیں کیا، اس پر مسجد کے امام نے اس سے کہا کہ آپ کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے اس لئے آپ اس کی قضاء کر لیں۔ آنجناب سے استفسار ہے کہ کیا یہ شخص تمام دنوں کے اعتکاف کی قضاء کرے گا یا صرف اسی دن کی؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا اعتکاف کی قضاء غیر رمضان میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو شخص رضاء الٰہی کے لیے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں معتکف ہو جائے تو وہ بلا ضرورتِ شرعی یا دنیاوی مسجد کی حدود سے باہر نہ نکلے، بہتر یہ ہے کہ گھر سے سحری یا افطاری لانے کے لیے کوئی دوسرا انتظام کیا جائے لیکن اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن نہ ہو تو پھر خود بھی جا سکتا ہے مگر بقدرِ ضرورت یعنی صرف سحری یا افطاری اٹھا کر مسجد میں لے آئے۔

---

[۱] قال العلامۃ الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: ہر وقت مسجد میں رہنا ضروری نہیں بلکہ عبادت، اذان و ذکر کے لیے اسی میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے آ سکتے ہیں۔

(امداد الاحکام ج ۲ ص ۱۴۳ باب الاعتکاف)

کما فی علامۃ المرغینانی: ولا یخرج من المسجد الا لحاجۃ الانسان والجمعۃ۔ (ھدایہ ج ۱ ص ۲۱۲ کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

ضرورت سے زیادہ تاخیر کرے۔ ورنہ ان امور کا ارتکاب کرے جو شرعاً اعتکاف کے دوران ممنوع ہیں مثلاً بیوی سے جماع کرنا یا دواعی جماع کرنا وغیرہ۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے حالت اعتکاف میں دو منہیات کا ارتکاب کیا ہے (۱) سحری لاتے وقت بلا ضرورت گھر میں ٹھہرا۔ (۲) بیوی منکوحہ کا بوسہ لیا۔ اس لیے اس کا اس دن کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے۔

لما فی علامۃ الحصکفی: ورخص للمعتکف باکل وشرب ونوم وعقد احتاج الیہ ... فلو خرج لاجلھا فسد لعدم الضرورۃ۔ (در مختار ج ۲ ص ۴۴۸ باب الاعتکاف)

اس لیے اس پر صرف اسی دن کے اعتکاف کی قضاء کر ہے۔

کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ای علی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ فیقضی الیوم الذی افسدہ لاستقلال کل یوم بنفسہ۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۴ کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

قضاء چاہے رمضان میں کرے یا غیر رمضان میں لیکن غیر رمضان میں اعتکاف کی قضاء کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس دن روزہ بھی رکھے۔

كتاب
الحج

ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا
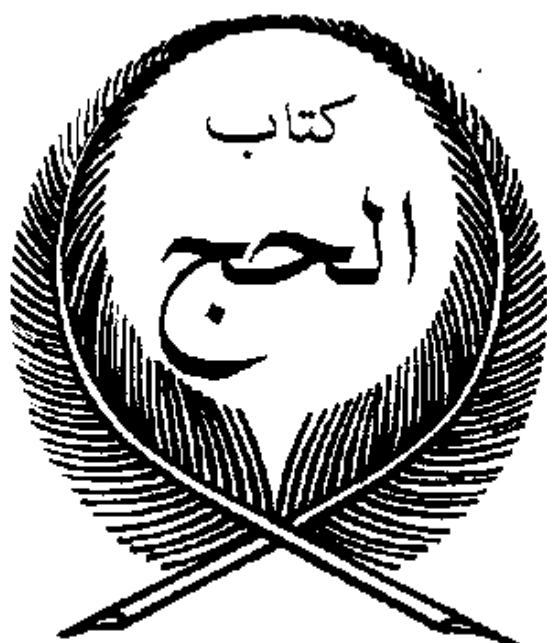
باب شرائط الحج وأركانه

(حج کے شرائط وارکان کے بارے میں)

حج کی فرضیت کا وقت

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو رمضان کے مہینہ میں اپنے دادا کی میراث سے کافی مقدار میں مال ملا اور محرم کے مہینہ تک مال موجود رہا بعد میں مال خرچ ہوگیا تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرضیتِ حج کے لیے اشہرِ حج میں مالِ کثیر کا مالک بننا ضروری ہے، چونکہ یہ آدمی اشہرِ حج میں مال کا مالک بنا تھا اس لیے اس پر حج فرض ہوگیا ہے، البتہ اگر یہ آدمی کسی ایسے بعید ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے اشہرِ حج سے قبل حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلہ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہوگا۔

قال الامام ابن همام:۔ والاولی ان یقال اذا کان قادراً وقت خروج اهل بلده ان کانوا یخرجون قبل اشهر الحج لبعد المسافة او قادراً فی اشهر الحج ان کانوا یخرجون فیها ولو یحج حتی افتقر تقرر دیناً۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۳۲ کتاب الحج) [۱]

ضرورت سے زائد زمین ہو تو حج فرض ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کی زمین اس کی ضروریات سے زائد ہے تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مصارفِ حج ادا کرنے کے بعد اتنی زمین باقی رہتی ہو کہ وہ اس کے اور اس کے اہل وعیال کی معاشی کے لیے کافی ہو تو اس پر حج فرض اور لازمی ہے۔

وفی الهندیة:۔ ان کان له من الضیاع نوباع مقدار ما یکفی لزاده والراحلة ذاهب

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله علی مسلم الاول شروط الوجوب والوقت ای القدرة فی اشهر الحج او فی وقت خروج اهل بلده علی ما یأتی۔

(ردالمحتار ج۲ ص۴۵۶ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال الحرام)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۱۹ کتاب المناسک، الباب الاول۔

ويباع ونفقة عياله واولاده ويبقى له من ضيعته قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج

والا فلا۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۸ الباب الاول في الحج) له

زمین کی آمدنی پر حج کی فرضیت

سوال: میری زمین ہے اس سے جو سالانہ آمدنی حاصل ہوتی ہے اس سے صرف میرا خرچہ پورا ہوتا ہے تاہم اگر زمین کی قیمت لگائی جائے تو وہ کافی مالیت کی بنتی ہے، کیا اس قیمت کی وجہ سے مجھ پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: حج کی فرضیت کے لیے مالی استطاعت کا ہونا ضروری ہے صرف زمین کی قیمت پر حج فرض نہیں ہوتا البتہ اگر زمین کی آمدنی اتنی مقدار میں ہو کہ جس سے اہل و عیال کا اور حج کے لیے آمد و رفت کا خرچہ پورا ہوتا ہو تو حج فرض ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: الحج واجب على الاحرار ... اذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلا عن المسكن وما لا بد منه وعن نفقة عياله الى حين عوده۔ (الهداية ج ۱ ص ۲۳۱ كتاب الحج) له

صرف تصرف کا اختیار حج کی فرضیت کے لیے کافی نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کی اولاد بالغ ہے اور ماں ان کے مال پر تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار رکھتی ہے تو کیا اس اختیار کی وجہ سے اس عورت پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس عورت کے پاس مال بطور ملک ہو اور اس میں شرائط حج بھی پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہے، صرف مال پر اختیار ہونے کی وجہ سے شرعاً حج فرض

له قال قاضي خان: وان كان صاحب ضيعة ان كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفي للزاد والراحلة ذاهبا وجائيا ونفقة عياله واولاده ويبقى له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج والا فلا۔ (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ۱ ص ۲۸۲ كتاب الحج)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۳ كتاب الحج۔

له قال العلامة التمرتاشي: وزاد وراحلة فضلا عما لا بد منه وفضلا عن نفقة عياله الى حين عوده۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۰ كتاب الحج)

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۰ كتاب الحج۔

نہیں ہوتا ۔

واما شرائط الوجوب منہا الاسلام ومنہا العقل ومنہا القدرۃ علی الزاد والراحلۃ بطریق الملک ۔ (فتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۱۷ کتاب الحج الباب الاول فی تفسیر الحج) لـه

مشترکہ مال سے حج کی فرضیت کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چار بھائی مشترکہ کاروبار کرتے ہیں کیا اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس سے ایک بھائی حج کر سکتا ہے؟ نیز مشترکہ نفع پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مشترکہ کاروبار کے اس منافع کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کے حصہ میں اتنی رقم آئے کہ اس سے حج کے جملہ اخراجات پورے ہوتے ہوں تو ہر حصہ دار پر حج فرض ہے، مال مشترکہ کے کل نفع پر مجموعی طور پر حج فرض نہیں ہوتا ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: علی مسلم ذی زاد وراحلۃ فضلا عما لا بد منہ و فضلاً عن نفقۃ عیالہ الی حین عودہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۵۸ کتاب الحج) لـه

حکومت کے خرچ پر حج کرنے سے حج کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی سرکاری ملازم ہے اور وہ کچھ حصہ رقم جمع کراتا ہے باقی رقم حکومت اپنی جانب سے ادا کرتی ہے لہٰذا اگر یہ شخص اس طرح حج کرے تو کیا یہ حج فرض حج شمار ہوگا یا نفل؟

الجواب:- اس سفر سے اس کا حج فرض ادا ہو کر اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا کیونکہ

لـه قال العلامۃ التمرتاشیؒ: علی مسلم ذی زاد وراحلۃ فضلاً عن نفقۃ عیالہ الی حین عودہ ۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۵۸ کتاب الحج)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج ۔

لـه قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: شرائط وجوب الحج العقل والبلوغ والحریۃ والاستطاعۃ وتکلموا فی تفسیر الاستطاعۃ قال ابو حنیفۃؒ فی ظاہر روایۃ تفسیرہا سلامۃ البدن وملک الزاد والراحلۃ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۲۷ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج ۔

حکومت نے جو رقم دی ہے وہ حج بدل کے لیے نہیں بلکہ بطور تعاون دی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بخلاف ما لو حج یحج عن نفسه وفقیر جاز عنه وصیله الی المیقات صار قادرا فالقدرة لنفسه وفیه یفترض لا فاقد اذا وصل الی المیقات فهو کالمکی۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۳ کتاب الحج) له

حرام مال سے حج کرنے کا حیلہ

سوال: ایک شخص کے مال میں حرام مال کا اختلاط ہے اب وہ حج کرتا ہے تو اس کے لیے کسی سے کچھ رقم قرض پر لیتا ہے لیکن جب قرض ادا کرتا ہے تو حرام مال سے ادا کرتا ہے، تو کیا اس شخص کا حج صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: وجوبِ حج کے لیے مالِ حلال یا مخلوط مال کا ہونا ضروری ہے چونکہ اس شخص نے قرض والا مال حلال ہے کر حج کیا تو اس کا حج صحیح ہے اگرچہ اس شخص نے قرض کو مالِ حرام سے واپس کیا ہو تاہم اس طرح کی حیلہ بازیوں سے اجتناب ضروری ہے۔

اذا اراد الرجل ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانه یستدین للحج ویقضی دینه من ماله کذا فی فتاوی قاضیخان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۲۰ الباب الاول فی الحج) ۲ـه

چوری کا مال مخلوط ہو جانے پر حج کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت کرے اور جب اسے غناء حاصل ہوا اور اس پر حج فرض ہو جائے تو کیا یہ شخص اس مال سے حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے سے کل مال اس کی ملک میں

ل قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واستقرض وحج من ماله ثم ایسر لا حج علیه۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۷۳ کتاب الحج۔ الفصل الاول فی شرائط الوجوب)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۱۷ کتاب المناسک الباب الاول۔

۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا اراد ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانه یستدین للحج ویقضی دینه من ماله۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج الفصل العشرون فی المتفرقات)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۳ کتاب الحج۔

داخل ہوگیا ہے تو وجوب کے شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر حج فرض ہے اسلئے حج سے بچنے کیلئے مال حرام کی موجودگی کا بہانہ نہ بنائے بلکہ حج ادا کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: کالحج بمال حرام (لیس الحرام بل الحرام هو الانفاق المال الحرام) ولا تلازم بینهما۔ (رد المحتار ج۲ ص[illegible] کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام)

حج فرض ہونے کے بعد تنگدستی سے حج ساقط نہیں ہوتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض تھا لیکن بعض عوارض کی وجہ سے وقت پر نہ کرسکی جبکہ اب وہ تنگدست ہوچکی ہے کیا اس تنگدستی کی وجہ سے اس سے حج ساقط ہوگیا یا نہیں؟ نیز اگر کوئی آدمی حج فرض ہونے کے باوجود صرف عمرہ کرے تو کیا اس سے حج ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی عورت کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ برداشت کرسکتی ہو تو اس پر حج فرض ہے، تنگدست ہوجانے سے یا عمرہ کرلینے سے حج ساقط نہ ہوگا زندگی میں حج کرنا ضروری ہے اور اگر حج نہ کرسکا تو پھر موت سے قبل حج کی وصیت کرے اور اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت او عجوزا اذا كانت بينها وبين مكة ثلاثة ايام، هكذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص[illegible] كتاب الحج)

وقال ايضاً: واما شرائط وجوبه منها الاسلام حتى لو ملك ما به الاستطاعة حال كفره ثم اسلم بعد ما افتقر لا يجب عليه شئ بتلك الاستطاعة بخلاف ما لو ملكه مسلما فلم يحج حتى افتقر حيث يتقرر الحج في ذمته دينا عليه۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص[illegible] كتاب المناسك، الباب الاول)

لـه وفي الهداية: ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع انه يسقط الفرض معها۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۲۰ الباب الاول في تفسير الحج)

ومثله في البحر الرائق ج۲ ص[illegible] كتاب الحج۔

ـه قال العلامة ابن همامؒ: بخلاف ما لو ملكه مسلما فلم يحج حتى افتقر حيث يتقرر الحج في ذمته دينا عليه۔ (فتح القدير ج۲ ص[illegible] كتاب الحج)

ومثله في رد المحتار ج۲ ص[illegible] كتاب الحج۔

مکانات حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو حج فرض ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس زمین کے علاوہ مکانات بھی ہیں جو حوائج اصلیہ سے زائد ہیں تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ شخص حج نہ کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: زرعی زمین، مکانات اور دیگر جائیداد وغیرہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو اس پر حج فرض ہے لہٰذا یہ شخص فریضہ حج ادا کرے گا تاہم اگر حج ادا نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: وراحلة فضلة عما لا بد منه وفضلاً عن نفقة عياله الى حين عوده۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الحج) [1]

بیٹی کی شادی کرنا مانع حج نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید پر حج فرض ہوچکا ہے لیکن اس کی ایک غیر شادی شدہ بالغ لڑکی ہے جس کا ابھی تک نکاح بھی نہیں ہوا ہے، تو کیا زید گھر میں غیر شادی شدہ بیٹی کی موجودگی میں حج کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر شادی شدہ اولاد کا ہونا والدین کی عدالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی اور اولاد کی شادی کے لیے تیار بالفرض کرنا ضروری ہے اور نہ یہ حج کے لیے موانع شرعیہ میں سے ہے، لہٰذا جب زید پر شرعاً حج فرض ہوچکا ہے تو اس کے لیے حج پر جانا ضروری ہے۔

قال فی الهندية: ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك والاجارة۔ الخ (فتاویٰ الهندية ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسير الحج) [2]

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: اذا قدر على الزاد والراحلة فاضلة عن المسكن وما لا بد منه وعن نفقة عياله الى حين عوده۔
(الهداية ج۱ ص۲۱۲ كتاب الحج)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۳ كتاب الحج۔

[2] قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله ثم تحت هذه العبارة) الاول شروط والوجوب اذا وجبت بتمامها وجب الحج والاخلاء۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۵۹ كتاب الحج)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۳ كتاب الحج۔

صاحبِ استطاعت کیلئے مکان کا نہ ہونا مانعِ حج نہیں

سوال: میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ جس سے میں فریضۂ حج ادا کر سکتا ہوں، اگر اس رقم سے مکان بناؤں تو حج کے لیے پیسے نہیں بچتے، کیا اس وقت مکان بنانا ضروری ہے یا حج کرنا؟

الجواب: مکان ایسی ضرورت نہیں جو شرعاً فریضۂ حج کے لیے مانع بنے، جب آپ کے پاس حج کی ادائیگی کے لیے مناسب رقم موجود ہے تو اس سے حج کرنا فرض ہے مکان بنانا ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: هو فرض بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد وراحلة فضلت عن مسكنه. وفي قوله: وما لا بد منه اشارة الى ان المسكن لا بد ان يكون محتاجا اليه للسكنى فلا تثبت الاستطاعة بدار يسكنها او عبد يستخدمه وثياب يلبسها ومتاع يحتاج اليه وتثبت الاستطاعة بدار لا يسكنها وعبد لا يستخدمه فعليه ان يحج.

(البحر الرائق ج۲ ص۳۱۳ كتاب الحج) لـه

اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا وجوبِ حج سے مانع نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اس سال حج بیت اللہ کا ارادہ کیا ہے لیکن اتفاق سے میرا ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ہے، کیا بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذرِ شرعی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذرِ شرعی نہیں جو وجوبِ حج سے مانع بنے، جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی شرعی مانع نہیں تو جتنا جلد ممکن ہو سکے آپ فریضۂ حج ادا کریں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وفي الاشباه ومعه الف وخاف العزوبة ان كان قبل خروج اهل بلده فله التزوج ولو وقته لزمه الحج.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ كتاب الحج) لـه

لـه قال العلامة ابن عابدينؒ: ومن لم يكن له مسكن ولا شيء من ذلك وعنده دراهم تبلغ به الحج وتبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وان جعلها في غيره أثم. (رد المحتار ج۲ ص۴۶۱ كتاب الحج مطلب في قولهم يقدم حق العبد)

ومثله في التاتارخانية ج۲ ص۴۳۲ كتاب الحج، الفصل الاول في شرائط الوجوب.

لـه وفي الهندية: وجد ما يحج به وقد قصد التزوج يحج به ولا يتزوج لان الحج فريضة اوجبها الله تعالى على عبده كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۹ كتاب المناسك الباب الاول في تفسير الحج)

ومثله في التاتارخانية ج۲ ص۴۳۳ كتاب الحج، الفصل الاول في شرائط الوجوب.

سعودی عرب میں رہ کر بھی حج نہیں کیا تو اب حج فرض ہے یا نہیں

سوال:۔ ایک شخص کاروبار کی غرض سے کچھ عرصہ سعودی عرب میں رہا اور چند عمرے بھی کر لیے لیکن کسی وجہ سے سعودی حکومت نے گرفتار کر کے وطن واپس بھیج دیا، کیا اس آدمی پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج کی فرضیت کے لیے استطاعتِ حج ہونا ضروری ہے صرف سعودی عرب جانے سے حج فرض نہیں ہوتا، چونکہ اس شخص نے نہ احرام باندھا ہے اور نہ ایامِ حج تک وہاں رہا ہے لہٰذا اس شخص پر حج فرض نہیں۔

کما ھو فی الھندیۃ: ثم ذکر من شرائط الوجوب الحج عن الزاد والراحلۃ وتعتبر ذلک بعض وجودھا وقت خروج اھل بلدہ فی مکۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج)[1]

عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں

سوال:۔ ایک عورت پر حج فرض تھا اس نے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے ہمراہ حج ادا کیا تو کیا اس عورت کا حج صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس عورت پر شرعاً حج فرض تھا تو اس کا بغیر اجازتِ شوہر کے بھائی کے ساتھ حج ادا کرنا صحیح ہے، لیکن اگر نفلی حج ہو تو خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرماً ولا یأذن لھا زوجھا ان تخرج فلھا ان تخرج بغیر اذنہ فی حجۃ الاسلام دون التطوع۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب)[2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وقت خروج اھل بلدھا وکذا سائر الشرائط۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: واشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انہ لیس لہ منعھا عن حجۃ الاسلام واذا وجدت محرماً لانہ حقہ لا یظہر فی الفرائض بخلاف التطوع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۹ کتاب الحج، الباب الاول فی تفسیر الحج۔

عورت کا کراچی سے جدہ تک بغیر محرم کے سفر کرنا اور حج محرم کے ساتھ ادا کرنے کا حکم

سوال: اگر ایک آدمی سعودی عرب سے اپنی والدہ کے لیے حج کا داخلہ کرے اور اس کی والدہ کراچی سے جدہ تک بلا محرم سفر کرے اور حج اپنے بیٹے کے ساتھ ادا کرے تو اس کا حج شرعاً ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ کے مطابق عورت کا فریضہ حج کراچی سے جدہ تک بلا محرم سفر کرنا ناجائز ہے تاہم اس کے باوجود حج ادا ہو جائے گا اگرچہ مکروہ ضرور ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ كتاب الحج) .له

عورت کے لیے اس کا بہنوئی محرم نہیں

سوال: میرا خاوند بیمار ہے کیا میں حج کے لیے اپنے بہنوئی کے ساتھ جا سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب: فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے عورت کے ساتھ اس کے محرم کا ہونا لازمی ہے بہنوئی چونکہ شرعاً محرم نہیں اس لیے بہنوئی کے ساتھ فریضہ حج کے لیے کسی بھی عورت کا جانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی عورت بغیر محرم کے حج کے لیے جائے تو ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة ثلاثة أيام هكذا في المحيط وإن كان أقل من ذلك حجت بغير محرم والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة كذا في الخلاصة.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۹ الباب الأول في تفسير الحج) .له

ے وفي الهندية: ووجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج أم لأدائه، بعضهم جعلوها شرط الوجوب وبعضهم شرط الأداء وهو الصحيح. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۹ باب الأول في تفسير الحج)
ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج.

له قال العلامة الحصكفي: ومع زوج أو محرم، وفي رد المحتار: والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۴ كتاب الحج مطلب في قولهم يقدم حق العبد)
ومثله في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۴ كتاب الحج.

عورت کا دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حالتِ سفر میں محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا ضروری ہے، دیور اور شوہر کا چچا محارم نہ ہونے کی وجہ سے عورت شرعاً ان کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی، اس لیے کسی بھی عورت کا اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ویؤیدہ حدیث الصحیحین لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیھا۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)[1]

مالِ ربٰو کے پیسوں سے حج کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی زمین رہن پر دے دی اس مرہونہ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ اس رقم سے حج کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ حج ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ رہن سے انتفاع لینا جائز نہیں البتہ حج نام ہے ارکانِ حج کی ادائیگی کا چاہے جس مال بھی ہو، اولیٰ یہی ہے کہ حلال مال سے ہو البتہ حرام مال سے حج کرنے سے بھی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اس لیے راہن کا رہن کے پیسوں سے حج کرنا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: ویجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لا یقبل الحج بالنفقۃ الحرام مع انہ یسقط الفرض معھا وان کانت مغصوبۃ۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۲۰ کتاب المناسک الباب الاول)[2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: (وتحت ھذہ العبارۃ) ومحرم او زوج لامرأۃ فی سفر ای ولیشترط محرم الیٰ آخرہ۔ کما فی الصحیحین لا تسافر امرأۃ الا ومعھا محرم وزاد مسلم فی روایۃ او زوج۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۰۳ کتاب الحج)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۸، ۲۱۹ الفصل الاول فی تفسیر الحج۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: ویجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لا یقبل بالنفقۃ الحرام کما ورد فی الحدیث مع انہ یسقط الفرض۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۰۹ کتاب الحج)

ومثلہٗ فی ردالمحتار ج۲ ص۴۵۶ کتاب الحج۔ مطلب فیمن حج بمال الحرام۔

صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہو جاتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند آدمیوں نے زید سے کہا کہ تم حج کی نیت کرو ہم تم کو حج کے لیے بھیج دیں گے۔ زید نے حج کی نیت کی مگر ان لوگوں نے زید کو حج کے لیے نہیں بھیجا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف نیت کر لینے سے حج فرض ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوتا جب تک تلبیہ نہ پڑھا ہو لہٰذا زید پر صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوا ہے۔

وفی الهندیة:۔ ولا یصیر شارعا بمجرد النیة ما لم یأت بالتلبیة او ما یقوم مقامها۔
(فتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۲۲ کتاب المناسک۔ الباب الاول فی تفسیر الحج) ۱

خاوند کی اجازت کے بغیر حج کرنا

سوال:۔ عورت پر حج فرض ہونے کے بعد اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج ایک عبادت ہے جو ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اس کی ادائیگی کیلئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی عورت پر حج فرض ہو جائے تو اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری نہیں اور وہ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی حج کر سکتی ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو۔

وفی الهندیة: وعند وجود المحرم کان علیها ان تحج حجة الاسلام وان لم یأذن زوجها۔ (فتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج) ۲

والدہ کی اجازت کے بغیر نفل حج کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نفلی حج کے لیے جانا چاہتا

---

۱ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولا یصیر داخلا فی الاحرام بمجرد النیة ما لم یضم الیه التلبیة او یسوق هدیا۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۲۹ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲۲ کتاب الحج۔ باب الاحرام۔

۲ قال ابن عابدینؒ: ولیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام ای اذا کان معها محرم والا فله منعها۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الحج مطلب فی قولهم یقدم حق العبد)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۱ کتاب الحج۔

نفلی حج افضل ہے یا صدقہ

سوال: فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کرنا افضل ہے یا اس رقم کو غرباء و محتاجوں پر خرچ کرنا افضل ہے؟

الجواب: فرض حج ادا کرنے کے بعد فقراء و مساکین پر مال کو خرچ کرنا نفلی حج سے افضل و بہتر ہے خصوصاً جہاں پر فقراء کو ضرورت زیادہ ہو۔

قال الشیخ ابن عابدینؒ: رجح فی البزازیۃ افضلیۃ الحج و حیث قال الصدقۃ افضل من الحج التطوع واذا کان الفقیر مضطرا۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۵۶ کتاب الحج مطلب فی تفضیل الحج علی الصدقۃ) ؎۱

حائضہ عورت طواف زیارت چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال: اگر کسی عورت نے بوجہ حیض طواف زیارت نہ کیا ہو تو کیا اس پر دم لازم ہے؟ کیا یہ عورت اب حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: طواف زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، اگر حائضہ عورت حالت حیض میں طواف زیارت کرے تو اس پر ایک بدنہ (اونٹ) بطور دم آتا ہے اور اگر طواف زیارت کے بغیر ہی وطن واپس آگئی ہے تو یہ عورت حلال نہ ہوگی بلکہ اسے دوبارہ مکہ مکرمہ جاکر طواف زیارت کرنا ہوگا۔

قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ: اذا ترکھا حیثما من ضعات بمکۃ فانہ یعید وان رجع الی اھلہ فھو محرم من النساء ابدا فیعود فی مکۃ بذلک الاحرام۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۸۹ الفصل الرابع فی الطواف والسعی) ؎۲

❖ ❖ ❖

؎۱ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فقد یقال ان صدقۃ التطوع فی زماننا افضل لما یلزم الحاج غالبا من ارتکاب المحظورات۔ (منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج۲ ص۳۱۲ کتاب الحج)

ومثلہ فی الفتاوی الخانیۃ ج۲ ص۵۸۹ کتاب الحج الفصل العشرون فی المتفرقات۔

؎۲ قال الشیخ ابن عابدینؒ: ویمتد الوقت الی آخر العمر فلو اخرہ عنھا ای ایام النحر ولیالیھا منھا کرہ تحریما ووجب الدم ولو لم یطف اصلا لا یحل لہ النساء وان طال ومضت سنون باجماع۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۱۸ مطلب فی طواف الزیارۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۴۵ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الرابع۔

وفی الهندیة: ویصلی رکعتی الطواف فی وقت مباح له اداء التطوع فیه کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج) [۲]

مکروہ اوقات میں احرام کی دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جن اوقات میں احناف کے نزدیک نفل پڑھنا جائز نہیں احرام کی نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: احناف کے ہاں جن اوقات میں مطلقاً نفل نماز پڑھنا جائز نہیں تو انہی اوقات میں نوافل ذوات الاسباب (مثلاً احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی پڑھنا ممنوع ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ثم صلی شفعا فی وقت مباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة: وفی اطلاقه نظر لما مر فی اوقات الصلوٰة من ان الواجب ولو لغیره کرکعتی الطواف والنذر لا تنعقد فی ثلاثة من الاوقات المنهیة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم) [۱]

احرام باندھنے سے قبل غسل کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے حج کے لیے روانگی کے وقت بخار کی وجہ سے احرام باندھنے سے قبل غسل نہیں کیا صرف وضو کر کے احرام باندھ لیا تو کیا اس سے زید کے حج میں کوئی نقص تو نہیں آیا؟ اور اگر نقص آیا ہو تو زید کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک مستحب عمل ہے اگر بغیر غسل کے صرف وضو پر اکتفاء کر کے احرام باندھا جائے تو حج میں کوئی نقص نہیں آتا۔

قال العلامة ابن اسعد الانصاریؒ: ویستحب عند ارادة الاحرام ان یقص شاربه واظفاره

---

[۱] قال الشیخ ابن عابدینؒ: ثم صلی شفعا فی وقت مباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة وفی اطلاقه نظر لما مر فی اوقات الصلوٰة من ان الواجب ولو لغیره کرکعتی الطواف والنذر لا تنعقد فی ثلاثة من الاوقات المنهیة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۲ کتاب الحج باب الاحرام۔

[۲] لما فی الهندیة: ویصلی رکعتی الطواف فی وقت مباح له اداء التطوع فیه کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۱ باب الاحرام۔

وقلم ابطيه ويحلق عانته ثم يغتسل او يتوضأ وهو اى الوضوء فيقوم الوضوء مقام الغسل كما فى العيدين والجمعة . والغسل افضل وهذا الاغتسال للنظافة وليس بواجب ۔

(الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۴۸۴ الفصل الثالث فى عمل الحج) [1]

احرام کی چادروں کے رنگ کا مسئلہ

سوال: کیا احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام سفید رنگ کا ہو۔

قال الحصكفیؒ: ولبس ازارا ورداء جديدين او غسيلين طاهرين. قال العلامة ابن عابدينؒ: ابيض ككفن الكفاية وهذا بيان السنة والا فستر العورة كاف ۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۸۱ كتاب الحج، فصل فى الاحرام) [2]

تبلیغ پر حج مقدم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر حج فرض ہے لیکن میرا ارادہ ایک سال کے لیے جماعت میں جانے کا ہے، کیا میں پہلے حج کروں یا تبلیغ میں ایک سال لگاؤں؟

الجواب: جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے تو آپ تمام چیزوں سے حج کو مقدم کریں، تبلیغ عذر شرعی نہیں، البتہ ایسا کیا جا سکتا ہے کہ کوشش کرکے آپ کسی ایسی جماعت میں تشکیل کرائیں جس میں حج ہو سکتا ہو تو اس طرح ایک ہی سفر میں آپ کے دونوں مقاصد پورے ہو جائیں گے ۔

خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ايها الناس قد فرض عليكم الحج فحجوا (مشكوٰة ج۱ ص۲۲۱ كتاب الحج) [3]

---

[1] قال المرغينانيؒ: واخرجه ايضا عن ابى هريرة رضى الله عنه قال من السنة ان يغتسل اذا اراد ان يحرم ۔ (فتح القدير ج۲ ص۳۲۹ باب الاحرام)

ومثله فى الهندية ج۱ ص۲۲۲ باب الثالث فى الاحرام ۔

[2] قال ابن نجيمؒ: وما فى الكتاب بيان السنة والا فساتر العورة كاف والجمع واشار بتقديم الجديد الى افضلية وكونه ابيض افضل ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۲۲ باب الاحرام)

ومثله فى الهندية ج۱ ص۲۲۲ الباب الثالث فى الاحرام ۔

[3] قال ابن نجيمؒ: الاول شرط الوجوب وهى التى اذا وجدت بتمامها وجب الحج والا فلا وهى سبعة الاسلام والعلم بالوجوب لمن فى دار الحرب والبلوغ والعقل والحرية ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۱۴ مطلب تجب بالاحرام)

ومثله فى الهندية ج۱ ص۲۱۶ كتاب المناسك الباب الاول فى تفسير الحج ۔

بلوغت کے بعد دوبارہ حج کی فرضیت

سوال: میں نے پانچ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا تھا، اب میں بالغ ہو کر صاحبِ استطاعت ہو گیا ہوں، کیا اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: بلوغت سے قبل جو حج کیا جاتا ہے اس سے حج فرض ادا نہیں ہوتا کیونکہ فرض حج کے لیے بالغ ہونا شرط ہے اس لیے سوال مذکور کے مطابق بلوغت کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔

عن ابی ظبیان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما صبی حج ثم بلغ الحنث فعلیہ ان یحج حجۃ اخری۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۲۵ کتاب الحج) [1]

فقر کی حالت میں حج کرنے کے بعد غنی ہونے کی صورت میں دوبارہ حج کرنا فرض نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حالت بلوغ اور فقر میں اپنے والد کے مال سے حج کیا ہے مگر اب زید خود غنی ہو چکا ہے کیا اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے یا پہلے حج سے فرضیت ساقط ہو گئی ہے؟

الجواب: فرض حج کی ادائیگی کے لیے غنا شرط نہیں، بلوغت کے بعد جب بھی کوئی حج ادا کرے تو فرضیت ساقط ہو جائے گی، لہٰذا زید نے جو حج حالت فقر میں اپنے والد کے مال سے کیا ہے اس سے حج فرض ادا ہو چکا ہے اب غنی ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا لازمی نہیں۔

قال ابن عابدین: (تحت قولہ للآفاقی لا للمکی) ان الفقیر الآفاقی اذا وصل الی المیقات فھو کالمکی فی انہ ان قدر علی المشی لزمہ الحج ولا ینوی النفل علی زعمہ انہ فقیر۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۱ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام) [2]

---

[1] لما فی الھندیۃ: ولو احج الصبی او احج قبل البلوغ فلا یکون ذلک حجۃ الاسلام ویکون تطوعاً۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج)

ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۲ الفصل الحادی عشر فی الاحصار۔

[2] وفی الھندیۃ: الفقیر اذا حج ماشیاً ثم ایسر لا حج علیہ کذا فی فتاوی قاضی خان۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج)

ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۴ الفصل الثانی فی بیان رکن الحج۔

حج میں تجارت کی وجہ سے ثواب کم نہیں ہوتا

سوال:۔ بعض آدمی حج کے لیے جاتے ہیں لیکن وہ کچھ سامان وغیرہ بھی تجارت کی نیت سے ساتھ لے جاتے ہیں، کیا ایسے آدمی کا حج صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج مخصوص ہیئت کے ساتھ خاص اوقات میں مخصوص ارکان کے ساتھ مخصوص مقامات کی زیارت کا نام ہے جو کہ اس شخص نے پورا کیا ہے لہذا اس کا حج صحیح ہے تاہم حج میں تجارت کی نیت نہیں کرنی چاہیئے۔

قال ابن نجیمؒ: وتجرید السفر عن التجارۃ احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابہ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳۰۹ کتاب الحج) [1]

۱۰ ذی الحجہ کے بعد آنے والی رات کا حکم

سوال:۔ ۱۰ ذوالحجہ کو قربانی سے فارغ ہوتے ہوتے منیٰ میں ہی شام ہو جاتی ہے، اب اگر عشاء کے بعد آدمی طواف زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو واپس ہوتے ہوتے ظاہر ہے منیٰ اور رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر گذرے گا، تو کیا دسویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کرنے کے بعد یا دسویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کرکے رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر مکہ میں گذارے، اگر ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہائے کرام نے ذی الحجہ کے دسویں دن کے بعد آنے والی رات کو بھی دسویں کے حکم میں قرار دیا ہے۔ البتہ عام فقہاء کرام کی تعبیر بھی یہی ہے کہ طواف زیارت کے بعد منیٰ کو واپس چلا جائے تاہم یہ مشروط نہیں ہے اور منیٰ کا رات طواف کے بعد ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قولہ ولیالیھا منھا) والمراد بلیلۃ کل یوم من ایام النحر اللیلۃ التی تعقب ذلک الیوم لانہا لیلۃ یوم عرفۃ اللیلۃ التی تعقب الیوم وقت وھذا علی اطلاقہ ظاھر فی حق الرمی فانہ اذا لم یرم نہارا رمی فی اللیلۃ التی تعقب فی ذلک۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۱۲ فصل فی الاحرام مطلب فی حوائج اللیادۃ) [2]

---

[1] لمافی الہندیۃ: وتجرید السفر عن التجارۃ احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابہ کذا فی البحر الرائق۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۲۲۳ کتاب المناسک، الباب الاول)

ومثلہ فی احکام القرآن ج۱ ص۳۰۹

[2] قال السید احمد الطحطاویؒ: (قولہ ولیالیھا منھا) ... والمراد بلیلۃ کل یوم من ایامہ اللیلۃ التی تعقبہ لا التی تقدمہ یوم فی الوجود ان لیلۃ یوم عرفۃ اللیلۃ التی تعقبہ فی الوجود اھ

(الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج۱ ص۵۱۵ کتاب الحج، فصل فی الاحرام)

حائضہ عورت کے لیے حج کرنے کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک عورت حج کے لیے جائے اور دورانِ حج اسے حیض آجائے تو اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ اور وہ ارکانِ حج کیسے ادا کرے گی؟

الجواب: حج کے دوران جب کسی عورت کو حیض شروع ہوجائے تو اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ طواف وسعی بین الصفا والمروہ کے علاوہ تمام ارکانِ حج ادا کرے گی، مثلاً وقوفِ عرفات ومزدلفہ، رمی جمار و ذبح وغیرہ، اور جب پاک ہوجائے تو پھر طوافِ زیارت وغیرہ کرے گی۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا حاضت المرأۃ عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت حتی تطہر لحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا۔
(الہدایۃ ج ۱ ص ۲۵۲ کتاب الحج) [1]

حائضہ عورت پر طوافِ صدر لازمی نہیں

سوال: زید کی زوجہ نے دورانِ حج حیض کی وجہ سے طوافِ صدر چھوڑ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایامِ حیض کے اندر عورت کے لیے طوافِ کعبہ شرعاً ممنوع ہے، اگر حائضہ طوافِ صدر ترک کردے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: فلا یجب علی المکی ولا علی المعتمر مطلقاً وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبی والحائض والنفساء کما فی اللباب وغیرہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۳ مطلب فی طواف الصدر) [2]

---

[1] قال ابن العلاء الانصاریؒ: والمرأۃ اذا حاضت فی الحج قبل ان تحرم وانتہت الی المیقات فانہا تغتسل وتحرم فاذا قدمت مکۃ وہی بعد حائض تصنع کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت ولا تسعیٰ بین الصفا والمروۃ وتقضی جمیع المناسک۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۴۳۱ کتاب الحج)
ومثلہ فی رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۵ قبیل باب القران۔

[2] قال ابن العلاء الانصاریؒ: ولکن ذلک لیس علی الحائض والنفساء طواف الصدر۔
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۴۹۲ الفصل السابع فی الطواف والسعی)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵۱ الباب الاحرام۔

حج میں گرمی کی وجہ سے صرف تہبند پر اکتفا کرنا

سوال:۔ اگر حج کے ایام میں سخت گرمی ہو اور کوئی حاجی گرمی کی شدت کی وجہ سے احرام کی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو کیا اس سے حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام میں ستر عورت کے لیے تہبند باندھنا فرض ہے لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے کوئی حاجی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو حج پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامة الحصكفیؒ: وكذا يستحب لمريد الاحرام ...... لبس ازار ورداء على ظهره ...... وهذا بيان السنة والا فستر العورة كاف. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص[illegible] باب فصل في الاحرام)[1]

عورت کی طرف سے مرد کا رمی جمار کرنا

سوال:۔ حج میں رمی جمار کے وقت بہت زیادہ رش ہوتا ہے جس میں عورتیں رمی جمار نہیں کر سکتیں تو اگر مرد ان کی طرف سے رمی جمار کریں تو کیا اس سے دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجبات حج میں داخل ہے، اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے واجب ترک کیا جائے تو ترک کرنے والے پر دم لازم نہیں ہوتا، اس لیے صورت مسئولہ میں عورت پر دم واجب نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: واما اذا ترك واجب لعذر فانه لا شئ عليه۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳۳ فصل في الجنايات)[2]

رمی جمرات کیلئے حاجی کنکریاں کہاں سے لے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں وہیں سے اٹھائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ رمی جمار یعنی شیاطین کو مارنے کے لیے کنکریاں مزدلفہ کے راستے

---

[1] قال العلامة المفتی عزیز الرحمنؒ: بوقت رمی [illegible] کی ضرورت نہیں ہے، پتھر وغیرہ کی مزدلفہ سے علیحدہ کی جا سکتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۵۲ نمبر باب الاحرام)

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: [illegible] لو ترك شيئا من الواجبات بعذر لا شئ عليه۔ (رد المحتار ج۲ ص[illegible] كتاب الحج، باب الجنايات)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۱۳۳ فصل في بيان واجبات الحج۔

ت اٹھا کر ساتھ لائے (یعنی جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں) سے نہ لے تاہم اگر وہیں سے اٹھا کر رمی جمار کرے تو ایسا عمل مکروہ تنزیہی ہے۔

وفی الہندیۃ: ویستحب ان یأخذ حصی الجمار من المزدلفۃ او من الطریق ولا یرمی بحصاۃ اخذھا من عند الجمرۃ فان رمی بھا جاز وقد اساء۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۳۱ کتاب الحج باب ...)

عرفات میں نمازِ مغرب پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص عرفات میں مغرب کی نماز پڑھ کر مزدلفہ چلا جائے اور عشاء کی نماز وہاں ادا کرے تو کیا اس شخص کی نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حج میں عرفات کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں ادا کرنا لازمی ہے، اگر کوئی شخص مغرب کی نماز عرفات کے میدان کے راستے میں ادا کرے تو نماز کا اعادہ لازمی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو صلی المغرب والعشاء فی الطریق او فی عرفات اعادہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۰۹ کتاب الحج، مطلب فی اجابۃ الدعاء)[۲]

عرفات میں جمعِ تاخیر کی صورت میں ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھنے کا حکم

سوال: اگر عرفات میں امامِ حج کی نماز پڑھ جانے کے بعد چند آدمی اکٹھے ہو کر جمع تقدیم یعنی ظہر اور عصر کی نماز باجماعت پڑھنا چاہیں تو کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: احناف کے ہاں عرفات کے میدان میں جمع تقدیم کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) احرام (۲) عرفات کا میدان (۳) عرفہ کا دن (۴) امامِ اعظم یا ان کا نائب۔ ان شرائط میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جمع کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر اپنے اپنے اوقات میں اکیلے پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وشرط لصحۃ ھذا الجمع الامام الاعظم

---

۱ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویستحب اخذ الجمار من المزدلفۃ او من الطریق ویکرہ من التی عند الجمرۃ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۴۰۱ فصل فی کیفیۃ افعال الحج)

۲ وفی الہندیۃ: ولو صلی المغرب بعد غروب الشمس قبل ان یأتی المزدلفۃ فعلیہ ان یعیدھا اذا اتی مزدلفۃ فی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۳۰ فصل فی کیفیۃ اداء الحج)

الجواب:۔ حج یا عمرہ کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد بلند آواز سے تلبیہ پڑھی جائے لیکن زیادہ چیخنے چلانے (جہر مفرط) کی بجائے اعتدال یعنی درمیانی آواز سے تلبیہ پڑھا جائے، البتہ عورت اس انداز سے تلبیہ پڑھے کہ خود سن سکے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ویرفع صوته بالتلبية لقوله علیه السلام افضل الحج العج والثج فالعج رفع الصوت بالتلبية - قال ابن همام: قوله ویرفع صوته بالتلبية وهو سنة فان ترکه کان مسیئاً ولا شئ علیه ولا یبالغ فیه فیجهد نفسه۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۴۵ باب الاحرام)[1]

احرام باندھنے سے قبل ناخن وغیرہ کاٹنا

سوال:۔ کیا احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹنا، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا کرنا لازمی تو نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹ لیے جائیں، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کرلینے چاہئیں اور اس کے بعد وضو یا غسل کرکے احرام باندھا جائے۔

قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلي رحمه الله: واذا اراد ان یحرم یستحب له ان یقلم اظفاره ویقص شاربه ویحلق عانته وهو المتوارث لانه تنظف للبدن فکان احسن ثم یتوضأ او یغتسل وهو افضل۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۴۲ کتاب الحج)[2]

---

[1] قال العلامة عثمان الزيلعي رحمه الله: قال النخعي کان السلف یستحبون التلبية في هذه الاحوال ولان التلبية في الحج بمنزلة التکبير في الصلوٰة اولها شرط وباقیها سنة فیأتی بها عند الانتقال من حال الی حال ویرفع بها صوته. اھ (تبیین الحقائق ج۲ ص۱۲ باب الاحرام)

[2] قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله: (و) ندب (لمريد الاحرام) ازالة ظفره وشاربه وعانته وحلق رأسه ان اعتاده والا فیسرحه. اھ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۸۱ کتاب الحج)

قصر کی مقدار کا مسئلہ

سوال: حج کے دوران سر کے بال کٹوانے کی مقدار کتنی ہے؟

الجواب: حج اور عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لیے حلق و قصر دونوں جائز ہیں البتہ حلق افضل ہے اور عورت کے لیے حلق نہیں بلکہ مرد و عورت کے لیے ایک چند انگشت کی مقدار تمام سر سے بال کٹوانا ضروری ہے اور اسی طریقہ کو قصر کہتے ہیں۔

قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ: واما المرأة فلا تحلق ولكنها تقصر باخذ شيء من اطراف الشعر مقدار الانملة والافضل ان تقصر من كل شعرة مقدار الانملة وان قصرت بعض رأسها وتركت بعض اجزائها. كانت ما قصرت مقدار ربع رأسها فصاعدا وان كان اقل من ذلك لا يجزيها اعتبارا للتقصير في حقها بالحلق في حق الرجال۔

(الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۴۳۳ الفصل الرابع عشر في الحلق والتقصير)

حج اور نکاح کی تقدیم و تاخیر کا مسئلہ

سوال: ایک آدمی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج کے لیے جا سکتا ہے مگر وہ شادی کا بھی خواہشمند ہے تو کیا یہ شخص پہلے شادی کرے یا حج کے لیے جائے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر موصوف اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے حج کی ادائیگی شادی پر مقدم ہے، اور اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف قوی ہو تو پھر اس کیلئے شادی کرنا حج پر مقدم ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله في الاشباه) المسئلة منقولة عن ابي حنيفةؒ في تقديم الحج على التزوج ...... ولذا اعترضه ابن الكمال في شرحه الهداية بانه حال التوقان مقدم على الحج اتفاقا لان في تركه امرين ترك الفرض والوقوع في الزنا وجواب ابي حنيفةؒ في غير حال التوقان۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۹۵ کتاب الحج)

لـه قال صاحب البحرؒ: والمراد بالتقصير ان يأخذ الرجل او المرأة من رؤوس شعر ربع الرأس مقدار الانملة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۴۶ باب الاحرام)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۳۱ باب الثالث في الاحرام۔

استفتاء

حج کے متعلق چند سوالات

اور

اُن کے جوابات

ہم چند خادمانِ حرم شریف کو چند مسائل کے بارے میں کافی تشویش ہے! امید ہے کہ آنجناب ان سوالات کے جوابات تفصیل سے ارسال فرمائیں گے۔

(۱) تقریباً سات سو افراد نے (جو کہ سعودی عرب جا رہے تھے) اسلام آباد سے احرام نہیں باندھا کیونکہ کمپنی والوں نے احرام باندھنے کی اجازت نہیں دی۔ کمپنی والوں نے تیسرے دن ہمیں عمرہ کی اجازت دے دی۔ چونکہ اس میں ہمارا اپنا اختیار نہیں تھا تو کیا ہم پر دم واجب ہو گیا ہے؟

(۲) کمپنی والے ہمیں مدینہ منورہ زیارت کے لیے لے گئے واپسی پر ہم نے احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا۔ یہ حج افراد ہے یا تمتع؟ عمرہ شوال میں ادا کیا۔

(۳) بعض افراد نے احرام نہیں باندھا اور مدینہ منورہ سے شوال میں واپسی عمرہ نہیں کیا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم نے احرام باندھ لیا تو ہم پر قربانی واجب ہوگی۔ تو کیا ان افراد پر دم واجب ہو گیا ہے یا نہیں؟

(۴) جن لوگوں نے مدینہ منورہ سے واپسی پر عمرہ کیا تو ان کا کون سا حج ہوگا اور جن لوگوں نے احرام باندھا ہی نہیں تو ان پر کون سا حج واجب ہوگا؟

(۵) کیا ہم خادمانِ حرم شریف پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم یہاں صرف چار ماہ کے لیے آئے ہیں۔

(۶) اگر کسی پر دم واجب ہو گیا اور وہ غریب ہے تو وہ متبادل مسئلے کے مطابق کیا کرے گا؟

(۷) اے (A) شفٹ والے صبح چھ بجے سے لے کر ڈھائی بجے تک حرم شریف میں ڈیوٹی کرتے ہیں، وہ کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

(B) بی شفٹ ڈھائی بجے دن سے لے کر رات ساڑھے دس بجے تک ہوتی ہے، وہ کس

طریقہ سے حج کر سکتے ہیں؟

س (۲) شفٹ رات ساڑھے دس بجے سے لے کر صبح چھ بجے تک ہوتی ہے اس شفٹ والے کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

الجواب (۱) بغیر احرام کے دخول حرم سخت گناہ ہے اور ایسی صورت میں توبہ اور آفاقی کو کسی میقات پر واپس جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ہے اگر واپس نہ ہوا اور وہیں سے احرام باندھا تو گنہگار رہےگا اور دم واجب ہوگا۔ البتہ اگر اسی سال آفاقی کسی بھی میقات پر جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا یا حرم میں احرام باندھ لیا مگر طواف کا ایک شوط پورا کرنے سے قبل کسی میقات پر جاکر تلبیہ کہہ کر حج یا عمرہ کر لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ اس حج یا عمرہ میں بدون احرام تجاوز کی وجہ سے واجب کی ادائیگی کی نیت ضروری نہیں بلکہ حج یا عمرہ نفل یا نذر یا حج فرض جو نیت بھی کرے گا اس سے بدون احرام تجاوز کے واجب ادا ہو جائے گا اور اگر اس سال آفاقی کسی میقات سے حج یا عمرہ نہیں کیا بلکہ دوسرے سال کیا تو دم ساقط نہ ہوگا البتہ تجاوز کی وجہ سے جو نسک واجب ہوا تھا وہ ادا ہو جائے گا اگرچہ نفل یا نذر یا فرض کی نیت کی ہو۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے: ولو دخل آفاقي مكة بغير احرام ثم رجع الى الميقات في تلك السنة واحرم بحجة الاسلام سقط عنه ما كان واجبا بدخول مكة بغير احرام عندنا وان لم يخرج من مكة حتى مضت السنة ثم خرج الى الميقات في السنة الثانية واحرم بحجة الاسلام وحج يجزيه حجة الاسلام ولا يسقط عنه الذي كان واجبا عليه في العام الاول۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية ج۱ ص۲۸۳)

اور ہدایہ میں ہے: وذا الكوفي بستان بني عامر فاحرم بعمرة فان رجع الى ذات عرق ولبى بطل عنه دم الوقت۔ وفي حاشية قوله الى ذات عرق التخصيص به بالنظر الى حال الكوفي والا فالرجوع اليه والى غيره من مواقيت الآفاقيين سواء في سقوط الدم في ظاهر الرواية۔ (ج۱ ص۲۶۹ باب مجاوزة الوقت بغير احرام)

اور مواقیت الآفاق یہ ہیں: ذوالحلیفہ، ذات عرق، جحفہ، قرن، یلملم۔

یہ ہیں آفاقی کے مواقیت، اور میقاتی کا میقات وہ زمین حل ہے جو حرم اور میقات کے درمیان ہوا اور مکی کا میقات حج کے لیے حرم ہے اور عمرہ کے لیے زمین حل (فتاویٰ ہندیہ ج۱ ص۲۲۱)

اور عذر کی جہت الغاء سقوط دم نہیں ہے۔

اور مسائل حج از سیدی مولانا المفتی الاعظم مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ میں ہے کہ:

مسئلہ: اگر ایک محرم میقات سے احرام کی نیت نہ کرے اور اس سے آگے دوسرا میقات ہو تو دوسرے میقات سے احرام باندھے گا اور اگر دوسرا میقات نہ ہو اور احرام باندھ لیا تو طواف شروع کرنے سے پہلے ایک میقات کی طرف واپس لوٹے گا اگر واپس نہ ہوا تو دم واجب ہے۔ (شرح لباب وغیرہ بحوالہ مسائل حج پشتو ص ۹۳)

فائدہ: ایسا ڈرائیور یا ملازم جو خارج میقات سے حرم یا مکہ مکرمہ کو کثرت سے جایا کرتا ہے تو اس کے لیے ہر بار عمرہ کرنا ضروری ہے اور جتنی دفعہ بغیر احرام کے ارض حرم یا مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اتنی دفعہ عمرے اور دم اس پر واجب ہوں گے۔

اور صدر الشریعہ اور صاحب درر اور صاحب ایضاح فرماتے ہیں کہ جس آدمی کا حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو وہ زمین حرم اور مکہ معظمہ بغیر احرام کے آمد و رفت کر سکتا ہے لیکن محققین احناف نے ان کی تغلیط کی ہے۔ (شرح لباب وغیرہ)

(۲) ہندیہ میں ہے: ولو احرم بعمرة قبل اشهر الحج فقضاها وتحلل بمكة فاحرم بعمرة ثم حج من عامه ذلك لم يكن متمتعا فان رجع الى حين فرغ من الاولى خرج فجاوز الميقات قبل اشهر الحج فاهل منه بعمرة في اشهر الحج وحج من عامه فهو متمتع وان كان جاوز الميقات في اشهر الحج لم يكن متمتعا الا اذا خرج الى اهله ثم اعتمر ثم حج من عامه عند ابي حنيفة وعندهما هو متمتع جاوز الميقات قبل اشهر الحج او بعدها كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص [illegible] باب التمتع كتاب الحج)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ خدام کا مکہ مکرمہ میں قیام اور عمرہ کی ادائیگی کی صورت میں اگر مدینہ منورہ کو شوال سے پہلے چلے گئے ہوں اور شوال (یعنی اشہر حج) میں مدینہ منورہ سے عمرہ ادا کیا ہو اور پھر اسی سال آپ لوگ حج بھی ادا کریں تو پھر تمہارا یہ حج تمتع ہوگا اور اگر آپ لوگ شوال ہی میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چلے گئے ہوں اور مدینہ منورہ سے شوال میں عمرہ کر چکے ہوں اور پھر حج بھی کریں تو آپ لوگ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق متمتع نہ ہوں گے اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے مطابق متمتع ہوں گے۔

(۳) جن حضرات نے شوال میں مدینہ منورہ سے عمرہ کیا ہے وہ سوال ثانی کا جواب ملاحظہ کریں اور جنہوں نے مدینہ منورہ سے عمرہ نہیں کیا ہے اور بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آگئے ہیں وہ سوال اول کا جواب ملاحظہ کریں۔

(۴) جن لوگوں نے شوال سے پہلے مدینہ منورہ جاکر وہاں سے شوال یعنی اشہر حج میں عمرہ کیا ہے اور اسی سال حج بھی کرلیں تو ان کا حج بالاتفاق تمتع ہے اور شوال یعنی اشہر حج میں مدینہ طیبہ جاکر مدینہ طیبہ سے اشہر حج میں عمرہ کیا گیا ہو اور پھر حج کیا جائے تو یہ حج تمتع نہ ہوگا امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اور مذہب ہے اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ حج بھی حج تمتع ہے اور جو لوگ مدینہ منورہ سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آگئے ہیں ان کا حج بھی تمتع نہیں البتہ ان کے ذمہ سابقہ تفصیل کے مطابق میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کی وجہ سے دم لازم آئے گا اور اس صورت میں بھی اگر اشہر حج سے پہلے آفاقی کسی میقات سے تجاوز کیا جائے اور پھر اسی میقات سے اشہر حج میں عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ بھی بالاتفاق تمتع حج تمتع ہوگا اور اگر اشہر حج میں تجاوز کیا گیا ہو اور اسی میقات سے عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ حج امام صاحبؒ کے نزدیک تمتع نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک تمتع ہے ——
اب ملاحظہ ہو ہندیہ کی وہ عبارت جو جواب ثانی کی ابتداء میں درج کی گئی ہے اور تمتع کی تعریف بھی ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے۔ والتمتع من یاتی بافعال العمرۃ فی اشہر الحج او باکثر اطوافہا فی اشہر الحج و یحج من عامہ ذلک قبل ان یلم باھلہ بینھما الماما صحیحا سواء حل من احرامہ الاول اولا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۳۸) نیز غنیۃ الناسکؒ کی یہ عبارت ملاحظہ کرو التاسع ان لا یدخل علیہ اشہر الحج وھو حلال بمکۃ او ما حولھا او محرم بالعمرۃ ثم اکثرہ قبلھا حتی لو احرم بعمرۃ اخری و حج من عامہ لا یکون متمتعا الا ان یعود الی اھلہ فیحرم بھا فیکون متمتعا اتفاقا او الی خارج المیقات فیکون متمتعا عندھما۔ (غنیۃ الناسک ص ۱۱۳)

(۵) ہندیہ میں ہے: ولا یجب علی المسافر ولا علی الحاج اذا کان محرما وان کان من اھل مکۃ کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۲۹۳)
اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ حاجی جو حج کے احرام میں ہو اس پر قربانی واجب نہیں اگرچہ مکہ میں مقیم ہو اور دوسرا قول اس مسئلہ مذکورہ کی مخالفت میں یہ ہے کہ حاجی اور مکہ میں مقیم پر

قربانی واجب ہے اگرچہ وہ حج کے احرام میں ہو۔

فتاوی شامیہ میں ہے: (وتجب) ای التضحیۃ (علی حر مسلم مقیم) فلا تجب علی حاج مسافر فاما اهل مکۃ فتلزمهم وان حجوا وقیل لا تلزم المحرم۔ سراج وفی رد المحتار قوله وقیل لا تلزم المحرم وان کان من اهل مکۃ جوهرۃ عن الخجندی وعلله فی الشرنبلالیۃ بانه مسافر وفیه نظر ظاهر (فتاوی شامیہ ج ۵ ص ۲۲۳)

(۵) مگر میرے شیخ اور استاذ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم قول اول کو پسند فرمایا کرتے ہیں۔

(۶) رد المحتار میں ہے: تحت شرح قول صاحب الدر المختار والواجب دم علی محرم بالغ الخ (تنبیه) فی شرح النقایۃ للقاری ثم الکفارات کلها واجبۃ علی التراخی فیکون مؤدیا فی ای وقت وانما یتضیق علیه الوجوب فی آخر عمره فی وقت یغلب علی ظنه انه لو لم یؤده لفات فان لم یؤد فیه حتی مات اثم وعلیه الوصیۃ ولو لم یوص لم یجب علی الورثۃ ولو تبرعوا عنه جاز الا الصوم۔ وفیه ایضا (قوله ولو ناسیا) قال فی اللباب ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بینما اذا جنی عامدا او خاطئا مبتدئا او عائدا ذاکرا او ناسیا عالما او جاهلا طائعا او مکرها نائما او منتبها سکرانا او صاحیا مغمی علیه او مفیقا موسرا او معسرا بمباشرته او مباشرۃ غیره بامره الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۷ باب الجنایات کتاب الحج)

ان عبارات وروایات سے معلوم ہوا کہ غریب کے لیے بھی دم دینا ضروری ہے البتہ دم دینے میں اتنی سہولت ہے کہ علی الفور ضروری نہیں بلکہ اگر موت سے پہلے پہلے دے دیا تو بھی اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

(۷) یہ تو آپ اور کمپنی والوں پر منحصر ہے کہ کمپنی والے آپ لوگوں کی اتنی رعایت تو کریں کہ آپ لوگ کم از کم ضروریات حج تو ادا کر سکیں۔

(وهو الموفق)

٭٭

حج قران و تمتع کی تعریف

سوال:۔ زید نے اگر سفر حج میں عمر کی طرف سے عمرہ ادا کیا تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو کیا زید حج ادا کرنے تک احرام میں رہے گا یا اس سے پہلے بھی حلال ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ زید نے اگر عمرے کا ثواب عمر کو بخش دیا تو صحیح ہے اور اشہر حج میں عمرہ کر کے احرام سے نکلنے کے بعد حج کے لیے دوبارہ احرام باندھے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ شخص متمتع کہلاتا ہے اور اگر یہ دونوں ایک احرام سے کرے تو قران ہے اور اس پر دم شکر واجب ہوگا۔

کما فی الہندیۃ: هو ان یجمع بین احرامی الحج والعمرة من المیقات او قبله فی اشهر الحج او قبلها۔ هکذا فی معراج الدرایة والمتمتع من یاتی باعمال العمرة فی اشهر الحج او یطوف اکثر طوافها فی اشهر الحج ثم یحرم بالحج ویحج من عامه۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۲۳۶ الباب السابع فی القران والتمتع) [1]

متمتع کے لیے عمرہ کرنے کے بعد حج کا احرام باندھنے کی جگہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام کہاں سے باندھے گا؟

الجواب:۔ متمتع جب عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو جائے تو جب حج کے لیے احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو مکہ مکرمہ اور تمام زمین حرم سے احرام باندھ سکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: قال فی اللباب والافضل ان یحرم من المسجد ویجوز من جمیع الحرم ومن مکة افضل من خارجها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۶۳۷ باب التمتع) [2]

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: والقارن هو الجامع بین الحج والعمرة۔ وان احرم بهما معاً او الاحرام بحجة وان ضاف الیها العمرة وعلیه دم الشکر لما انعم الله علیه من التوفیق للجمع بین العبادتین فی سفر واحد۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج ۲ ص ۴۶۶ الفصل التاسع فی القران)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۴۵ باب القران۔

[2] قال الشیخ ابن الهمامؒ: اذا کان یوم الترویة احرم بالحج من المسجد۔ هدایة۔ وفی فتح القدیر: والمسجد لیس بلازم بل هو افضل ومکة افضل من غیرها من الحرم۔
(فتح القدیر ج ۲ ص ۴۴۳ باب التمتع)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۹۳ باب التمتع۔

حج تمتع کرنے والے کے لیے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان سے کچھ حجاج کرام حج تمتع کے ارادہ سے شعبان میں مکہ مکرمہ گئے اور عمرہ کرنے کے بعد حلال ہو گئے، رمضان کا مہینہ انہوں نے بیت اللہ ہی میں گزارا، شوال کے مہینے میں زیارت نبوی کے ارادے سے مدینہ منورہ چلے گئے، واپسی پر پھر عمرہ کا احرام باندھا، تو اب عمرہ کرنے کے بعد انہیں احرام کھولنے کی اجازت ہے یا نہیں یا حج تک وہ اسی احرام میں رہیں گے؟

الجواب: مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر کوئی شخص حج تمتع کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اطمینان سے احرام سے عمرہ کرنے کے بعد میں احرام کھول دے اور اس کے بعد حج کے لیے احرام باندھے جو کہ واجب ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وشرطه احرامها باشهر الحج لانه لیس بشرط لکن اداء اکثر طوافها فیها شرط فلو طاف الاقل فی رمضان مثلاً ثم طاف الباقی فی الشوال ثم حج من عامه کان متمتعا۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۲۶ کتاب الحج) [۱]

میقات میں رہنے والے کیلئے حج تمتع اور قران کا حکم

سوال: جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ حج تمتع اور قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قران اور تمتع صرف اس شخص کے لیے ہے جو میقات سے باہر رہتا ہو لہٰذا جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ تمتع اور قران نہیں کر سکتا وہ صرف حج یا صرف عمرہ کرے گا۔

قال العلامۃ التمرتاشیؒ: والمکی ومن فی حکمه ای من اهل داخل المواقیت یفرد فقط ولو قرن او تمتع جاز واساء وعلیه دم جبر۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ج۲ ص۵۳۹ باب التمتع) [۲]

۱؎ وفی الهندیة: ولیس من شرط التمتع وجود الاحرام بالعمرة فی اشهر الحج بل اداؤها فیها او اداء اکثر طوافها فیها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۹ الباب السابع فی القران والتمتع)
ومثله فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۳۱ الفصل العاشر فی التمتع۔

۲؎ وفی الهندیة: ولیس لاهل مکة تمتع ولا قران وانما لهم الافراد خاصة کذا فی الهدایة وکذلک اهل المواقیت۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۹ الباب السابع فی القران والتمتع)
ومثله فی الهدایة ج۱ ص۲۶۳ باب القران والتمتع۔

حج تمتع کی نیت کرنے کے بعد حج قران کی نیت کرنا

سوال: اگر کوئی شخص پاکستان سے حج تمتع کی نیت سے مکہ مکرمہ جائے اور وہاں پہنچ کر عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منورہ جا کر وہاں سے حج قران کی نیت کرے تو کیا یہ شخص حج قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صاحبینؒ کے نزدیک جب محرم حدودِ حرم سے نکل جائے تو اس کی حیثیت آفاقی کی ہوئی اب اگر وہ تمتع کی جگہ قران کی نیت کرے تو حج قران جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں حدودِ حرم سے نکل جانے سے نیتِ تمتع باطل ہو جاتی ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک خروج حرم سے نیتِ تمتع باطل نہیں ہوتی اس لئے صورتِ مسئولہ کے مطابق حج قران کی نیت کرنا جائز نہیں البتہ موجودہ حالات کے مدنظر صاحبینؒ کے قول کو ترجیح ہو سکتی ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانيؒ: وهو متمتع ان حج من عامه وكذا لو خرج الى الآفاق لحاجة فقرن لا يكون قارنا عند ابي حنيفة رحمه الله وعندهما يكون قارنا ولا يبطل تمتعه لان الاصل عنده ان خروجه في اشهر الحج الى غير اهله كالاقامة بمكة فكانه لم يخرج وعندهما انه بالرجوع الى غير اهله بطل تمتعه ثم اراد القران من الميقات كان قارنا۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۱۵۱ كتاب الحج)

حج تمتع افضل ہے یا قران؟

سوال: حج تمتع اور قران میں سے احناف کے ہاں کون سا حج افضل ہے؟

الجواب: حج کی تین قسمیں ہیں (۱) حج افراد (۲) حج تمتع (۳) حج قران۔ احناف کے ہاں ان تینوں میں سے حج قران افضل ہے اور قران کے بعد حج تمتع کا درجہ ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: باب القران وهو افضل لحديث اتاني آت من ربي وانا بالعقيق فقال يا آل محمد اهلوا بحجة وعمرة معا ...... ثم التمتع ثم الافراد۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۹ باب القران، كتاب الحج)

بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَیْرِ

(حج بدل کے مسائل واحکام)

نفلی حج میں حج بدل کی نیت کرنا ضروری نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب پر حج فرض نہیں تھا اور نہ انہوں نے وصیت کی تھی اب میں ان کے ایصال ثواب کیلئے نفلی حج میں حج بدل کی نیت کروں یا صرف نفل حج کی؟

الجواب:۔ جب کسی پر حج فرض ہی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل ہی نہیں ہوتا لہٰذا اس صورت میں آپ نفل حج ادا کریں اور اس کا ثواب اپنے والد کو بخش دیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (بعبادة ما) اي سواء كانت صلوٰة أو صوما او صدقة اوقراءة قرآن او ذكرا او طوافا او حجا او عمرة او غير ذلك۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ باب الحج عن الغير مطلب في اهداء ثواب الاعمال الخ).[1]

فوت شدہ آدمی کے لیے نفل حج کا ثواب

سوال:۔ اگر ایک آدمی اپنے فوت شدہ والد کے ایصال ثواب کے لیے نفلی حج کرے تو کیا اس کو نفلی حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر نفلی عبادت چاہے بدنی ہو یا مالی کرنے سے اس کا ثواب کسی فوت شدہ کو بخشنا صحیح اور ثابت ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے فوت شدہ والد کے لیے نفلی حج کرکے اس کا ثواب اسے بخش دے تو وہ ثواب اس کو پہنچے گا۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: فان من صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره

---

[1] لما قال ابن نجيم المصريؒ: فان من صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذا في البدائع۔

(البحر الرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغير)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير۔

من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذا في البدائع ۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۵۹ باب الحج عن الغير) ۱ھ

نفلی حج کے لیے والدہ سے اجازت لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی سعودی عرب میں مقیم ہے وہ اپنی بوڑھی والدہ کے لیے نفلی حج کرنا چاہتا ہے جو کہ پاکستان میں رہتی ہے، کیا اُسے اپنی والدہ سے اجازت لے کر پاکستان سے سفرِ حج اختیار کرنا ہوگا یا سعودی عرب سے ہی والدہ کی طرف سے حج ادا کرے؟

الجواب: حجِ بدل فرضی میں اُس مکان سے بہ نیتِ حج جانا ضروری ہے جہاں پر رہتا ہو، البتہ اگر کوئی کسی کی طرف سے نفلی حج کا ارادہ کرے تو اس میں اجازت لینا ضروری نہیں اور نہ ہی صورتِ مسئولہ کے مطابق پاکستان آنے کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ اپنی والدہ کی طرف سے بغیر اُن کی اجازت کے سعودی عرب سے ہی نفلی حج کر سکتے ہیں ۔

وفي الهندية: الآمر بالحج فلا يجوز حج الغير عنه بغير امره الا الوارث ۔ هندية في الحج النفل تجوز النيابة حالة القدرة لان باب النفل اوسع كما في سراج الوهاج ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الخامس عشر في الوصية بالحج) ۲ھ

نفلی حج کے لیے پاکستان آنا ضروری نہیں

سوال: اگر کوئی آدمی اپنے فوت شدہ والدین یا کسی رشتہ دار کے لیے نفلی حج کرتا ہے اور وہ ابوظہبی میں ملازم ہے تو کیا وہ ابوظہبی سے ہی نفلی حج کیلئے جا سکتا

۱ھ ان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة كان او صوماً او صدقة او غيرها كالحج الخ

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير)

ومثله في التاتارخانية ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير ۔

۲ھ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وانما شرط عجز المنوب للحج الفرض لا النفل لجواز الانابة مع القدرة في حج النفل لان المقصود منه الثواب ۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۶۲ باب الحج عن الغير)

ومثله في التاتارخانية ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير ۔

ہے یا اس کے لیے پاکستان آنا ضروری ہے؟

الجواب: کسی فوت شدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے نفل حج ممنوع نہیں اور نہ اس کے لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق ابوظہبی سے پاکستان آنا ضروری ہے بشرطیکہ فوت شدہ آدمی نے وصیت نہ کی ہو تو فوت شدہ کی طرف سے نفل حج کرنے والا جہاں بھی ہو وہیں سے مکہ مکرمہ جاکر حج کرے تو صحیح ہے کیونکہ نفل حج کی صورت میں توسیع ہے البتہ حج بدل وصیت کی صورت میں ہو تو پھر پاکستان آنا ضروری ہے۔

وفی الھندیۃ: ففی الحج النفل تجوز النیابۃ حالۃ القدرۃ لان بابہ اوسع کذا فی السراج الوھاج۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)[1]

غریب آدمی سے حج بدل کرانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص غریب و نادار ہے جسے ایک صاحب ثروت حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں، کیا کسی غریب و نادار کو جس نے خود حج نہیں کیا ہو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز ہے یا اس کیلئے کسی ایسے شخص کا انتخاب ضروری ہے جس نے خود حج کیا ہو؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے کسی ایسے آدمی کو بھیجا جائے جس نے خود فریضہ حج ادا کیا ہو لیکن باوجود اس کے اگر ایک غریب و نادار شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے تو اس سے بھی حج بدل ادا ہو جاتا ہے اور اس شخص پر حج فرض نہیں ہوتا۔

وفی الھندیۃ: والافضل للانسان اذا اراد ان یحج رجلا عن نفسہ ان یحج رجلا قد حج عن نفسہ ومع ھذا لو احج رجلا لم یحج عن نفسہ حجۃ الاسلام یجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر کذا فی المحیط۔ (الھندیۃ ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وما شرطناہ من العجز الدائم انما ھو للحج الفرض لجواز الانابۃ مع القدرۃ فی حج النفل لان المقصود منہ الثواب۔
(البحر الرائق ج۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر)
ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۸۹ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

[2] قال ابن عابدین: (ثم فرع علیہ) علی ان الشرط ھو الاھلیۃ دون اشتراط ان یکون المامور قد حج عن نفسہ۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۳ باب الحج عن الغیر قبیل مطلب فی حج الصرورۃ)
ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۹۱ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

ذیابیطس کے مریض کے لیے حج بدل کا حکم

سوال :- ایک آدمی ذیابیطس (شوگر) کے مرض میں مبتلا ہے، ڈاکٹر اور حکیم اسے سفر کی اجازت نہیں دیتے تو کیا ایسا شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- ذیابیطس کا مریض اگر کسی دوائی یا اور کسی واسطے سے اپنے مرض پر وقتی طور پر کنٹرول حاصل کر سکتا ہو یا اس کو امید ہو کہ عنقریب اس مرض سے صحتیاب ہو جاؤں گا تو یہ شخص کسی کو اپنی طرف سے حج بدل نہیں کرا سکتا اور اگر ایسا ہونا ممکن نہیں تو پھر حج بدل کرا سکتا ہے۔

وفی الہندیۃ: ومنہا ان یکون المحجوج عنہ عاجزًا عن الاداء۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۱]

حج بدل میں خرچہ محجوج عنہ کی طرف سے ہوگا

سوال :- کیا حج بدل محجوج عنہ کے مال سے کرنا ضروری ہے یا کوئی شخص اپنی جانب سے بھی کر سکتا ہے؟

الجواب :- حج بدل میں یہ شرط ہے کہ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو، پس اگر حج بدل کرنے والے نے اپنے مال سے حج کر لیا تو محجوج عنہ کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔

کما فی الہندیۃ: ومنہا ان یکون حج المامور بمال المحجوج عنہ فان تطوع الحاج عنہ بمال نفسہ لم یجز عنہ حتی یحج بمالہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۲]

میقات کی بجائے حرم سے حج بدل کا احرام باندھنا

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے حج بدل میں میقات سے حج کا احرام نہیں باندھا بلکہ عمرہ کا احرام باندھا ہے، تو کیا

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: لکن بشرط دوام العجز الی الموت وبنیۃ الحج عنہ ھٰذا اذا کان من عجز بنفسہ لہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۹ باب الحج عن الغیر)

ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۴۸۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وبقی من الشرائط النفقۃ من مال الآمر کلہا او اکثرھا۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۰ باب الحج عن الغیر)

ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۴۸۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

حرم شریف سے دوبارہ حج بدل کا احرام باندھنے سے حج بدل ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:- مامور کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے افعال حج ادا کرنے چاہئیں اس لیے اگر آمر نے مامور کو حج تمتع کی اجازت دی ہو تو بنا بر تحقیق آمر کا فرض فارغ ہوگا ورنہ نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ :- ان اذن له الآمر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفا۔ (الدر المختار ج۲ ص۶۰۳ باب الحج عن الغیر) [1]

حج بدل میں خرچہ آمر کی طرف سے ضروری ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض ہے اور اس عورت نے بنا بر ضعف اپنے بیٹے کو رقم دے کر حج بدل کے لیے روانہ کیا ہے کیا مامور بیٹے کو آمر کے مال سے ہی حج کرنا ضروری ہے یا اپنی طرف سے بھی کچھ خرچ کر سکتا ہے ؟

الجواب:- حج بدل میں ضروری ہے کہ خرچہ آمر کی طرف سے ہو صورت مسئولہ کے مطابق اس بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ اپنی والدہ کے لیے حج بدل کر رہا ہے تو خرچہ بھی والدہ کے مال سے کرے گا تاہم اگر یہ حج فرض نہ ہو تو نفلی حج میں توسع ہے۔

وفی الهندیة: ومنها ان یکون الحج بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم یجز عنه حتی یحج بماله۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [2]

حج بدل میں اپنے لیے حج کرنا اور کسی دوسرے کو حج بدل کیلئے مقرر کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمر کو اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل کے لیے کہا تو عمر نے

---

[1] قال العلامة الانصاریؒ: لو امرہ بالحج فاعتمر ثم حج من مکة فهو مخالف فی قولهم۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن عابدینؒ: (تطوع) ای اطلق الرجل المتطوع فشمل الوارث۔ وبه صرح قاضیخانؒ بقوله المیت اذا اوصی بان یحج عنه بماله فتبرع عنه الوارث او الاجنبی لا یجوز ~~یعنی~~ قلت لا یجوز عن فرض المیت ولا له ثواب ذلك الحج۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۶ باب الحج عن الغیر مطلب العمل علی القیاس دون الاستحسان هنا)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۱۲۲ باب الحج عن الغیر۔

نے کہا کہ آپ آمد و رفت کا خرچہ مجھے دے دیں میں مکہ مکرمہ میں کسی آدمی کو حج بدل کے لیے مقرر کردوں گا اور ان پیسوں سے میں اپنی جانب سے حج کر لوں گا۔ تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب: حج بدل میں آمر کے وطن سے جانا ضروری ہے اس لیے صورت مسئولہ میں طریقہ مذکورہ سے حج کرنا غیر مشروع ہے اور نہ ہی اس طریقہ سے حج بدل ادا ہوتا ہے اور زید کی والدہ کا ذمہ بھی فارغ نہ ہوا۔

قال العلامة محمد امين الشهير بابن عابدين رحمه الله: والحادي عشر ان يحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حيث يبلغ۔

(رد المحتار ج ۲ ص [illegible] باب الحج عن الغير مطلب شروط الحج عن الغير)[1]

سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل ادا کرنا صحیح نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن سفر کی تکالیف اور تھکاوٹ کی وجہ سے وہ حج بدل کرانا چاہتا ہے، کیا یہ حج بدل صحیح ہوگا۔

الجواب: اگر کسی پر حج فرض ہو جائے تو حج کی ادائیگی اسی شخص پر ضروری ہے محض تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل نہیں کرا سکتا کیونکہ حج بدل کے لیے فقہاء کرام نے جو شرائط ذکر کی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں: محجوج عنہ ادائے حج سے خود عاجز ہو، یہ عجز موت تک قائم ہو وغیرہ، چونکہ صورت مسئولہ میں یہ شرائط مفقود ہیں اس لیے حج بدل نہیں کرایا جا سکتا۔

قال العلامة الحصكفي: لكن بشرط دوام العجز الى الموت وينبغي الحج عنه هذا اذا كان المرض يرجى زواله. الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص [illegible] باب الحج عن الغير)[2]

---

[1] رجل اوصى ان يحج عنه فاحج عنه رجلا فلما بلغ الكوفة مات او سرقت نفقته وقد انفق النصف فانه يحج عن الميت من منزله بثلث ما بقي۔ (الجامع الصغير ص ۱۶۳ كتاب الحج)

ومثله في التاتارخانية ج ۲ ص ۵۵۵ الفصل الحادي عشر في الوصية بالحج۔

[2] وفي الهندية: ومنها ان يكون المحجوج عنه عاجزا عن الاداء، ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الى وقت الموت۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير)

ومثله في التاتارخانية ج ۲ ص ۴۴۵ الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير۔

حج بدل کی شرائط

سوال: ایک شخص حج بدل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے کیا کیا شرائط ہیں؟

الجواب: فقہاء اسلام نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے کتب فقہ میں مستقل باب "باب فی الحج عن الغیر" قائم کیا ہے جس میں حج بدل کی شرائط ذکر کی ہیں اور ان شرائط کے تحت حج بدل کیا جائے تو درست ہے ورنہ نہیں۔ وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ محجوج عنہ خود ادائے حج سے عاجز ہو اور وہ مال کا مالک ہو ۲۔ وہ حج کرنے سے عاجز ہو اور عجز موت تک دائمی ہو ۳۔ امر بالحج ہو ۴۔ احرام کے وقت نیت محجوج عنہ کی طرف سے ہو ۵۔ سفر کا خرچ محجوج عنہ کے مال سے ہو۔

لما فی الهندية: ومنها ان يكون المحجوج عنه عاجزا عن الاداء ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الى وقت الموت ومنها الامر بالحج ومنها نية المحجوج عنه عند الاحرام ومنها ان يكون الحج بماله. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير)[۱]

وصیت کے بغیر حج بدل کا حکم

سوال: ایک آدمی پر حج فرض تھا زندگی میں اس نے حج ادا نہ کیا اور نہ ہی مرتے وقت وصیت کی تو اس کے لیے حج بدل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص وفات پا گیا اور اس پر حج فرض ہو چکا تھا مگر اس نے حج ادا نہ کیا اور مرتے وقت وصیت بھی نہ کی تو اب اگر اس کے ورثاء اپنی خوشی سے میت کی طرف سے حج بدل کریں تو جائز ہے اور امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی طرف سے قبول فرمالیں گے مگر میت کی وصیت ضروری ہے۔

لما فی الهندية: ومن عليه الحج اذا مات قبل ادائه من غير وصية يأثم بلا خلاف وان احب الوارث ان يحج عنه حج وارجو ان يجزيه ذلك ان شاء الله تعالى كذا ذكر ابو حنيفة رحمه الله تعالى واذا مات عن وصية لا يسقط الحج عنه واذا حج عنه يجوز عنه باستجماع

---

[۱] لما فی الدر المختار: بشرط دوام العجز الى الموت ونية الحج عنه اي عن الآمر ... الخ (رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۵۹۹ باب الحج عن الغير)
ومثله فی التاتارخانية ج ۲ ص ۶۵۵ الفصل الخامس فی الرجل يحج عن الغير۔

ایک سال کے بعد حج بدل ادا کرنا

سوال:- گذشتہ سال رمضان میں زید نے عمر کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ میرے بھائی بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کریں میں آپ کو ماہ شوال میں پانچسو روپیہ ارسال کروں گا، عمر نے رقم کا انتظار کیا لیکن زید نے شوال میں رقم ارسال نہیں کی، جب دس روز حج کو رہ گئے تو عمر نے اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل ادا کیا، پھر تین ماہ بعد زید نے عمر کو پانچسو روپے ارسال کئے اور عمر ایک سال تک مصر میں رہا اور ۱۳۹۲ھ میں بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کیا، تو کیا حج بدل ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب:- اگر بکر مرحوم کے لیے حج نفل برائے ایصال ثواب ہو تو ہر کسی کو ہر جگہ سے ہر وقت درست ہے اور اگر فرض حج بدل ہو تو میت کے ثلث کا یا وصی کی وصیت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر ثلث میت کے وطن سے حج بدل کے لیے کافی ہو تو میت کے وطن سے ورنہ حج فرض نہیں ہے اور اگر کافی نہ ہو تو جہاں سے ممکن ہو سکے ادا کرلیا جائے۔

قال الحصکفیؒ: الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما جعل ثوابها لغیرہ وان نواها عند الفعل لنفسه

قال ابن عابدینؒ: بعبادۃ ما ای سواء کانت صلوٰۃ او صوما... (رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ باب الحج عن الغیر)

قال ابن عابدینؒ: والحاصل ان الشرط ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حیث یبلغ کما سیأتی بیانه۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۳ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر)[1]

صاحب عذر کا عذر ختم ہو جانے کے بعد حج بدل کا حکم

سوال:- اگر ایک معذور آدمی جس پر حج فرض تھا، حج بدل کرائے،

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا اوصی بان یحج عنه وهو فی منزله ان بیّن مکاناً یحج عنه من ذلک المکان بالاجماع، فان لم یبین مکاناً یحج عنه من وطنه عند علمائنا وهذا اذا کان ثلث ماله یکفی للحج من وطنه فاما اذا کان لا یکفی لذلک فانه یحج عنه من حیث یمکن الاحجاج عنه بثلثه۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۵۲ الفصل الخامس عشر فی الوصیة بالحج)

وفی الهندیة: الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلوٰۃ کان او صوماً او صدقة او غیرها کالحج وقراءۃ القرآن۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

اور حج بدل کے بعد اس کا عذر کسی بھی وقت ختم ہو جائے تو باقی ماندہ زندگی میں اُسے دوبارہ حج کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حج بدل کے لیے عجز (مرض) کا دائمی ہونا ضروری ہے اگر مرض دائمی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل ادا نہ ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا مرض تا موت دائمی نہ تھا بلکہ مرنے سے پہلے پہلے صحیح ہوگیا تو اس پر دوبارہ خود حج کرنا لازمی ہے حج بدل سے ذمہ فارغ نہ ہوگا۔

وفی الہندیۃ: ومنھا استدامۃ العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت هكذا فی البدائع حتی لو احج عن نفسه وهو مریض یکون مراعی فان مات اجزءه وان تعافی بطل۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)[۱]

حج بدل کے بعد منذورہ عمرہ ادا کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرہ کی نذر مانی ہے دریں اثنا زید کسی آدمی کے لیے حج بدل کرنے کے لیے گیا تو حج بدل ادا کرنے کے بعد زید نے اپنا منذورہ عمرہ ادا کیا، تو کیا زید کا یہ عمرہ صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: بظاہر اس نے ادا کا اہتمام کیا ہے، کیونکہ اس نے اولاً حج بدل ادا کیا ہے اور آمر کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کی اس لیے زید کا یہ عمرہ ادا کرنا صحیح ہے اور اس سے زید کا ذمہ فارغ ہوگیا۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم ابن سماعة عن محمدؒ: المأمور بالحج اذا حج عن الآمر ثم أحرم بعمرة يتفق من مال نفسه ما دام معتمراً فاذا انفق من مال الآمر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۹۹ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)[۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وان کان مرضاً یرجی زواله فاحج فالامر مراعی فان استمر العجز الی الموت سقط الفرض والا لا۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۶۲ باب الحج عن الغیر)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۸ باب الحج عن الغیر۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: (تحت هذه العبارة فیصیر مخالفاً) ولو امره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حج ثم اعتمر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۱ باب الحج عن الغیر)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۶۲ باب الحج عن الغیر۔

والدین کی طرف سے حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض ادا کرنے کے بعد اپنے لیے نفل حج کرنا افضل ہے یا والدین کی طرف سے حج کرنا افضل ہے؟

الجواب:۔ اگر والدین پر حج فرض نہیں تھا تو اپنے لیے نفل حج کرنے کی بجائے والدین کی طرف سے حج کرنا افضل و اولیٰ ہے اور بعض احادیث میں دس گنا کی زیادتی آئی ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: بخلاف ما لو اهل عن ابويه او غيرهما من الاجانب حال كونه متبرعا فعين بعد ذلك جاز لانه متبرع بالثواب فله جعله لاحدهما او لهما وفي الحديث من حج عن ابويه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج وبعث من الابرار۔

(رد المحتار ج۲ ص۲۶ باب الحج عن الغير) [1]

دم تمتع و دم قران آمر پر ہے یا مامور پر

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی میت کی طرف سے حج بدل میں تمتع یا قران کی نیت کرے تو کیا اس کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اور دم کس پر واجب ہوگا، آمر پر یا مامور پر؟

الجواب:۔ اگر آمر نے حج تمتع یا قران کی اجازت نہ دی ہو تو اس کا حج ادا نہ ہوگا اور اگر اجازت دی ہو تو حج ادا ہو جائے گا مگر دم تمتع یا قران مامور پر ہوگا آمر پر نہیں۔

قال الحصكفي: ودم القران والتمتع والجناية على الحاج ان اذن له الآمر بالقران والتمتع والا فيصير مخالفا فيضمن۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶ باب الحج عن الغير) [2]

---

[1] قال النبي صلى الله عليه وسلم من حج عن ابيه وامه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج۔ (فتح القدير ج۲ ص۳۰ باب الحج عن الغير)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۶۲ باب الحج عن الغير۔

[2] قال ابن نجيم: ودم الاحصار على الآمر ودم القران ودم الجناية على المأمور۔ قال ابن نجيم: وانما وجب دم القران على المأمور باعتبار انه وجب شكرا لما وفقه الله تعالى من الجمع بين النسكين۔

(البحر الرائق ج۳ ص۶۵ باب الحج عن الغير)

ومثله في التاتارخانية ج۲ ص۵۳۹ الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير۔

محرم نہ ملنے کی صورت میں عورت حج بدل بھی نہیں کرا سکتی

سوال:- اگر کسی پردہ دار عورت کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ کر سکتی ہے مگر اس کو کوئی ایسا محرم نہیں مل رہا جو اس کے ساتھ حج ادا کرنے کے لیے جا سکے تو کیا یہ عورت حج بدل کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- عورت پر حج کی فرضیت کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے بغیر محرم کے عورت پر حج فرض ہی نہیں اگرچہ اس کے پاس مال زیادہ ہو، اس لیے اس عورت پر حج بدل کرانا بھی لازمی نہیں۔

قال العلامة الحصكفي: ومع زوج أو محرم ولو عبدا او ذميا او برضاع بالغ قيد لهما.

قال ابن عابدين: تحت (قوله ومع زوج او محرم) هذا وقوله ومع عدم عدة عليها شرطان مختصان بالمرأة. الخ (رد المحتار ج ۲ ص۴۶۴ كتاب الحج)

حج بدل ادا کرنے کے بعد مامور وطن واپس نہ آئے تو حج کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے حج بدل ادا کرنے کے لیے سعودی عرب مکہ مکرمہ چلا جائے اور حج ادا کرنے کے بعد واپس وطن نہ آئے بلکہ وہیں رہے تو کیا اس طرح حج بدل ادا ہو جائے گا؟

الجواب:- حج بدل میں آمر کے ملک سے جانا ضروری اور شرط ہے حج ادا کرنے کے بعد آمر کے وطن واپس آنا ضروری نہیں اس لیے اگر کوئی حج کے بعد وہیں مقیم ہو جائے تو حج بدل ادا ہو جائے گا اقامت اختیار کرنے سے حج متاثر نہ ہوگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ واپس آ جائے۔

لما في الهندية: ولو حج رجل يؤدي الحج ويقيم بمكة جاز والافضل ان يحج ثم يعود واذا فرغ المامور من الحج ونوى الاقامة خمسة عشر يوماً فصاعداً انفق من مال نفسه وله النفقة من مال الآمر بعضهن. (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير)

قال العلامة عبيد الله بن مسعود بن محمود: ولا تحج المرأة الا بزوج او محرم اذا كان سفر ونفقة المحرم عليها

وفي شرح وكاية من العقل والبلوغ لعجز الصبي والمجنون عن الفهم (شرح الوقاية ج ۱ ص۲۳۲ كتاب الحج)

قال العلامة الكاساني: ولو احج رجلا يؤدي الحج ويقيم بمكة جاز لان الفرض صار مؤديا بالفراغ من

افعاله والافضل ان يحج ثم يعود اليه لان الافضل للآمر ان يأتي بالنفقة فيما كانت نفقته اكثر

فان الثواب اكثر. (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۲۲ كتاب الحج، فصل في الذي يرجع الى النيات)

حج افراد پر مامور شخص اپنے لیے عمرہ کر سکتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کو حج افراد کرنے کے لیے اپنا نائب مقرر کرے تو مامور حج افراد کے بعد اپنے لیے عمرہ کرے تو کیا یہ حج بدل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اصل میں حج بدل کے اندر یہ ضروری ہے کہ مامور اپنے آمر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، صورت مسئولہ میں مامور نے چونکہ پہلے آمر کے حکم کو پورا کیا ہے اور بعد میں اپنے لیے عمرہ کیا تو اس سے آمر کی طرف سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بلکہ حج اور عمرہ دونوں درست ہیں تاہم اس عمرے کا خرچہ مامور کے ذمے واجب ہوگا۔

لما قال الشيخ عبد الرحمن الجزيري رحمه الله: وأما لو أمره بعمرة فنفذ أمره واعتمر عنه ثم حج عن نفسه، أو أمره بالحج فحج عنه ثم اعتمر عن نفسه فإن ذلك يجوز وتجزئ العمرة في الصورة الأولى والحج في الصورة الثانية عن المستنيب إلا أن نفقة إقامته للحج عن نفسه في الأولى والعمرة عن نفسه في الثانية تلزمه في ماله۔

(كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ج۱ كتاب الحج)[1]

حج کے منافی عمل سے فساد حج کی صورت میں حج کا خرچ کس پر ہوگا؟

سوال:۔ اگر مامور سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے کہ جس سے حج فاسد ہوتا ہے تو اب حج کا خرچہ آمر پر ہوگا یا مامور پر؟

الجواب:۔ اگر حج میں فساد وقوف عرفہ سے قبل آیا ہو تو مامور آمر کے خرچے کا ضامن ہوگا اس لیے کہ مامور اس فساد کا سبب بنا ہے اور اگر وقوف عرفہ کے بعد فساد آیا ہو تو مامور ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ وہ حج کا رکن اعظم ادا کر چکا ہے۔

لما قال الشيخ عبد الرحمن الجزيري رحمه الله: وإذا فعل المأمور ما يفسد الحج فإن كان ذلك قبل الوقوف بعرفة فإنه يضمن ما أنفق للمنيب وإن كان ذلك بعد الوقوف فلا يضمن لأنه أدى الركن الأعظم وهو الوقوف

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الأنصاري: ولو أمره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم يكن مخالفاً۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۱۸ الحج عن الغير)

وهكذا في الفقه الحنفي وأدلته ج۳ ص۵۶ باب الإنابة في الحج۔ ۱۲

وكل كفارة جناية تجب على المأمور لأنه سببها

(كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ج۱ ص۶۴۲ كتاب الحج) [1]

کیا حج افراد پر مامور شخص تمتع یا قران کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال:- اگر آمر نے حج افراد کا حکم دیا ہو اور مامور حج تمتع یا قران کرے تو اس حج کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- مامور حج میں ہر وقت آمر کے حکم کا تابع ہے اگر آمر نے صرف افراد کا حکم دیا ہو تو مامور کو صرف حج افراد کرنا چاہیے اگر اس نے آمر کے حکم کے خلاف حج تمتع یا قران کیا تو حج مامور کی طرف سے ادا ہوگا اور مامور آمر کی رقم کا ذمہ دار ہوگا، تاہم اگر آمر کی طرف سے کلی اختیار ہو کہ مامور جس قسم کا حج کرنا چاہے کرسکتا ہے تو اس صورت میں مامور جو بھی حج ادا کرے گا وہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔

قال الشيخ عبد الرحمن الجزيري رحمه الله: ومنها عدم مخالفة ما شرطه المستنيب فلو أمر بالإفراد فحج عنه الغائب قارنا أو متمتعا لم يقع عنه ويضمن النفقة التي صرفت له۔ (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ج۱ ص۶۴۲ كتاب الحج) [2]

مامور کا مدینہ منورہ جانے کے لیے آمر کی رقم سے خرچ کرنا

سوال:- حج بدل میں مامور جب مدینہ منورہ جائے تو یہ خرچہ کس پر واجب ہوگا مامور پر یا آمر پر؟ کیا مامور آمر کے مال سے اس سفر کے لیے خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الأنصاري: قال أبو يوسف: لما حج عن الميت بالقيراط النفقة قبل الوقوف عليه ضمان النفقة وعليه الحج الذي أفسده ويمضيه وحجته للآمر وفاته الحج لا يضمن لأنه أمين وعليه قضاء الحج عن الثمن (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص... الحج عن الغير)

ومثله في الهداية ج۱ ص۲۶۹ الحج عن الغير۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الأنصاري: وإذا أمر غيره بالإفراد بحجة أو عمرة فقرن فهو مخالف ضامن۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۹۵ الحج عن الغير)

ومثله في الفقه الإسلامي وأدلته ج۳ ص۴۱ النيابة في الحج۔

الجواب: حج سے پہلے یا بعد مدینہ طیبہ جانا چونکہ نہ فرض ہے نہ واجب، اس لیے آمر کی اجازت کے بغیر مامور اس کے مال سے خرچ نہیں کر سکتا بلکہ یہ خرچہ خود برداشت کرے۔ ہاں اگر آمر کی اجازت ہو تو پھر اس کے مال سے خرچ کرنا جائز ہے۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي رحمه الله: ولو مر بميقات معتمر فأحرم بالعمرة واعتمر ثم أحرم بالحج عن غيره لم يكن مخالفا لانه فعل ما أمر به، وهو [illegible] بالعمرة وحجته عن نفسه بعد [illegible] باشتغاله بعمل آخر من التجارة ونحوها، لكن النفقة في حجه تكون من ماله لانه عمل لنفسه.

(الفقه الاسلامي وادلته ج٣ ص٣٣ كتاب الحج)

حج بدل میں نیت آمر کی طرف سے ہوگی

سوال: حج بدل کی نیت مامور اپنی طرف سے کرے گا یا آمر کی طرف سے کرے گا؟

الجواب: جب ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہو تو احرام باندھ کر اس کی طرف سے نیت کرے اور تلبیہ کہتے وقت آمر کا نام لے کر تلبیہ پڑھے۔

لما قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلي رحمه الله: ومن حج عن غيره ينوي الحج عنه ويقول لبيك بحجة عن فلان۔

(الاختيار على صدر الاختيار ج١ ص١٧١ باب الحج عن الغير) ؎۲

؎۱ قال الكرماني رحمه الله: قد ذكرنا ان المحرم الذي يحج عن الميت او عن غيره من العاجزين على ذكرنا في الفصول المتقدمة يحج عنه بنفقة [illegible] من غير تقتير ولا اسراف [illegible] ......

(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق ج٢ ص٨٥ باب الحج عن الغير)

؎۲ قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله: وبشرط نية الحج عنه اي عن الآمر فيقول احرمت عن فلان ولبيت عن فلان ولو نسي اسمه فنوى عن الآمر صح وتكفي نية القلب۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج٢ ص٥٩٩
باب الحج عن الغير)

باب الجنایات

(حج میں غلطی کرنے کے مسائل)

رمی چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہونے کا حکم

سوال:۔ ایام حج میں ایک آدمی کے ساتھ ایک عورت ہو اور وہ رمی جمار کی استطاعت نہیں رکھتی ہو اگر یہ عورت اپنے شوہر کو رمی جمرات میں وکیل مقرر کرے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایام حج میں رات کے وقت رمی کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اس لئے بلا عذر شرعی اس کو ترک کرنا اور کسی کو وکیل بنانا موجب دم ہے لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق اس عورت پر دم واجب ہے۔

وفي الهندية: ولو ترك رمي الجمار كلها او رمي يوم واحد او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الخامس) ؎۱

جمرۃ العقبہ کی رمی بلا عذر شرعی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ایام حج میں شرعی عذر کے بغیر جمرۃ عقبہ کی رمی چھوڑ دے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجبات حج میں سے ہے جس کے چھوڑ دینے سے دم واجب ہو جاتا ہے لہٰذا جس شخص نے جمرۂ عقبہ کی رمی ترک کر دی اس پر دم لازم ہے۔

وفي الهندية: ولو ترك رمي الجمار كلها او في يوم واحد او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۷ باب الثامن في الجنايات، الفصل الخامس) ؎۲

؎۱ قال المرغيناني: ومن ترك رمي الجمار في الايام كلها فعليه دم لتحقق ترك الواجب۔ (الهداية ج۱ ص۲۶۵ باب الجنايات)

ومثله في رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنايات۔

؎۲ قال الحصكفي: او رمي كله او في يوم واحد، قال ابن عابدين: فانه وجب بتركه كله دم واحد۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ كتاب الحج باب الجنايات)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۲۳ باب الجنايات۔

دم، فعليه صدقة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الثاني في اللبس) سے

حالتِ احرام میں چہرے کو ڈھانکنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے بغیر کسی عذر کے احرام کی حالت میں پورا ایک دن اپنے چہرے کو ڈھانکا تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حالتِ احرام میں عذر کے بغیر چہرے کو چھپانا جائز نہیں، اگر بلا عذر چہرے یا سر کا چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ حصہ ایک دن یا ایک رات ڈھانکا تو دم واجب ہے۔

قال ابن عابدين: في تغطية كل الوجه او الراس يوما او ليلة دم والربع منهما كالكل۔ (رد المحتار ج۲ ص کتاب الحج مطلب فيما يحرم بالاحرام وما لا يحرم) سے

حالتِ احرام میں عطاری کی دوکان میں بیٹھنا

سوال: حالتِ احرام میں عطاری کے ساتھ مصافحہ کرنا یا اس کی دوکان میں بیٹھنا موجبِ دم ہے یا نہیں؟

الجواب: عطاری کی دوکان میں بیٹھنا اور اس کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے بدن پر خوشبو کی ذات یعنی عطر وغیرہ نہ ہو، ورنہ اگر عطر وغیرہ اس کو لگ جائے تو زیادہ لگنے سے دم اور معمولی مقدار میں لگ جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

قال ابن نجيم: ولا بأس ان يجلس في حانوت عطار ولا فرق ايضا بين ان يقصده اولا ولذا قال في المبسوط: ومن استلم الركن فاصاب فمه او يده خلوق كثير فعليه دم وان كان قليلا فصدقة۔ (البحر الرائق ج۳ ص باب الجنايات) سے

---

۱ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: ولكن اذا غطى ربع راسه يوما فصاعدا فعليه دم۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۴۹۵ الفصل الخامس فيما يحل للمحرم، نوع منه في لبس المخيط)
ومثله في البحر الرائق ج۳ ص باب الجنايات

۲ وفي الهندية: ولو غطى المحرم راسه او وجهه يوما فعليه دم وان كان اقل من ذلك فعليه صدقة كذا في الخلاصة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الثاني في اللبس)
ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص الفصل الخامس، نوع منه في لبس المخيط

۳ وفي الهندية: ولا بأس بان يقعد في دكان عطار او موضع يتبخر فيه الا انه يكره۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۱ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الاول)
ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص الفصل الخامس فيما يحل للمحرم، نوع منه في الطيب ايضا۔

ذبح اور حلق میں ترتیب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت سعودی عرب نے قربانی کے گوشت کو محفوظ کرنے کے لیے ایک نئی قربان گاہ تعمیر کی ہے۔ بعض حاجی حضرات سہولت کے لیے اپنی قربانی کو دوسرے کے سپرد کر دیتے ہیں یا قربانی کی قیمت بینک میں جمع کرا دیتے ہیں، اس طرح قربانی کا وقت کامل طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس وقت ذبح کی گئی، اب اگر کسی شخص نے حلق کر لیا اور یہ حلق ذبح پر مقدم ہو گیا تو کیا اس مقدم ہونے پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: احناف کے نزدیک ذبح حلق پر مقدم کرنا واجب ہے۔ مؤخر کرنے سے دم واجب ہوگا، اس لیے اگر بینک والوں نے ذبح بعد میں کیا اور حاجی نے حلق پہلے کیا ہو تو دم لازم ہوتا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی خود ذبح کر کے پھر حلق کرے۔

قال ابن نجیمؒ: فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیه دمان عند ابی حنیفةؒ دم بالحلق فی غیر اوانه لان اوانه بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران) له

ترکِ سعی کا دم ایامِ نحر کے ساتھ مخصوص نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی سے واجب سعی ترک ہو جائے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: حج وعمرہ میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے ترک کرنے کی صورت میں دم واجب ہو جاتا ہے اور یہ ذبح ہر وقت جائز ہے ایامِ نحر کے ساتھ مخصوص نہیں کسی کو بھی پیسے دے کر مکہ مکرمہ میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ومن ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجه تام وفیها ایضاً ویجوز ذبح بقیة الایام فای وقت شاء۔ (الهدایة ج۱ ص۲۵۵ باب الجنایات) كه

له قال الحصکفیؒ: ثم بعد الرمی ذبح ثم قصر ای او حلق کما دل علیه قوله حلق لما قبله۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۵۵ فصل فی الاحرام وصفة المفرد مطلب فی رمی جمرة العقبة)

ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۲۴۳ باب الجنایات۔

كه قال فی الهندیة: ومن ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجه تام۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس فی الطواف والسعی)
ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۱۵۱ باب الهدی۔

طوافِ صدر چھوڑنے پر دم واجب ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طوافِ صدر کے ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: طوافِ صدر ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے، البتہ طوافِ صدر اب بھی کرسکتا ہے، یعنی عمرہ کی نیت کرکے عمرہ ادا کیا جائے تو اس طوافِ عمرہ سے طوافِ صدر ادا ہوجائے گا۔

وفي الهندية: ولو ترك طواف الصدر أو أكثره تجب عليه الشاة۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۶ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الخامس) ؎۱

عورت کے لیے وقوفِ مزدلفہ کا دم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اعذار کی وجہ سے اگر کوئی عورت وقوفِ مزدلفہ اور رمی نہ کر پائے تو اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بغیر عذرِ شرعی کے وقوفِ مزدلفہ اور رمی کو ترک کرنا صحیح نہیں، چھوٹ جانے کی صورت میں دم لازم ہے، البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے وقوفِ مزدلفہ اور رمی چھوٹ جانے پر دم واجب نہیں۔

قال العلامة الحصكفي: ثم وقف بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر إلى طلوع الشمس ولو مارًّا كما في عرفة لكن لو تركه بعذر كزحمة بمزدلفة فلا شيء عليه۔ قال ابن عابدين: إلا إذا كان لعلة أو ضعف أو يكون امرأة تخاف الزحام فلا شيء عليه۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۱۱ كتاب الحج، مطلب في الوقوف بالمزدلفة) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن نجيم المصري: ولما كان طواف الصدر واجبًا وجب بترك كله أو أكثره دم۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳ باب الجنايات)
ومثله في رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنايات۔

؎۲ قال العلامة ابن نجيم: المراد بالترك الترك لغير عذر، أما إذا تركه واجبًا لعذر فإنه لا شيء عليه۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳ باب الجنايات)
ومثله في الهندية ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الخامس۔

دمِ جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے

سوال: ایک شخص پر ترکِ سعی کی وجہ سے دم واجب ہوا اُس کا ذبح کرنا کہاں ضروری ہے؟

الجواب: دمِ جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے خواہ منیٰ ہو یا مکہ مکرمہ کی حرم کی زمین ضروری ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني :- ولا يجوز ذبح الهدايا الا في الحرم لقوله تعالىٰ في جزاء الصيد هديًا بالغ الكعبة فصار اصلاً في كل دم (الہدایہ ج۱ ص۲۸۳ باب الہدی) ؎۱

بلا احرام میقات سے تجاوز کرکے پھر عود کرنا

سوال: ایک شخص جو آفاقی ہے ماہ شوال میں حج کے لیے آیا اور میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت کرلی اس کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا پھر مکہ مکرمہ میں بغیر احرام داخل ہوا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اس آفاقی پر دونوں صورتوں میں دم واجب نہیں، پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ ابتداء میں اس نے عمرہ کا احرام میقات سے باندھا ہے تو تجاوز میقات سے بلا احرام نہ پایا گیا اور مدینہ منورہ جانے میں تجاوز میقات سے بلا احرام پایا گیا ہے لیکن پھر عود کرکے واپس مکہ مکرمہ میں داخل ہوا ہے اور حج کا احرام زمینِ حرم سے باندھا ہے اسلئے دم ساقط ہوا ہے۔

وفی الھندیۃ : فان عاد حلالاً ثم احرم سقط عنه الدم۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۵۳ الباب العاشر فی مجاوزۃ المیقات بغیر احرام) ؎۲

آفاقی شخص کا زیارتِ نبوی کیلئے بغیر احرام جانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آفاقی شخص

؎۱ وفی الھندیۃ ولا یجوز ذبح الھدایا الا فی الحرم۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر فی الھدی)

ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۲۸۹ الفصل الحادی عشر فی الاحصار۔

؎۲ قال الشیخ زین بن نجیم المصریؒ : من جاوز آخر المواقیت بغیر احرام ثم عاد الیه وهو محرم وفی فیه فقد سقط عنه الدم اللازم له بالمجاوزة بغیر احرام۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳۲ باب مجاوزۃ المیقات بغیر احرام)

ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۲۴۶ الفصل الرابع فی بیان مواقیت الاحرام۔

مکہ مکرمہ آیا اور وہاں اقامت کی نیت کر کے شوال میں مدینہ منورہ زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چلا گیا پھر ذوالحلیفہ سے عمرہ کے لیے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آیا، تو کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مواقیت سے بلا احرام تجاوز کرتے ہوئے حج و عمرہ کے لیے جانا جائز نہیں، چونکہ اس شخص نے میقات سے تجاوز حج یا عمرہ کے لیے نہیں بلکہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا ہے اس لیے ایسا کرسکتا ہے اس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله مکی یرید الحج) اما لو خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالآفاقی اذا جاوز المیقات قاصدا البستان ثم احرم منه۔
(رد المحتار ج۲ ص۵۸۸ باب الجنایات، مطلب لا یجب الضمان بکسر آلات اللهو) ؎۱

جدہ جانے والے کے لیے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جدہ جانے کا قصد کرتا ہے تو کیا وہ میقات سے بغیر احرام کے گذر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص ہوائی جہاز سے صرف جدہ تک سفر کا قصد رکھتا ہو تو وہ میقات سے بلا احرام تجاوز کرسکتا اور اس شخص پر کوئی دم لازم نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۴۰ مطلب فی المواقیت) ؎۲

؎۱ قال الشیخ ابن الهمامؒ: لان خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالآفاقی اذا جاوز المیقات قاصدا البستان ثم احرم منه...... والحیلة اذا خرج لحاجة الی الحل ثم احرم بالحج منه لا یجب علیه شئ کالمکی۔
(فتح القدیر ج۲ ص۳۳۲ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام)
ومثله فی التاتارخانیة ج۲ ص۴۶۳ الفصل الرابع فیما یلزم بمجاوزة المیقات بغیر احرام۔

؎۲ قال العلامة الاتقانیؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وهو التحریر وبستان بنی عامر لحاجة فله ان یدخل مکة بغیر احرام۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۶۳ الفصل الرابع ما یخرج من الحرم)

میقات میں تلبیہ بھول جانے پر دم کا وجوب

سوال: ایک آدمی نے میقات سے گزر کر حج و عمرہ کے لیے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھنا بھول گیا اور میقات میں داخل ہونے کے بعد تلبیہ شروع کیا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعی قواعد کی رو سے اس آدمی پر دم واجب ہے کیونکہ صرف نیت کرنا اور بغیر تلبیہ کے حرم میں داخل ہونا بغیر ظاہر روایت ہے لہٰذا اس آدمی پر ضروری ہے کہ دوسرے شخص کے ذریعے حدودِ حرم میں ذبح کرائے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: (وجاوز وقته) ظاهره ما في النهر عن البدائع اعتبار الإرادة عند المجاوزة (غير محرم) لزمه دم كما لو لم يحرم۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۵۸۹ باب الجنايات) ۱؎

طواف زیارت سے پہلے بیوی سے جماع حرام ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی سے طواف رہ جائے تو طواف زیارت ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: طواف زیارت ادا کرنے سے پہلے بیوی سے جماع کرنا حرام ہے، اگر حلق کے بعد طواف سے پہلے جماع کیا تو دم لازم ہوگا، اور اگر حلق و طواف دونوں سے پہلے اور وقوف کے بعد کیا تو ایک بدنہ یعنی اونٹ ذبح کرنا واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وطؤه بعد وقوفه لم يفسد حجه وتجب بدنة و بعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجناية۔ قال ابن عابدينؒ: بعد وقوفه اي قبل الحلق و الطواف۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۹۰ باب الجنايات كتاب الحج) ۲؎

۱؎ لما في الهندية: إذا دخل الآفاقي مكة بغير إحرام وهو لا يريد الحج والعمرة فعليه لدخول مكة إما حجة أو عمرة، فإن أحرم بالحج أو العمرة من غير أن يرجع إلى الميقات فعليه دم لترك حق الميقات۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۵۳ الباب العاشر في مجاوزة الميقات بغير إحرام)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۴۳ باب مجاوزة الميقات بغير إحرام۔

۲؎ لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم يفسد حجه وعليه بدنة ..... وإن جامع بعد الحلق فعليه شاة لبقاء إحرامه في حق النساء دون لبس المخيط ..... (الهداية ج۱ ص۲۶۲ كتاب الحج باب الجنايات)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۴۴ الباب الثامن في الجنايات الفصل الرابع في الجماع۔

عینک کے ساتھ حج کرنا درست ہے

سوال:- اگر کسی شخص کی آنکھیں خراب ہوں تو کیا وہ چشمہ لگا کر حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- احرام کی حالت میں پورے چہرے کو چھپانا ممنوع ہے اور چشمہ سے چونکہ چہرہ نہیں چھپتا ہے لہٰذا چشمہ لگا کر حج کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: لگا سکتا ہے۔ (امداد الاحکام ج ۲ ص ۱۸۰)[1]

احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھانے کا مسئلہ

سوال:- اگر کوئی شخص پان کھانے کا عادی ہو اور وہ احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھائے تو کیا اس سے دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:- خوشبودار چیز کسی اور کھانے والی شئے میں پکا کر یا بغیر پکائے استعمال کیا جائے تو اگر خوشبودار چیز مغلوب ہو جائے تو اس چیز کے کھانے سے دم لازم نہیں آتا مگر کراہت سے خالی بھی نہیں، اور اگر خوشبودار شئے غالب ہو تو اس کے کھانے کی صورت میں دم وغیرہ لازم ہوگا، لہٰذا پان میں چونکہ خوشبودار چیز مغلوب ہوتی ہے اس لیے پان کھانے سے دم تو لازم نہیں ہوتا مگر ایسا کرنا مکروہ ضرور ہے، بہتر یہ ہے کہ احرام کی حالت میں پان میں خوشبودار چیز استعمال نہ کی جائے۔

وفی الهندية: ولو كان الطيب فی طعام طبخ وتغير فلا شئ على المحرم فی اکله سواء يوجد رائحته او لا كذا فی البدائع وان خلطه بما يؤكل بلا طبخ فان كان مغلوباً فلا شئ عليه غير انه اذا وجدت معه الرائحة كره وان كان غالباً وجب الجزاء۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۴۱، الباب الثامن فی الجنايات)[2]

---

[1] لما قال مفتی عزیز الرحمٰنؒ: سوال: محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب: لگا سکتا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۵۵ مسائل جنایات)

[2] لما قال العلامة الشیخ اشرف علی التھانویؒ: پان چونکہ داخل طیب نہیں مگر موجب زینت ہے منافی احرام نہیں اور الائچی اور مثل اس کے طیب ضرور ہیں مگر چونکہ پان وغیرہ کو مغلوب ہیں لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں گو خالی از کراہت بھی نہیں۔ اھ

(امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۶۲ باب احرام)

دورانِ حج خرید و فروخت کرنا جائز ہے

سوال:۔ جو شخص حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا وہ وہاں حج کے دوران تجارت یعنی خرید و فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں منیٰ وغیرہ کے مقامات میں بازار لگتے تھے تو لوگ حج کے لیے آتے تھے وہ حج کے ساتھ ساتھ خرید و فروخت بھی کرتے تھے قرآن کریم نے بھی اس کے جواز کا حکم دیا ہے یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ یہ سفر صرف حج کی نیت سے ہونا چاہیئے اور اگر یہ سفر تجارت کی غرض سے ہو تو حج ادا نہ ہوگا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۸)[1]

حدودِ حرم سے باہر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھے طواف اور سعی کے بعد حلق نہ کرے اور حدودِ حرم سے باہر چلا جائے اور وہاں پر جا کر حلق کرکے احرام کھول دے تو کیا اس شخص پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ حلق یا قصر حدودِ حرم کے اندر کیا جائے اگر کوئی محرم حالتِ احرام میں حدودِ حرم سے باہر جا کر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلے تو اس پر دم لازم ہوگا اور اس دم کو حدودِ حرم کے اندر ذبح کرنا لازم ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: واما معتمر فخرج من الحرم وقصر فعلیہ دم عندھما۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۲۵ کتاب الحج)

---

[1] قال ابوبکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ ... ومن قال فی جوازہ بعض ذلک لا ... وفی جمیع ذلک دلیل علی ان الحج لا یمنع التجارۃ وعلی ھذا امر الناس من عصر النبی علیہ السلام الی یومنا ھذا فی مواسم منی ومکۃ فی ایام الحج۔ واللہ اعلم ـــــ ولکن قال محمد بن احمد الانصاری القرطبی فی تفسیرہ احکام القرآن ج۲ ص۴۱۳ ـ (احکام القرآن ج۱ ص۳۲۵ باب التجارۃ فی الحج)

باب الھدی

(قربانی کے احکام و مسائل)

قارن یا متمتع کا اپنی قربانی سے گوشت کھانا

سوال:۔ کیا متمتع اور قارن اپنی قربانی سے گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں دمِ تمتع اور دمِ قران دمِ شکر ہے اور اس کے گوشت کا حکم بھی عام قربانی کی طرح ہے یعنی جس طرح اضحیہ سے مالک خود کھا سکتا ہے اسی طرح دمِ قران اور دمِ تمتع سے بھی کھا سکتا ہے بلکہ اوروں کو بھی کھلایا جا سکتا ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ویری الحنفیۃ انہ یجوز الاکل من ھدی التطوع والتمتع والقران اذا بلغ الھدی محلہ لانہ دم نسک فیجوز الاکل منہ بمنزلۃ الاضحیۃ وما جاز للمضحی الاکل منہ جاز للغنی الاکل منہ۔[1]

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۳ ص۲۸۳ باب الھدی رابعا الاکل من الھدی)

دمِ جنایت سے خود کھانا جائز نہیں

سوال:۔ دمِ جنایات مثلاً احرام میں خوشبو لگانے یا تقصیر و تاخیر وغیرہ سے جو دم لازم آتا ہے حاجی کا اس سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ قربانی و دم جو کسی جنایت کی وجہ سے حاجی پر لازم ہو جائے یا وہ خود اس کو اپنے اوپر لازم کرے تو اس قربانی کا استعمال (کھانا وغیرہ) خود حاجی اور اغنیاء دونوں کے لیے حرام ہے بلکہ صرف فقراء ہی اس سے کھا سکتے ہیں۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ولا یجوز الاکل من بقیۃ الھدایا کدماء الکفارات والنذور وھدی الاحصار والتطوع اذا لم یبلغ محلہ و

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: یجوز الاکل من ھدی التطوع والمتعۃ والقران ویستحب لہ ان یاکل منھا۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۱ کتاب الحج)
ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۹ باب الھدی۔

علیه منی او مکة۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۲۴۳ باب الهدی ومکان الاکل من الهدی)[1]

حرم کی حدود میں تحلیل کے لیے یوم النحر سے قبل ذبح کرنا

سوال۔ اگر کوئی شخص احرام باندھنے کے بعد کسی عذر شرعی کی وجہ سے حج کے لیے نہ جاسکے اور وہ تحلیل کے لیے حرم کی حدود میں یوم نحر سے قبل جانور ذبح کرے تو کیا یہ آدمی ایسا کرنے سے حلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دمِ احصار کے ذبح کے لیے صرف حرم کی حدود کا ہونا ضروری ہے اگر چہ یوم نحر سے قبل ہو، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس محصر کا احرام سے حلال ہونا درست ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: فیجوز عند ابی حنیفةؒ ذبح الهدی قبل یوم النحر لاطلاق النص ولأنه تعجیل التحلل۔ وقال الصاحبان لا یجوز ان یذبح للمحصر بالحج إلا فی یوم النحر کدم التمتع والقران، وعلی الرأی الاول هو الراجح یکون زمان ذبح الهدی مطلق الوقت لا یتوقف بیوم النحر سواء کان الاحصار عن الحج أم فی العمرة۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۲۵۵ باب الهدی۔ الزمان ذبح الهدی)[2]

حج سے واپسی کے بعد دم اپنے وطن میں ادا کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص پر دم لازم آئے اور اس کے پاس قربانی کے لیے پیسے نہ ہوں تو کیا یہ شخص واپس آکر اپنے وطن میں دم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو قربانی (دم) ایام حج میں حج کی وجہ سے یا جنایات کی وجہ سے حاجی پر

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولا یجوز الاکل من بقیة الهدایا لانها دماء کفارات۔ (الهدایة ج۱ ص۲۸۰ کتاب الحج۔ باب الهدی)
ومثله فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹۹ کتاب الحج۔ باب الهدی۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولا یجوز دم الاحصار الا فی الحرم ویجوز ذبحه قبل یوم النحر عند ابی حنیفةؒ وقالا لا یجوز الذبح للمحصر بالحج الا فی یوم النحر۔
(الهدایة مع فتح القدیر ج۳ ص۵۵ باب الاحصار)
ومثله فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۵ الباب الثانی عشر فی الاحصار۔

لازم آنے والی قربانی یا ہدایا کا حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے حدود حرم سے باہر اُن کا ذبح کرنا جائز نہیں، اس لیے یہ شخص اپنے وطن میں ذبح کرنے کے بجائے حرم ہی میں ذبح کرے گا۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم لأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم. (الفقه الاسلامي وأدلته ج۳ ص۲۶۸ خامساً مكان ذبح الهدي)[1]

دمِ جنایات کے لیے وقت یا دن کا مشروط ہونا

سوال: کیا دمِ جنایات کے لیے کوئی وقت یا دن شرعاً مقرر ہے یا کہ جس وقت اور جب چاہے ادا کر سکتا ہے؟

الجواب: حج میں نقصان کے جبیرہ (ازالہ) کے لیے جو دم لازم ہوتا ہے شرعاً اس کے ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ حاجی جب اور جس وقت چاہے ادا کر سکتا ہے۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: ويجوز ذبح بقية الهدايا أي وقت شاء لأنها دماء كفارات فلا يختص بيوم النحر لأنها وجبت لجبر النقصان.

(الفقه الاسلامي وأدلته ج۳ ص۲۶۸ خامساً مكان ذبح الهدي وزمانه)[2]

منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

سوال: اگر حاجی منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیے، شرعاً اس کا کوئی بدل ہے؟

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغيناني: لا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم. لقوله تعالى: في جزاء الصيد هدياً بالغ الكعبة..... ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم. (الهداية ج۱ ص۲۸۱ باب الهدي)

ومثله في تبيين الحقائق ج۲ ص۹۰ باب الهدي۔

[2] قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ويجوز ذبح بقية الهدايا أي وقت شاء ولنا أن هذه دماء كفارات ولا يختص بيوم النحر لأنها وجبت لجبر النقصان كان التعجيل بها أولى لارتفاع النقصان به من غير تأخير بخلاف المتعة والقران لأنه دم نسك.

(الهداية ج۱ ص۲۸۰ كتاب الحج فصل في الهدي)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر في الهدي۔

الجواب: منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی وجہ سے قربانی کے بدلے میں ایام حج میں تین روزے اور حج سے فارغ ہوکر گھر آجانے کے بعد سات[1] روزے رکھنے لازمی ہیں۔ یاد رہے کہ یہاں عدم قدرت سے مراد منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہونا ہے اگرچہ اپنے وطن میں قادر ہو۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: فمن لم يجد هدي التمتع والقران فعليه صيام ثلاثة أيام في الحج وسبعة إذا رجع إلى وطنه وتعتبر القدرة على الهدي في موضعه الذي هو الحرم فإن عدمه في موضعه جاز له الانتقال إلى الصيام وإن كان قادرا عليه في بلده. (الفقه الاسلامي وأدلته ج۳ باب الهدي ص[illegible])

بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے

سوال: آجکل بعض حجاج حکومتی بینکوں میں قربانی کے پیسے جمع کرا دیتے ہیں اور بینک والے ان کی طرف سے قربانی کرتے ہیں جبکہ اس طریقہ میں تقدیم و تاخیر اور ذبح نہ کرنے کا خطرہ بھی رہتا ہے تو کیا ان شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کرنا ایسا عمل ہے جس میں نیابت درست ہے اس لیے بینک کی معرفت قربانی کرنے سے قربانی کا فریضہ ادا ہو جائے گا مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حلق اور قربانی میں تقدیم و تاخیر نہ ہو ورنہ حنفیہ کے نزدیک دم جنایت لازم آئے گا اسی طرح قربانی میں جانور کا ذبح کرنا ضروری ہے صرف قربانی کے پیسے جمع کرا دینے سے ذمہ فارغ نہ ہوگا، لہٰذا مذکورہ شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی نہ کرائی جائے بلکہ خود قربانی کرکے حلال ہو جائے۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: والأولى بالاتفاق أن يتولى الإنسان ذبح الهدي بنفسه إذا كان يحسن ذلك لأنه قربة والتولي بنفسه في القربات أولى لما فيه من زيادة الخشوع ... فإن ذبح الهدي غيره صح وأجزأه والمستحب أن يشهد ذبحه. (الفقه الاسلامي وأدلته ج۳ باب الهدي ص[illegible])[2]

---

[1] قال الله تبارك وتعالى: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ. (سورة البقرة آيت ۱۹۶)

وَمِثْلُهُ في الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۳۹ كتاب الحج۔ تفسير الهدي۔

[2] قال العلامة برهان الدين المرغيناني: والأولى أن يتولى ذبحها بنفسه إذا كان يحسن ذلك ... لأن الإنسان قد لا يهتدي لذلك ولا يحسنه فجوزنا توليته غيره۔ (الهداية ج۱ ص[illegible] باب الهدي)

وَمِثْلُهُ في تبيين الحقائق ج۲ ص۹۰ باب الهدي۔

باب العمرة

(عمرہ کے مسائل واحکام)

عمرہ کے بعد سر منڈانے کا حکم

سوال: عمرہ ادا کرنے کے بعد سر کو منڈانا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر سر نہ منڈائے تو کیا گنہگار ہوگا؟

الجواب: عمرہ میں بھی حلق یا قصر واجب ہے، اس کو ترک کیا جائے یا حرم سے باہر حلق کرے تو موجب دم ہے۔

لما في الهندية: وأما واجباتها فالسعي بين الصفا والمروة والحلق أو التقصير. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۳۷)

وقال أيضاً: وتجب شاة بتأخير الحلق عن مكانه بأن خرج من الحرم وحلق رأسه سواء كان الحلق للحج أو للعمرة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۵ - باب الثامن في الجنايات. الفصل الخامس)[۱]

متعدد عمرے کرنے کی صورت میں حلق کیسے کیا جائے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے عمرہ کرنے کے بعد حلق کرلیا، اس کے بعد جب دوسرا عمرہ کیا تو چونکہ اس کا سر پہلے سے حلق شدہ تھا، اب یہ شخص کیا کرے، سر پر استرہ پھیرے یا ویسے ہی چھوڑ دے؟

الجواب: جب ایک عمرہ ادا کرنے کے بعد حلق کرلیا جائے تو دوسرے اور تیسرے عمرے کی ادائیگی کے بعد سر پر صرف استرہ ہی پھیر دے جو کہ قائم مقام حلق کے ہوگا۔

قال العلامة ملا علي القاري: ومن جاء وقت الحلق ولم يكن على رأسه شعر بأن كان حلق قبل ذلك أو بسبب آخر ذكر في الأصل أنه يجري الموسى على رأسه. (الفتاوى عالمگيرية ج۱ ص۲۳۱ الفصل الرابع في الحلق والقصر)[۲]

---

[۱] قال الحصكفي: وغيرها واجب، وفي رد المحتار: أي ما غير من المذكورات هنا وهو أقل أشواط الطواف والسعي والحلق أو التقصير. (رد المحتار ج۲ ص۴۷ كتاب الحج، مطلب في أحكام العمرة)

ومثله في التاتارخانية ج۲ ص۴۲۶ الفصل الثامن في بيان وقت الحج والعمرة.

[۲] وفي الهندية: وإذا جاء وقت الحلق ولم يكن على رأسه شعر بأن كان حلق قبل ذلك أو بسبب آخر ذكر في الأصل أنه يجب إجراء الموسى على رأسه. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۳۱ الباب الخامس في الإحرام)

عمرہ اور مزدوری

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید عمرہ کے ویزے سے سعودی عرب جانا چاہتا ہے، عمرہ کے بعد اگر وہ وہاں مزدوری کرے تو کیا اسلام میں یہ فعل جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- یہ طریقہ کار قانونی جرم تو ہے اسلامی جرم نہیں جیسا کہ حج و عمرہ کے لیے جاتے وقت تجارت کا ارادہ کرنا اسلامی جرم نہیں، اس لیے زید کا عمرہ کے ویزے سے سعودی عرب جانے کے بعد وہاں مزدوری کرنا درست ہے۔

لما فی قولہ تعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ. قال ابن العربیؒ: ای فی مواسم الحج. المسئلة الثانية فی هذا دليل على جواز التجارة فی الحج للحاج مع اداء العبادة[1]

(احکام القرآن ج ۱ ص۱۳۲ سورة البقرة)

بسلسلہ مزدوری جدہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں

سوال:- ایک شخص جدہ میں ملازمت کے سلسلہ میں رہتا ہے تو کیا اس پر عمرہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- جدہ چونکہ حرم مکہ کی حدود سے خارج ہے اور خارج حرم میں جانے سے عمرہ واجب نہیں ہوتا، لہٰذا جدہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: اما لو قصد موضعا من الحل کخليص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام۔ (رد المحتار علی صدر الدر المختار ج ۲ ص۱۵۵ کتاب الحج، مطلب فی المواقیت)۔[2]

حج کی بجائے عمرہ ادا کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر حج فرض ہے لیکن اس نے حج کی بجائے عمرہ

---

[1] قال الشیخ ابن نجیمؒ: وتجرید السفر عن التجارة احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابه کالغازی۔
(البحر الرائق ج ۲ ص۳۳۰ کتاب الحج)
ومثله فی الهندية ج ۱ ص۲۲۰ کتاب المناسک، الباب الاول فی تفسیر الحج۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی لتجرید وغیره لحاجة فله ان یدخل مکة بغیر احرام۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۲ ص۴۷۴ الفصل الرابع فی [illegible])
ومثله فی الهندية ج ۱ ص۲۲۱ الباب الثانی فی المواقیت۔

ادا کیا تو کیا اس سے فریضۂ حج ساقط ہوا یا نہیں؟

الجواب:- حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جو خاص وقت میں مخصوص مقامات کی زیارت (اعمال) کا نام ہے اسلئے عمرہ ادا کرلینے سے حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنے والے کو حج کرنا ضروری ورنہ مستحقِ وعید ہے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ملک زاداً وراحلۃ تبلغه الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیه ان یموت یہودیاً او نصرانیاً۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۲۲ کتاب الحج) [1]

دن میں متعدد عمرے کرنے کا حکم

سوال:- کیا ایک دن میں ایک سے زائد عمرے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- عمرہ کی ادائیگی کے لئے شریعتِ مقدسہ نے کسی وقت یا تعداد کا تعین نہیں کیا بلکہ ایک شخص دن میں جتنے عمرے ادا کرسکتا ہے کرلے اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

وفی الهندیة: ووقتها جمیع السنة إلّا فی خمسة ایام تکره فیها العمرة لغیر القارن وامّا رکنها فالطواف واما واجبتها فالسعی بین الصفا والمروة والحلق او التقصیر۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرة) [2]

شوال اور ذیقعدہ میں عمرہ ادا کرنے کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اشہرِ حج میں عمرہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے عمرہ کرلیا تو کیا اس پر دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:- ایامِ تشریق، عرفہ اور عید کے دن کے علاوہ تمام سال میں عمرہ کرنا جائز ہے چاہے اشہرِ حج ہوں یا غیر اشہرِ حج۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ووقت العمرة السنة کلها. وفی الهدایة والعمرة

---

[1] قال ابن الهمامؒ: بشرائطه فوعاء ولو ملکه مسلماً ثم لم یحج حتی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمته دیناً علیه۔ (فتح القدیر ج۲ ص۴۱۳ کتاب الحج)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

[2] لما قال الحصکفیؒ: وهی احرام وطواف وسعی وحلق او تقصیر فالاحرام شرط... وجازت فی کل سنة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۷۲،۴۷۳ مطلب فی احکام العمرة)

ومثله فی التاتارخانیة ج۲ ص۴۷۸ الفصل الثامن فی بیان وقت الحج والعمرة۔

لا تفوت وذلك تكره في يوم عرفة وايام التشريق. (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص[illegible] الفصل الثامن في بيان وقت الحج والعمرة) ـ له

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں کوئی عمرہ نہیں کیا

سوال:- کیا رمضان شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ادا فرمایا ہے اگر ادا فرمایا ہے تو وہ رمضان شریف کی کونسی تاریخ تھی؟

الجواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں کوئی عمرہ نہیں کیا ہے البتہ رمضان شریف میں عمرہ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

قال البراء بن عازب: اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم عمرتين قبل ان يحج فلم يحتسب العمرة الحديبية كذا في الصحيحين وكلهن في ذي القعدة على ما هو الحق. (فتح القدير ج۲ ص[illegible] باب العمرة) ـ ۲ه

زندہ آدمی کیلئے طواف اور عمرہ کرنا

سوال:- عمرہ اور طواف کا ثواب اگر کسی زندہ آدمی کو بخشا جائے تو کیا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- زندہ آدمی کے لیے عمرہ اور طواف کا ثواب بخشنا جائز ہے اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

قال ابن عابدين: تحت هذه العبارة بعد ذكر ماله جعل ثوابها لغيره اى سواء كانت صلاة او صوما او صدقة او قراءة او ذكرا او طوافا او حجا او عمرة او غير ذلك. (رد المحتار ج۲ ص[illegible] مطلب في [illegible]) ـ ۳ه

له قال الحصكفي: (وجازت كل سنة) وندبت في رمضان (وكرهت) تحريما (يوم عرفة واربعة بعدها).

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۷۳ مطلب احكام العمرة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس في العمرة.

۲ه قال العلامة ابن عابدين: وندبت في رمضان وقد اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم اربع عمرات كلهن بعد الهجرة في ذي القعدة على ما هو الحق وتمام فيه. (رد المحتار ج۲ ص۴۷۲ مطلب احكام العمرة)

ومثله في التاتارخانية ج۲ ص۵۳۳ كتاب الحج باب العمرة.

۳ه قال ابن نجيم: ان من صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة، كذا في البدائع. (البحر الرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغير)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير.

حج بدل کے بعد کسی کے ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی حج بدل کے لیے گیا، حج بدل ادا کرنے کے بعد اُس نے اپنے والد مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے عمرہ کیا، تو کیا اس کا یہ عمرہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کرنے والے پر ادائیگی حج تک اپنے آمر کے فرمان کے مطابق ارکانِ حج ادا کرنے لازمی ہیں تاکہ آمر کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، بصورتِ مسئولہ میں اُس نے چونکہ پہلے حج بدل ادا کیا اور پھر ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کیا، اس طرح اس نے آمر کے حکم کی مخالفت نہیں کی اس لیے اس کا یہ عمرہ صحیح ہے۔

قال العالم بن العلاء الانصاریؒ: ابن سماعة عن محمدؒ المأمور بالحج اذا حج عن الآمر ثم احرم بعمرة ینفق من مال نفسه ما دام معتمرا فاذا انفق من مال الآمر ... (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص[illegible] الفصل الثانی عشر فی الحج عن الغیر) [1]

بیوی کی طرف سے عمرہ کرنا

سوال:۔ کیا صحت مند آدمی کی طرف سے عمرہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بیوی کی طرف سے خاوند کے عمرہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عمرہ اور نفل حج ہر شخص چاہے صحت مند ہو یا غیر صحت مند اور بیوی یا کسی اور کی طرف سے ادا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: بعبادة ما له جعل ثوابها لغیره (ای سواء کانت صلوٰة او صوماً او صدقة او قراءة او ذکراً او طوافاً او حجاً او عمرة وغیر ذلک.

(رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ مطلب فی اهداء ثواب الاعمال للغیر) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ولو امره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حج اولاً ثم اعتمر۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۶ مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)
ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن نجیمؒ: فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع۔
(البحر الرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغیر)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

کن ایام میں عمرہ کرنا منع ہے؟

سوال:۔ سال کے کون کون سے دنوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عمرہ سال بھر میں صرف پانچ دن کرنا مکروہ ہے۔ (۱) یوم العرفہ (۲) یوم النحر (۳) عید الضحیٰ کے بعد تین دن۔

قال الشیخ عبدالرحمٰن الجزائریؒ، قال الحنفیۃ: یکرہ الاحرام بالعمرۃ تحریماً فی یوم عرفۃ قبل الزوال وبعدہ علی الراجح وکذٰلک یکرہ الاحرام بہا فی یوم عید النحر وثلاثۃ ایام بعدہ۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۲ کتاب الحج ارکان العمرۃ)[1]

عمرہ کے کتنے ارکان ہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کرنا چاہتا ہو تو اس کیلئے کیا کیا کرنا ضروری ہے یعنی عمرہ کے ارکان کیا ہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عمرہ کے لیے ایک رکن (طواف) ایک شرط (احرام) اور سعی بین الصفا والمروۃ اور حلق یا قصر واجبات میں شامل ہیں عمرہ کرنے والے کے لیے ان امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

قال الشیخ عبدالرحمٰن الجزائریؒ، الحنفیۃ قالوا العمرۃ رکن واحد هو معظم الطواف اربعۃ اشواط اما الاحرام فهو شرط لها واما السعی بین الصفا والمروۃ فهو واجب کما تقدم فی الحج ومثل السعی الحلق او التقصیر فهو واجب۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۹ کتاب الحج ارکان العمرۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ۔ العمرۃ سنۃ وتصح فی جمیع السنۃ وتکرہ یوم عرفۃ ویوم النحر وایام التشریق۔

(مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص۱۴۶ کتاب الحج فی فصل العمرۃ)

ومثلہ فی شرح الوقایۃ ج۱ ص۲۵۹ کتاب الحج۔

[2] لما قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ۔ ورکن العمرۃ شیئان الاحرام والطواف بالبیت وواجبها شیئان السعی بین الصفا والمروۃ والحلق ولیس علیہ ما سوی ذلک من رمی الجمار

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیۃ ج۱ ص۳۰۲ فصل فی العمرۃ)

ومثلہ فی الهندیۃ ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ۔

ایامِ تشریق میں عمرہ کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص ایامِ تشریق میں عمرہ کرے تو کیا اس کا عمرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ عید الاضحیٰ اور ایامِ تشریق میں عمرہ کرنا شرعاً ممنوع یعنی مکروہ تحریمی ہے تاہم اگر ایامِ تشریق یا یوم النحر میں عمرہ کیا جائے تو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔

قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلیؒ: تکرہ یوم عرفة والنحر وایام التشریق.......... وبوادھا فیھا جاز مع الکراھیة کصلاة التطوع فی الاوقات الخمسة المکروھة۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۵۶ فصل فی العمرة)[1]

ارکانِ عمرہ میں تقدیم و تاخیر کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص عمرہ کے طواف اور سعی کے بعد حلق کرنے کی بجائے پہلے زیر ناف بالوں کی صفائی کرے اور پھر حلق کرے تو کیا اس پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جس طرح حج کے ارکان و واجبات میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے اور تقدیم و تاخیر کی وجہ سے دم لازم آتا ہے تو اسی طرح عمرہ میں بھی ترتیب کا خیال رکھا جائے اگر کہیں ترتیب ساقط ہو جائے تو دم دینا لازم ہوگا۔

لما قال المفتی عبد الرحیم لاجپوری: ہاں دم واجب ہوگا، پہلے سر منڈا کر پھر مونچھ یا دیگر مواضع کے بال کٹوانا چاہئیں الٹا کرنے سے دم لازم آئے گا، فتاوٰی سعدیہ میں ہے۔ (سوال) اگر کسی نے اہل بعمرة وطاف وسعی وحلق احد ابطیه ثم حلق رأسه وحلق ابطه الآخر ماذا یجب علیه افتونا (الجواب) یجب علیه دم والموجود ماشرح۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص۸۵ کتاب الحج)

---

[1] وفی الهندية: جمیع السنة وقت للعمرة الا خمسة ایام تکره فیها العمرة لغیر القارن وهی یوم عرفة والنحر وایام التشریق والاظهر من المذهب ما ذکرنا ولکن مع هذا لو ادّاها فی هذه الایام صح۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۲۳۷ باب السادس فی العمرة)

باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(روضۂ اقدس کی زیارت کے بیان میں)

حج یا عمرہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے جانا لازمی ہے

سوال:- جو شخص حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اس پر روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانا لازمی ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں بعض مندوب کہتے ہیں بعض واجب اور بعض واجب کے قریب کے قائل ہیں۔ علامہ شامیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وشرح مختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۵۲ باب الهدي) [1]

زیارت روضۃ النبی ﷺ کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:- جو شخص روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جانا چاہتا ہو تو مدینہ منورہ داخل ہونے سے قبل اسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:- جو شخص زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ کثرت سے درود پڑھے اور جب مدینہ طیبہ کی حدود یعنی شہر کی دیواریں نظر آنے لگیں تو درود شریف پڑھ کر یہ دعا مانگے: اللهم هذا حرم نبيك فاجعله وقاية لي من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب، اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کرکے اچھا لباس زیب تن کرکے خوشبو لگا کر تواضع اور وقار کے ساتھ داخل ہو کر یہ دعا پڑھے: بسم الله وعلى ملة رسول الله

---

[1] قال العلامة عبد الله بن محمود الموصليؒ: وهي من أفضل المندوبات والمستحبات يقرب من درجة الواجبات فانه صلى الله عليه وسلم حرض عليها وبالغ في الندب اليها۔ (الاختيار لتعليل المختار ج۱ ص[illegible] فصل في زيارة النبي)

ومثله في امداد الفتاوی ج۲ ص۱۶۹ کتاب الحج۔

رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ الخ

لما قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلیؒ: وینبغی لمن قصد زیارة النبی صلی الله علیه وسلم ان یکثر الصلوة علیه فقد جاء فی الحدیث انه یبلغه ویصلی علیه فاذا عاین حیطان المدینة یصلی علیه ویقول اللهم هذا حرم نبیك فاجعله وقایة لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعده ان امکنه ویتطیب ویلبس احسن ثیابه فهو اقرب الی التعظیم ویدخلها متواضعا علیه السکینة والوقار ویقول بسم الله وعلی ملة رسول الله رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ ... الی آخر الآیة۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارة قبر النبی علیه السلام)[1]

زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخلہ کے وقت دو رکعت پڑھنا

سوال: جو شخص زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخل ہو تو کیا وہ دو رکعت نماز پڑھے یا نہیں؟

الجواب: جو شخص زیارت کے لیے مسجد نبوی میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے دو رکعت نماز اگر ممکن ہو تو منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح پڑھے کہ منبر کے ستون اس کے دائیں طرف آجائیں ورنہ جہاں بھی موقع ملے نماز ادا کرے اور پھر سلام کیلئے روضۂ اطہر پر حاضر ہو۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلیؒ: ثم یدخل المسجد فیصلی عند منبره صلی الله علیه وسلم رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبه الایمن فهو موقفه صلی الله علیه وسلم وهو بین قبره ومنبره۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارة النبی صلی الله علیه وسلم)[2]

---

[1] وفی الهندیة: واذا توجه الی الزیارة یکثر من الصلوة والسلام علی النبی صلی الله علیه وسلم مدة الطریق... واذا عاین حیطان المدینة یصلی علیه ویقول اللهم هذا حرم نبیك فاجعله وقایة لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول وبعده ان امکنه ویتطیب ویلبس احسن ثیابه ویدخلها متواضعا علیه السکینة والوقار۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶۵ کتاب الحج، خاتمة فی زیارة قبر النبی)

[2] وفی الهندیة: ویصلی عند منبره رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبه الایمن وهو موقفه علیه السلام وهو بین قبره ومنبره ثم یسجد شکرا لله تعالی۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶۵ کتاب الحج، خاتمة فی زیارة قبر النبی)

حرمِ نبوی کی زیارت کے وقت کیا کرنا چاہیے

سوال:۔ روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مسجدِ نبوی میں داخل ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد جب قبر شریف کی زیارت کے لیے جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے قبلہ رخ مواجہ شریف سے تین چار ذراع (گز) دور اس طرح آرام سے کھڑا ہو جیسا کہ نماز کے لیے کھڑا ہوا جاتا ہے اور یہ تصور کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لحد انور میں آرام فرما ہیں اور اس کے آنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے اور آپ اس کے کلام کو سن رہے ہیں؛ اور پھر آہستہ سے سلام پیش کرے۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلي: ثم ينهض فيتوجه إلى قبره صلى الله عليه وسلم فيقف عند رأسه صلى الله عليه وسلم مستقبلا القبلة يدنو منه قدر ثلاثة أذرع أو أربعة ولا يدنو منه أكثر من ذلك.... ويقف كما يقف في الصلوة ويمثل صورته الكريمة البهية صلى الله عليه وسلم كأنه نائم في لحده عالم به يسمع كلامه. قال النبي صلى الله عليه وسلم من صلى عند قبري سمعته وفي الخبر أنه وكل بقبره ملك يبلغه سلام من سلم عليه من أمته..... ويقول السلام عليك يا رسول الله. (الاختيار لتعليل المختار ج۱ ص[illegible] فصل في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم)[1]

قانونی مجبوری میں مدینہ قیام کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

سوال:۔ اگر ملکی قانون کی وجہ سے حج کے دنوں میں وقت کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

---

[1] وفي الهندية: ثم ينهض فيتوجه إلى قبره صلى الله عليه وسلم فيقف عند رأسه مستقبل القبلة ثم يدنو منه ثلاثة أذرع أو أربعة ولا يدنو منه أكثر من ذلك ولا يضع يده على جدار التربة فهو أهيب وأعظم للحرمة ويقف كما يقف في الصلوة ويمثل صورته الكريمة البهية كأنه نائم في لحده عالم به يسمع كلامه ثم يقول السلام عليك يا نبي الله الخ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۶۵ كتاب الحج خاتمة في زيارة قبر النبي ﷺ)

الجواب:۔ جس کو روضۂ اقدس کی زیارت کرنے کی طاقت وقدرت ہو تو اس پر زیارت روضۂ اقدس کے لیے جانا قریب الی الوجوب رکھنا واجب ہے البتہ اگر کسی قانونی اور عذر شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو اس کا حج کامل اور صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ وزیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم مندوبۃ بل قیل واجبۃ لمن لہ سعۃ ویبدأ بالحج لو فرضاً ویخیر لو نفلاً ما لم یمر بہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۶۲۶ باب الھدی) لہ

اُسطوانۃ ابولبابۃ کے پاس دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا اُسطوانۃ ابولبابہ کے پاس دو رکعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر مستحب یہ ہے کہ اسطوانۃ ابولبابہ کے قریب دو رکعت نماز ادا کی جائے اور اپنے لیے مغفرت کی دعا کی جائے۔

قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ:۔ ثم یأتی أسطوانۃ أبی لبابۃ التی ربط نفسہ فیہا حتی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر ویصلی رکعتین ویتوب الی اللہ تعالیٰ ویدعو بما شاء۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۷ فصل زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم) لہ

لہ قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلی:۔ لانھا من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات فانہ صلی اللہ علیہ وسلم حرض علیہا وبالغ فی الندب الیہا قال من وجد سعۃ ولم یزرنی فقد جفانی۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ومثلہ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۰۵ مسائل حج۔

لہ وفی الھندیۃ: ثم یأتی أسطوانۃ ابی لبابۃ التی ربط نفسہ فیہا حتی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر فیصلی رکعتین ویتوب الی اللہ ویدعو بما شاء۔

{ الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۶۶ کتاب الحج خاتمۃ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم }

روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت صلوٰۃ وسلام کا طریقہ

سوال: جب کوئی شخص روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینۂ منورہ میں حاضر ہو تو وہ کن الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ جب کسی کو روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی توفیق عطا فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ روضۂ اطہر پر مواجہ شریف کے سامنے نہایت ادب و احترام سے کھڑا ہو جائے اور یہ تصور کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں آرام فرما رہے ہیں اور یہ بھی خیال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کر رہا ہے۔ اس کے بعد درمیانی آواز سے مؤدبانہ لہجے میں ان الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من خلق اللہ۔ السلام علیک یا حبیب اللہ۔ السلام علیک یا سید ولد آدم۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یا رسول اللہ انی اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد انک عبدہ ورسولہ۔ اشھد انک بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وکشفت الغمۃ فجزاک اللہ خیرا جزاک اللہ عنا افضل ما جزی نبیا عن امتہ۔ اللھم اعط سیدنا عبدک ورسولک محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد وانزلہ المنزل المقرب عندک انک سبحانک ذو الفضل العظیم۔

(قرۃ العیون الشھیر بفتاوی حرمین ص [illegible])

کتاب
النکاح

هو الذی خلقکم من
نفس واحدة وجعل منها
زوجها لیسکن الیها

باب آداب النکاح وشرائطہ

(نکاح کے آداب وشرائط)

خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا چاہیئے

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ نکاح (ایجاب وقبول) کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے، کیا خطبہ ایجاب وقبول سے قبل پڑھنا چاہیئے یا بعد میں؟

الجواب:۔ نکاح باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول کا نام ہے، البتہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا ایک استحبابی عمل ہے اس لیے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جائے بعد میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ویندب اعلانہ وتقدیم خطبة. (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۳ کتاب النکاح)

لفظ "نکاح" کے بجائے "بیع" کا لفظ کہنے سے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر نکاح کے وقت لفظ نکاح کے بجائے بیچنے وغیرہ کے الفاظ کہہ دیئے جائیں تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خرید وفروخت اور بیچنے وغیرہ کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال کیے جائیں تو نکاح بلا اختلاف صحیح ہے۔

قال ابن نجیمؒ: فینعقد النکاح بلفظ الہبة والعطیة والصدقة والتملیک والتملیک والجعل والبیع والشراء علی الاصح. (البحرالرائق ج۳ ص۸۵ کتاب النکاح)[2]

---

[1] قال ابن نجیم رحمہ اللہ: وفی المجتبی یستحب ان یکون النکاح ظاہراً وان یکون قبلہ خطبة. (البحرالرائق ج۳ ص۸۶ کتاب النکاح)
(ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۳۲ البحث الخامس سنن عقد النکاح)

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ وکل ما تملک بہ الرقاب) کالجعل والبیع والشراء فانہ ینعقد بہا ...... ثم قال ہنا: حاصل ما فی الفتح وملخصہ انہ لا ینعقد بلفظ الاباحة .... النکاح مع قرینة او تصدیق القابل للموجب .... المراد ..... (ردالمحتار ج۳ ص۱۸ کتاب النکاح)
ومثلہ فی الہندیة ج۱ ص۲۷۰ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح وما لا ینعقد بہ)

نکاح کے لیے عورت کی زبان پر اعتماد کرنا

سوال:- ایک لڑکی نے بیان دیا کہ میں بالغ ہو چکی ہوں اور اس سے پہلے میرا کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ہے تو کیا اس کے اس اقرار پر اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کے لئے مفید ہو تو اس کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ایسی حالت میں اس سے نکاح درست رہے گا بشرطیکہ بالغہ عاقلہ ہو۔

قال ابن عابدین: قالت ارتددت او نكحت بعد النكاح وسعه ان يعتمد على خبرها و يتزوجها وان اخبرت بالحرمة بأمر عارض بعد النكاح من رضاع طارئ او نحو ذلك فان كانت ثقة او نحو ذلك فان كانت ثقة او غير ثقة ووقع في قلبه صدقها فلا بأس بان يتزوجها. (رد المحتار ج۲ ص۶۲۹) ۱

رشتہ منظور ہے سے نکاح کے انعقاد کا حکم

سوال:- لڑکی کے والد نے لڑکے کو دیکھتے وقت کہا کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے تو کیا یہ الفاظ کہنے سے نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟

الجواب:- اگر لڑکی کے والد نے ایجاب وقبول کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے ہوں تو شرعاً نکاح منعقد ہو چکا ہے، اگر لڑکی نابالغ ہے تو خیار بلوغ بھی حاصل نہیں اور اگر بالغ ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر ان الفاظ سے فقط وعدۂ نکاح مقصود ہو تو پھر شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا۔

قال ابن عابدین: تحت قوله اذ لم يرد به الاستقبال، وقال في شرح الطحاوي لو قال هب ابنتك لي فقال اعطيت ان كان المجلس للوعد فوعد وان كان للعقد فنكاح۔

(رد المحتار ج۳ ص... کتاب النکاح) ۲

---

۱ قال الحصکفی: وحاصله انه متى اخبرت بأمر محتمل فان ثقة او وقع في قلبه صدقها لا بأس بتزوجها وان بأمر مستنكر لا ما لم يستفسرها. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۹۸)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۱۰۹ کتاب النکاح فصل فی المحرمات۔

۲ قال الحصکفی رحمہ اللہ: وينعقد متلبسا بايجاب من احدهما وقبول من الآخر۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۹ کتاب النکاح)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح۔

بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کسی بالغ لڑکی اور لڑکے کے درمیان گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہو جائے تو کیا یہ شرعی نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے باقاعدہ دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے اس لیے اگر مجلس نکاح میں گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہو جائے تو بے سود ہے شرعاً ایسے معاہدہ نکاح کو نکاح نہیں کہا جا سکتا۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وهو الاشهاد فلم يصح بغير شهود لحديث الترمذي البغايا اللاتي ينكحن انفسهن من غير بينة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۹ کتاب النکاح) [1]

اثبات نکاح کیلئے شہادت بالتسامع کافی ہے

سوال:۔ کیا نکاح کے ثبوت کیلئے ان لوگوں کی گواہی قبول ہو سکتی ہے جو نکاح کے وقت حاضر نہ ہوں بلکہ دوسروں سے نکاح کی خبر سن کر گواہی دیں؟

الجواب:۔ اثبات نکاح کے لیے جو گواہی دی جاتی ہے اس کے لیے گواہوں کا مجلس نکاح میں حاضر ہونا ضروری نہیں بلکہ ثبوت نکاح کے لیے شہادت بالتسامع بھی کافی ہے بشرطیکہ اتنے لوگوں سے نکاح کے انعقاد کی سماعت ہو چکی ہو جن کا جھوٹ بولنے پر اتفاق کرنا متصور نہ ہو۔

قال فی الهندیة: الشهادة بالشهرة والتسامع تقبل فی اربعة اشياء بالاجماع وهی النكاح والنسب والموت والقضاء كذا فی المحيط السرخسی۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۲۹۷) [2]

---

[1] وهو حديث صحيح روی مرفوعاً وموقوفاً قاله العثمانیؒ۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۷)

قال فی الهندیة: ومنها الشهادة۔ قال عامة العلماء انها شرط جواز النكاح هكذا فی البدائع۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح الباب الاول فی تفسيره شرعاً)

ومثله فی فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۳۲۱،۳۲۲ فصل فی شرائط النکاح۔

[2] قال الکاسانیؒ: فلا تحل الشهادة بالتسامع الا فی اشياء مخصوصة وهی النكاح والنسب والموت فانه تحل الشهادة فيها بالتسامع من الناس وان لم يعاين بنفسه۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۶۶)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۸۹ کتاب النکاح۔

نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ بنانا مستحب ہے

سوال: عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت دو گواہوں کی موجودگی مستحب ہے البتہ نکاح پڑھاتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

قال ابن نجیم المصری: ولا یشترط الاشہاد علی التوکیل۔ (البحرالرائق ج ۳ ص۱۴۳ باب نکاح)[1]

بذریعہ دف نکاح کا اعلان کرنا

سوال: نکاح کا اعلان دف کے ذریعے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نکاح کی تشہیر و اعلان سنت ہے پھر دیگر ممنوعات شرعیہ سے خالی ہونے کی صورت میں دف کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے۔

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اعلنوا ھذا النکاح ...... الخ

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح)[2]

جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھ کر بلا عذر شرعی ان کا نکاح نہ کرنا

سوال: کیا جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھنے اور بلا کسی شرعی رکاوٹ کے ان کے نکاح نہ کرنے سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متأثر ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: کفو ملنے کی صورت میں جوان بیٹیوں کا نکاح جلد از جلد کر دینا ضروری ہے تاہم

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: واعلم انہ لا تشترط الشہادۃ علی الوکالۃ بالنکاح بل علی عقد الوکیل وانما ینبغی ان یشہد علی الوکالۃ اذا خیف جحد الموکل ایاھا۔ (رد المحتار ج ۳ ص۱۵ باب الکفاءۃ مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵۲ کتاب النکاح فصل واما شرائطہ۔

[2] قال الشیخ طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ: وفی الخانیۃ: بانہ لا باس بان یکون فی العرس دف یضرب بہ لیشتہر ویعلن النکاح ...... وفی الذخیرۃ لا باس بضرب الدف فی العرس والولیمۃ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص۳۴۹ ...) ومثلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص۱۹۱ کتاب الکراھیۃ قبیل فصل فی اللبس۔

موزوں رشتہ کی تلاش میں تاخیر ہوجانا ممنوع نہیں اور اس سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متاثر نہیں ہوتی البتہ موزوں رشتہ ملنے کی صورت میں سازگار حالات کے باوجود بیٹیوں کو رسمی غیرت کی وجہ سے نکاح سے محروم رکھنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ (سورۃ النور آیت ۳۲)

قال ابن عابدین: ویزوجها کفوًا فان خطبها الکفو لا یؤخرها وهو حسن مسلم تقی۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۵ کتاب النکاح)[1]

رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھنا جائز ہے

سوال: ایک بالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تو رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب: بالغہ عورت کے نکاح کا حکم یہ ہے کہ جب دوسرا کوئی شخص (سرپرست یا والد) اس کا نکاح کسی سے کر دے اور اس کو خبر پہنچے پھر وہ آ کے رد نہ کرے بلکہ رضامندی ظاہر کرے تو نکاح درست ہے، تاہم رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز اور مستحسن ہے۔

قال فی الهندیة: لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من أب وسلطان بغیر إذنها بكرا كانت او ثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل كذا فی السراج الوهاج ولو ضحکت البکر عند الاستئمار ... الخ

---

[1] وعن علی رضی اللہ عنہ مرفوعًا: ثلاث لا تؤخر: الصلوٰۃ اذا أتت والجنازة اذا حضرت والأیم اذا وجدت لها کفوًا۔ خرجه الترمذی والحاکم باسناد ضعیف۔ قلت حسنه السیوطی فی الجامع الصغیر وصححه الحاکم والذهبی کلاهما فی المستدرک۔
(اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۲ فصل فی الکفاءۃ باب من له ولاية الكفاءة وجواز النكاح)

وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثما فاثم ذلک علیه۔ رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۷۱ کتاب النکاح)

فهو صحيح (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۸۲ الباب الرابع في الاولياء) ۔

منگنی ہو جانے کے بعد کسی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال: ایک لڑکی کی باقاعدہ منگنی ہو چکی ہے جبکہ اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہے، کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر منگنی کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہوا ہو تو یہ فقط وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں، لہٰذا اس لڑکی کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے، البتہ وعدے کی خلاف ورزی کرنا مروت کا تقاضا نہیں جس کی وجہ سے گناہ لازم ہے۔

قال ابن عابدين: (تحت قوله [illegible] للمستقبل) قال في شرح الطحاوي: لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۱ كتاب النكاح)[1]

صرف وعدۂ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال: بعض علاقوں میں منگنی کی رسومات کی ادائیگی پر کافی خرافات کیے جاتے ہیں لیکن کوئی باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوتا ہے، کیا ایسی رسومات کی ادائیگی کو نکاح کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: نکاح نام ہے گواہوں کے سامنے باقاعدہ ایجاب وقبول کرنے کا، چونکہ منگنی کی جملہ رسومات میں باقاعدہ طور پر ایجاب وقبول کا اہتمام نہیں ہوتا صرف رشتہ دینے یا

---

[1] قال العلامة الحصكفي: فإن استأذنها هو أي الولي وهو السنة أو وكيله أو رسوله أو زوجها وليها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل فسكتت عن رده مختارة أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت ... فهو إذن. (ثم قال بعد أسطر) ولذا استحسنوا التجديد عند الزفاف لأن الغالب أنها تخبر عند طلب التمتاع. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۳ ص [illegible] كتاب النكاح)
ومثله في البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۱ كتاب النكاح۔

[2] قال العلامة الحصكفي: وينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۳ ص ۹ كتاب النكاح)
ومثله في البحر الرائق ج ۳ ص ۸۳ كتاب النكاح۔

لینے کا وعدہ ہوتا ہے اس لیے صرف ان رسومات کے ادا کر لینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور نہ اس پر شرعی ازدواجی احکام جاری ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ اذا عریٰ عن الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیت إن کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔
(رد المحتار ج ۳ ص ۱۱ کتاب النکاح) ؎۱

بالغہ عورت سے زبردستی کئے گئے نکاح کا حکم

سوال:- اگر کسی عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو کیا جبر و اکراہ سے کئے گئے ایجاب وقبول سے شرعاً نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر عاقلہ بالغہ عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو چونکہ اس میں بھی تو جبراً اس عورت کی رضامندی شامل ہے اس لیے اس صورت میں شرعاً نکاح منعقد ہو جائے گا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ لیتحقق رضاهما) ای لیصدر منهما ما من شأنه ان یدل علی الرضاء اذ حقیقۃ الرضاء غیر مشروطۃ فی النکاح لصحته مع الاکراه والهزل۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱ کتاب النکاح) ؎۲

بالغہ عورت کو نکاح کیلئے مجبور نہیں کیا جاسکتا

سوال:- کیا کسی عاقلہ بالغہ عورت کو شادی پر مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے زبردستی اس کا نکاح کسی مرد سے کر دیا جس سے وہ عورت انکاری ہو تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- نکاح مسلمان مرد وعورت کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے اس میں

؎۱ قال ابن نجیمؒ: ولو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیتك ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۸ کتاب النکاح)
ومثلہ فی الهندیۃ ج ۱ ص ۲۷۰ کتاب النکاح الباب الاول فی تفسیرہ شرعاً۔ الخ

؎۲ وقال الطوریؒ: وفی المبسوط فکل تصرف یصح مع الهزل کالطلاق والعتاق والنکاح یصح مع الاکراه۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۶۹ کتاب النکاح)
ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۶۹ کتاب النکاح۔

کسی بالغہ عورت کو شرعاً مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ نکاح میں اس کی رضامندی ضروری ہے بغیر اسکی رضامندی کے اگر نکاح کیا جائے تو وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیم تحت قول صاحب الکنز ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح ای لا ینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا انتهی (البحر الرائق ج۳ ص۱۱۷ باب الاولیاء والاکفاء) لـه

بالغہ کی اجازت سے والد کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہے

سوال:- باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا اور نکاح کے بعد اس نے بیٹی کو خبر دی کہ میں نے تیرا نکاح فلاں لڑکے سے کر دیا ہے اس پر اس کی بیٹی نے صرف یہ کہا کہ کم از کم مجھ سے تو پوچھ لیتے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ خبر چلی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح نافذ ہے؟ اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- بالغہ بیٹی کے نکاح کے لیے باپ کو بیٹی سے اجازت لینا ضروری ہے مگر لاعلمی میں باپ نے بالغہ بیٹی کا نکاح کر دیا اور پھر باپ نے جب اپنی بالغہ بیٹی کو اس نکاح کی خبر دی اور اس نے رد نہیں کیا تو یہ نکاح اب لازم اور منعقد ہے اور بالغہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی تاہم اگر وہ پہلے سے رد کرتی تو اسے یہ حق حاصل تھا۔

قال صاحب الکنز: فان استأذنها الولی فسکتت او ضحکت او زوجها فبلغها الخبر فسکتت فهو اذن۔ (کنز الدقائق ج۲ ص۱۱ کتاب النکاح)

لـه قال فی الهندیة: لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ کتاب النکاح)

وقال العلامة العثمانی رحمه الله: روی عن ابن عباسؓ ان جاریة بکرا اتت النبی صلی الله علیه وسلم فذکرت ان اباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلی الله علیه وسلم، رواه احمد ورجاله ثقات وقال ابن القطان صحیح۔ (درایہ ص۲۴۲)۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۶۵ کتاب النکاح)

قال ابن نجیم: والسنة ان یستأمر البکر ولیها قبل النکاح ... وان زوجها بغیر استئمار فقد اخطأ السنة وتوقف علی رضاها ... فی حدیث مسلم لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا یا رسول الله وکیف اذنها قال ان تسکت، فهو بیان السنة للاتفاق علی انها لو صرحت بالرضا بعد العقد نطقا فانه یجوز۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۱۷ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء۔

نکاح کا شرعی حکم

سوال:- شریعت مقدسہ میں نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرض ہے، واجب ہے یا سُنّت؟

الجواب:- نکاح کرنا تمام انبیاء کرام کی سُنّت ہے، جو شخص نکاح کے جملہ حقوق ادا کر سکتا ہو تو اس کو نکاح کر لینا چاہیئے، اور اگر شہوت کا غلبہ ہو تو واجب جبکہ خوف زنا کے وقت فرض ہو جاتا ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکون ای النکاح واجباً عند التوقان فان تیقن الزنا الا به فرض نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بتركه، بدائع ویکون سنة مؤكدة فى الاصح۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۸ تا ۲۵۹ کتاب النکاح)[1]

نکاح نفلی عبادات سے بہتر ہے

سوال:- کیا احناف کے ہاں نکاح کرنا افضل ہے یا نفل عبادت کرنا؟

الجواب:- حنفیہ کثر اللہ سوادہم کے ہاں جو شخص بیوی کے نان و نفقہ کی طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا نفل عبادت کرنے سے افضل ہے، البتہ شوافع کے ہاں نفل عبادت نکاح سے افضل ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قالوا إن الاشتغال به ای بالنكاح افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال به وما یشتمل علیه من القیام بمصالحه واعفاف النفس عن الحرام وتربية الولد ونحو ذلك۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۵۸ کتاب النکاح)[2]

اسلام میں بیک وقت تعددِ ازواج کا حکم

سوال:- اسلام نے ایک مرد کے لیے بیک وقت کتنی بیویاں جمع کرنے

---

[1] وقال فی الهندية: واما صفته فهو انه فی حالة الاعتدال سنة مؤكدة وحالة التوقان واجب وحالة خوف الجور مكروه۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح، فصل اول)

[2] قال العلامة ابوبكر الكاسانیؒ: وعلى هذا الاصل بنى اصحابنا من قال منهم ان النكاح فرض او واجب لان الاشتغال به مع اداء الفرائض والسنن اولى من التخلی لنوافل العبادات مع ترك النكاح وهو قول اصحاب الظواهر۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹ کتاب النکاح)

کی گنجائش رکھی ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے بشرط عدل ومساوات ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فانکحوا ما طاب لکم۔ ای تزوجوا ما بمعنی من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع (ولا تزیدوا علی ذلک)۔ (تفسیر جلالین ص۶۹ سورۃ البقرۃ)[1]

دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی کی اجازت کا مسئلہ

سوال:۔ کیا دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں مرد کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ان کے درمیان عدل ومساوات قائم رکھ سکتا ہو اس کے علاوہ کسی بھی شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ باب المحرمات)[2]

خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنا گناہ ہے

سوال:۔ اگر قاضی نکاح کا خطبہ پڑھ رہا ہو اور لوگ آپس میں باتوں میں مشغول ہوں تو کیا وہ لوگ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر ولہ التسری بما شاء من الاماء۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ فصل فی المحرمات)

ومثلہ فی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۷ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامۃ المرغینانیؒ: وللحر ان یتزوج اربعاً من الحرائر والاماء ولیس لہ ان یتزوج اکثر من ذلک لقولہ تعالیٰ: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔
(الهدایۃ ج۲ ص۳۱۴ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر جلالین ص۶۹ سورۃ البقرۃ۔

الجواب:۔ ہر خطبہ چاہے وہ نکاح کا ہو یا عیدین و جمعہ کا، سننا واجب ہے اور جو شخص وجوب کو قصداً ترک کرے تو گنہگار ہوگا، اسی طرح خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنے والے لوگ بھی گنہگار ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح وخطبۃ عید وختم علی المعتمد۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۶۱۹ کتاب الصلوٰۃ مسائلہ)

عدالتی نکاح (کورٹ میرج) کا شرعی حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکا اور لڑکی نے اپنے ورثاء اور اولیاء کو بتائے بغیر چپکے سے عدالت میں جا کر کورٹ میرج (نکاح) کر لیا جبکہ مجلس نکاح میں سرکاری خطیب صاحب کے علاوہ صرف دو اور آدمی بطور گواہ موجود تھے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس نکاح سے لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں ذکر ہے کہ عقد نکاح خوب ظاہر کرکے علی الاعلان کیا جائے، چپکے سے بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کو شریعت مقدسہ نے باطل قرار دیا ہے۔ چونکہ صورت مسئولہ کے مطابق اس نکاح میں لڑکا لڑکی کے علاوہ سرکاری خطیب اور دو آدمی اور بھی بطور گواہ شریک تھے اس لیے یہ نکاح جائز اور درست ہے مگر کراہت سے خالی نہیں، تاہم اس عقد نکاح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں۔

کما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: الجواب: نکاح سر کہ ممنوع و باطل است آں است کہ در شاہدین علاوہ ناکح و منکوحہ نباشند و اگر شاہدین یا شہود حاضر باشند اینچنیں نکاح نکاح سر یا باطل نباشد البتہ خالی از کراہت نباشد۔ لان السنۃ فی النکاح الاعلان ولذا شرع فیہ الدف ونحوہ وفی الحدیث الفرق بین الحلال والحرام الدف ولان فیہ القاء نفسہ فی التہمۃ ویتہمہ بالتہمۃ من لم یعلم بالنکاح وان الشرع نہی عن مواضع التہم۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۲۴۳)

بالغ اولاد کا نکاح کرنا والدین کی ذمہ داری ہے

سوال:۔ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ والدین کا یہ فرض ہے کہ

لہ قال العلامۃ ابن ہمامؒ رحمہ اللہ: وہذہ فروع تتعلق بالخطبۃ وقد مر منہا فی باب صفۃ الصلوٰۃ ویتعین ان لا یؤتی منہا ما لیس فیہ یحرم فی الخطبۃ الکلام وان کان امراً بمعروف او تسبیحاً والاکل والشرب والکتابۃ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۴ کتاب النکاح)

جب اولاد بالغ ہو جائے تو ان کا نکاح کریں، کیا واقعی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہو جائے تو والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی شادی کا انتظام کریں اور اگر بغیر کسی شرعی عذر کے نہ کیا اور وہ کسی معصیت میں مبتلا ہو گئے تو والدین بھی اس گناہ میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے۔ اس لیے عوام الناس کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔

عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول اللہ ﷺ من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثماً فانما اثمہ علی ابیہ۔[1]

(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح، باب الولی)

بیوہ کے نکاح ثانی کا حکم

سوال:۔ پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جس بیوہ کا چھوٹا بچہ ہو تو اس کے لیے نکاح ثانی کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے تو کیا بیوہ عورت کا چھوٹے بچے کی وجہ سے نکاح ثانی نہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کرنا یا نہ کرنا انسان کا ذاتی عمل ہے، بیوہ کو عدت وفات کے بعد دوسرا نکاح کرنے کی شرعاً اجازت ہے اس کو رواج یا رسم کی وجہ سے نہ روکا جائے تاہم اگر کوئی بیوہ عورت اپنی اولاد کی پرورش کے لیے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان امرأۃ قالت یا رسول اللہ ان ابنی ہذا کان بطنی لہ وعاء وثدیی لہ سقاء وحجری لہ حواء وان اباہ طلقنی واراد ان ینتزعہ منی فقال علیہ السلام انت احق بہ ما لم تنکحی۔ رواہ احمد وابوداؤد۔[2]

(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۹۳ کتاب النکاح، باب ...)

---

[1] وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجہا فاصابت اثماً فاثم ذلک علیہ رواہما البیہقی فی شعب الایمان۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح، باب الولی)

[2] وفی الہندیۃ: وان تزوجت الام بزوج آخر وتمسک الصغیرۃ معہا ام الام فی بیت الراب فللاب ان یاخذھا منہا صغیرۃ عند جدۃ الغلام ... فلعماتہا ان تاخذھا منہا اذا طہرت ...

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)

لڑکیوں کے نکاح میں بلا وجہ تاخیر کرنا گناہ ہے

سوال:- بعض لوگ مالدار داماد نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیوں میں تاخیر کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- احادیث مبارکہ میں نکاح میں تعجیل کی ترغیب دی گئی ہے جس کی وجہ سے بالغ لڑکے لڑکیوں کا نکاح جلدی کرنا چاہیئے، محض دنیاوی اغراض اور رسم و رواج کی وجہ سے تاخیر کرنا موجب گناہ ہے۔

قال علیہ السلام: من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح) له

کیا لڑکی کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے

سوال:- اگر والدین نے اس بات کی وصیت کی ہو کہ ان کی لڑکی کا نکاح فلاں مرد سے کردیا جائے لیکن کسی وجہ سے لڑکی اس مرد سے نکاح نہیں کرتی تو کیا لڑکی کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے؟

الجواب:- بالغ مرد و عورت اپنے نفس کے خود حقدار ہیں، صورت مسئولہ میں اگر کسی وجہ سے لڑکی والدین کی وصیت پر عمل نہیں کرتی تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسری جگہ نکاح اس سے متاثر نہ ہوگا، اور اگر لڑکی نابالغ ہو تو یہ حق اس کے ورثاء کو حاصل ہے۔

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الثيب احق بنفسها من وليها والبكر تستاذن في نفسها واذنها صماتها۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۰ باب الولی فی النکاح واستئذان المرأۃ) ؎

له قال عليه السلام من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك عليه۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح)

؎ قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي) والاصل ان كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (وله) اي للولي (اذا كان عصبة الاعتراض في غير كفو) ...... (ويفتى) في غير الكفو (بعدم جوازه اصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفو الخ

(الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۲۲۲ کتاب النکاح، باب الولی)

ومثله في الهداية ج۲ ص۲۹۳ باب في الاولياء والاكفاء۔

مجلسِ نکاح میں لڑکی کا نام لینا

سوال:- کیا نکاح کے انعقاد کے وقت لڑکی کا نام مجمع کے سامنے لینا ضروری ہے یا بغیر نام لیے بھی نکاح صحیح ہو جائے گا؟

الجواب:- نکاح کے انعقاد کے لیے لڑکی کا امتیاز ضروری ہے، یہ امتیاز چاہے نام سے حاصل ہو یا اشارہ سے یا دیگر صفات سے حاصل ہو جائے جس کے بعد کوئی کوئی شبہ نہ رہے، صرف نام لینا ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قلتُ و ظاهرہ انھا لو جرت المقدمات علی معینۃ وتمیزت عند الشھود ایضاً یصح العقد وھی واقعۃ الفتوٰی لان المقصود نفی الجھالۃ وذٰلک حاصل بتعینھا عند العاقدین والشھود وان لم یصرح باسمھا۔

(رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب النکاح)[1]

نکاح میں ایجاب و قبول کا تین بار دہرانا ضروری نہیں

سوال:- ہمارے علاقے کے نکاح خواں حضرات نکاح باندھتے وقت ایجاب و قبول کے الفاظ تین مرتبہ دہراتے ہیں، کیا یہ امر مستحب ہے یا ضروری ہے؟

الجواب:- نکاح کا انعقاد نفس ایجاب و قبول کے صرف ایک مرتبہ کرنے سے ہو جاتا ہے، تین مرتبہ دہرانا ضروری نہیں اور نہ یہ امر مستحب ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد بلفظین یعبر باحدھما عن الماضی وبالآخر عن المستقبل ان یقول زوجنی فیقول زوجتک ..... الخ (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: لابد من تمییز المنکوحۃ عند الشاھدین لتنتفی الجھالۃ فان کانت حاضرۃ منتقبۃ کفی الاشارۃ الیھا ------ ان کانت المرأۃ فی البیت وحدھا جاز النکاح لزوال الجھالۃ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وینعقد بایجاب وقبول وضعا للمضی او احدھما۔ الخ

(کنز الدقائق علی ھامش بحر الرائق ج۳ ص۸۴ کتاب النکاح)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۰ کتاب النکاح، الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح۔ الخ

ثیبہ (مطلقہ) عورت سے نکاح ثانی کیلئے اجازت بالقول کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کا پہلے نکاح ہو چکا ہو پھر شوہر نے اُسے طلاق دیدی ہو تو کیا دوسرے نکاح کے لیے اُس سے اجازت بصورت سکوت صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ثیبہ عورت جب دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہو تو اجازت دیتے وقت زبان سے کہنا ضروری ہے اس کا سکوت وغیرہ اجازت کے قائم مقام نہیں، یہ حکم صرف باکرہ لڑکی کے ساتھ مختص ہے۔

عن ابی ھریرۃ ؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستأذنہا ابوہا فی نفسہا واذنہا صماتہا۔ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۷ باب الولی فی النکاح واستئذان المرأۃ) [۱]

زفاف (پہلی ملاقات) کے وقت دُعا پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! زفاف کے وقت کون سی دعا پڑھنی چاہیئے ؟

الجواب:۔ جب کوئی آدمی شادی کرے تو پہلی ملاقات میں سُنت یہ ہے کہ بیوی کے پیشانی کے بال پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا مانگے اور بسم اللہ پڑھ کر یہ دُعا مانگے: اللّٰھم انی اسئلک خیرہا وخیر ما جبلتہا علیہ واعوذ بک من شرہا وشر ما جبلتہا علیہ۔ اور جب جماع کا ارادہ ہو تو یہ دُعا پڑھے بسم اللہ اللّٰھم

---

[۱] قال العلامۃ علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ: (فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل من تصرف فی مالہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا (وله) ای للولی (اذا کان عصبۃ) الاعتراض فی غیر الکفو ...... (ویفتی) فی غیر الکفو (بعدم جوازہ اصلاً) وھو المختار للفتوی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقۃ ثلاثاً نکحت غیر کفو الخ۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۳۲ کتاب النکاح باب الولی)

ومثلہ فی الھدایۃ ج ۲ ص ۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

جَنِّبْنَا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما لو ان احدھم یقول حین یأتی اھلہ بسم اللہ اللّٰھم جنبنی الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا ثم قدر بینھما فی ذٰلک او قضی ولد لم یضرہ شیطٰن ابدًا۔
(صحیح البخاری ج۲ ص۷۷۶ کتاب النکاح۔ باب ما یقول الرجل اذا اتی اھلہ) ؎۱

نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا

سوال:۔ نکاح کے انعقاد کے وقت وکیل نے غلطی سے اصل لڑکی کے نام کی بجائے اس کی دوسری بہن کا نام لیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب نکاح کس کے ساتھ منعقد ہوگا؟

الجواب:۔ مجلس نکاح میں جب کوئی ممیز اشارہ وغیرہ نہ ہو جس کی وجہ سے اصل لڑکی دوسروں سے الگ ہو، صورت مسئولہ میں وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اسی کے ساتھ ہوا ہے اس لیے اب اصل لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح باندھا جائے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: غلط وکیلھا بالنکاح فی اسم ابیھا بغیر حضورھا لم یصح للجھالۃ وکذا لو غلط فی اسم بنتہ الا اذا کانت حاضرۃ واشار الیھا فیصح ولو لہ بنتان اراد تزویج الکبریٰ فغلط فسماھا باسم الصغریٰ صح للصغریٰ خانیہ۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۲۶ کتاب النکاح) ؎۲

؎۱ اخرج امام الترمذی رحمہ اللہ، عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان احدکم اذا اتی اھلہ قال بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا فان قضی اللہ بینھما ولدا لم یضرہ الشیطان۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۲۰۷ ابواب النکاح۔ باب ما جاء فیما یقول اذا دخل علی اھلہ)

؎۲ قال العلامۃ قاضی خانؒ: امرأۃ وکلت رجلا بان یزوجھا فزوجھا وغلط فی اسم ابیھا لا ینعقد النکاح اذا کانت غائبۃ۔ رجل لہ ابنۃ واحدۃ واسمھا عائشۃ فقال الاب وقت العقد زوجت منک ابنتی فاطمۃ لا ینعقد النکاح بینھما ولو کانت المرأۃ حاضرۃ فقال الاب زوجتک ابنتی فاطمۃ ھذہ واشار الی عائشۃ وغلط فی اسمھا وقال الزوج قبلت جاز النکاح۔
(فتاویٰ قاضیخان علیٰ ھامش الھندیۃ ج۱ ص۳۳۲ کتاب النکاح)
ومثلہ فی احسن الاحکام ج۲ ص۲۳ کتاب النکاح۔

بیوی کو خاوند کے پاس جانے سے روکنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! میری شادی [illegible] ہے، مجھے سسرال والوں نے میری بیوی کو اپنے پاس روک رکھا ہے اور اسے میرے گھر نہیں آنے دیتے۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- جب ایک مرتبہ کسی لڑکی اور لڑکے کا نکاح ہو جائے تو وہ لڑکی شوہر کے تابع ہے والدین کو شرعاً یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو بلا وجہ روکیں، تاہم شوہر کو بھی بیوی کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھتے ہیں:-

"الجواب:- بے وجہ لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجنا والدین کو کچھ حق نہیں ہے، والدین دختر بسبب روکنے اپنی دختر کے گنہگار ہیں، ان کو لازم ہے کہ اس سے توبہ کریں اور لڑکی کو اس کے شوہر کے پاس بھیجیں اور لڑکی کو لازم ہے کہ اس بارہ میں وہ والدین کی اطاعت نہ کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے کیونکہ اس بارہ میں شوہر کی اطاعت زوجہ کو مقدم ہے۔" فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۸ ص ۲۵۰ کتاب النکاح)[1]

رخصتی میں تاخیر کا حکم

سوال:- ایک لڑکی کا نکاح صغر سنی میں ہوا تھا اب وہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے لیکن اس کے والدین ابھی تک رخصتی سے انکار کر رہے ہیں، کیا شرعاً ان کو یہ حق حاصل ہے؟

الجواب:- رخصتی کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں، جب لڑکی جماع کے قابل ہو جائے تو شوہر اس کو اپنے گھر لا سکتا ہے والدین کو منع کرنے کا حق نہیں اور اگر لڑکی جماع کے قابل نہ ہو تو اس صورت میں رخصتی سے منع کیا جا سکتا ہے۔[2]

قال ابن عابدین: وقدره [illegible] بتسع [illegible] وقيل لا تطيق الوطء لا تسلم الى الزوج حتى تطيقه والصحيح انه غير مقدر بالسن بل يفوض الى القاضي بالنظر اليها من سمن او هزال۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۹۵ باب القسم مطلب)

---

[1] قال ابن عابدین: فللزوج ان يسكنها حيث احب ولكن بين جيران صالحين. (رد المحتار ج ۳ ص ۶۰۰ باب النفقة)

[2] وفي الهندية: وان اختلف الزوج مع ابيها وطلب من القاضي ان يأمر المرأة بتسليمها فقال ابوها انها صغيرة لا تصلح للرجال ولا تطيق الجماع وقال الزوج بل هي تصلح وتطيق ينظر ان كانت ممن تخرج اخرجها واقعدها وينظر اليها فان صلحت للرجال امر بدفعها الى الزوج وان لم تصلح لم يأمره۔

(الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۲۸۷ الباب الرابع في الاولياء)

ومثله في البحر الرائق ج ۳ ص ۱۲۰ كتاب النكاح، باب الاولياء والاكفاء۔

فلا بأس بأن تعتد ثم تتزوج۔ (الهداية ج ۴ ص ۴۴۲ كتاب الكراهية) ۔ لـه

نکاح میں نان ونفقہ نہ دینے کی شرط لگانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بوقت نکاح یہ شرط لگائے کہ میں بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہ ہوں گا، کیا شرعاً یہ شرط درست ہے؟ اور اگر اس شرط پر نکاح ہوگیا تو شوہر بیوی کے نان ونفقہ سے بری ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو ناقابل عمل اور باطل ہے۔ اور اس شرط پر کیا گیا نکاح فی ذاتہ جائز اور درست ہے اور شرط کالعدم ہونے کی وجہ سے شوہر پر بیوی کے جملہ حقوق مثلاً نان ونفقہ وغیرہ لازم ہوں گے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: تحت قوله (والنكاح) أي النكاح جائز على أن لا يكون لها مهر فيصح النكاح ويبطل الشرط۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۴، ۲۱۵ كتاب النكاح) ۔ لـه

ٹیلیفون پر نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر مجلس نکاح میں ایجاب وقبول ٹیلیفون کے ذریعے ہو جبکہ نکاح کے گواہ اور حاضرین مجلس نکاح اس ایجاب وقبول کو سن بھی لیں تو کیا اس سے نکاح ہو جائے گا؟

الجواب:۔ آجکل ٹیلیفون سیٹ کئی قسم کے ملتے ہیں مثلاً (۱) وہ ٹیلیفون سیٹ جس سے

له وفي الهندية: امرأة غاب زوجها فأتاها مسلم غير ثقة بكتاب الطلاق من زوجها ولا تدري أنه كتابه أم لا إلا أن أكبر رأيها أنه حق فلا بأس أن تعتد ثم تتزوج۔ كذا في محيط السرخسي، إذا غاب الرجل عن امرأته فأتاها مسلم عدل فأخبرها أن زوجها طلقها ثلاثاً أو مات عنها فلها أن تعتد وتتزوج بزوج آخر۔
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۱۳ الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات)

ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج ۸ ص ۲۰ كتاب النكاح۔

له قال الشيخ مولانا محمد زكريا الكاندهلوي: ما يبطل الشرط ويصح العقد مثل أن يشترط أن لا مهر لها وأن لا ينفق عليها وأن لا يطأها أو شرط على امرأته أن تنفق عليه أو تعطيه شيئاً فهذه الشروط كلها باطلة والعقد صحيح۔ (أوجز المسالك ج ۴ ص ۲۴۵ كتاب النكاح)

ومثله في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج ۱ ص ۳۲۱ فصل في النكاح على الشرط۔

صرف ایک آدمی آواز سن سکتا ہے۔ (۲) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات کرنے والے ایک دوسرے کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ (۳) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات چیت کرنے والوں کی آواز حاضرین مجلس بھی سن سکتے ہیں۔ اوّل الذکر میں نکاح منعقد نہ ہوگا، اس لیے کہ گواہوں کے لیے ایجاب وقبول کا ایک ساتھ سننا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اور اخیرین میں چونکہ شہادت کے تمام تقاضے پورے ہو سکتے ہیں لہٰذا نکاح درست ہے۔

قال العلامة الحصكفي في شرح حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً على الاصح. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۲۲ کتاب النکاح) ۱؎

بالغ اولاد کی شادی کرنا والدین کا فرض ہے

سوال:- ہمارے پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ باپ کے فرائض میں سے ہے کہ وہ ان کی شادی کا انتظام کرے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:- جب اولاد بالغ ہو جائے اور اسکے کفو کی لڑکی یا لڑکا مل جائے تو یہ باپ کے فرائض شرعیہ میں داخل ہے کہ وہ ان کی شادی کا بندوبست کرے اور اس میں دیر کرنا مناسب نہیں۔

عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه.

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ باب الولی) ۲؎

۱؎ وفي الهندية: ومنها سماع الشاهدين كلامهما معاً هكذا في فتح القدير فلا ينعقد بشهادة نائمين اذا لم يسمعا كلام العاقدين. الخ

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۶۸ کتاب النکاح الفصل الاول)

۲؎ عن عمر بن الخطاب وانس بن مالك رضي الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: في التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك عليه.

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ باب الولی)

قوتِ گویائی سے محروم شخص کے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا قوتِ گویائی سے محروم شخص کا نکاح اشارے سے منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ بہت سارے احکامات میں اشارہ قائم مقام ملفوظ ہوتا ہے اس لیے اگر نکاح کے معاملے میں فریقین یا ایک فریق بات کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ ایجاب و قبول اشارے سے کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اشارہ رشتۂ زوجیت کے انسلاک کو واضح کرتا ہو۔

قال العلامة الکاسانیؒ: کما ینعقد النکاح بالعبارة ینعقد بالاشارة من الاخرس اذا کانت اشارته معلومة الخ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۳۱ فصل ماذکر النکاح)[۱]

وکیل کے ذریعے تحریری ایجاب سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا مجلسِ نکاح میں فریقین کا حاضر ہونا اور زبانی ایجاب و قبول کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کسی کی طرف سے مجلسِ نکاح میں تحریری صورت میں بغیر اس کی موجودگی کے ایجاب پیش کیا جائے اور فریقِ ثانی گواہوں کے سامنے اس ایجاب کو قبول کرے تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ دونوں عاقدین یا ان کے وکلاء مجلسِ نکاح میں موجود ہوں لیکن اگر کوئی فریق خود یا اس کا وکیل نہ ہو مگر اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریری شکل میں موجود ہو اور فریقِ ثانی گواہوں کی موجودگی میں قبول کا اظہار کرے تو نکاح درست ہو گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ولو ارسل الیہا رسولاً او کتب الیہا بذلک کتاباً فقبلت بحضرة شاہدین سمعا کلام الرسول وقراءة الکتاب جاز ذلک لاتحاد المجلس من حیث المعنی۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۳۲ فصل اما شرائط النکاح)[۲]

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: فان کان الاخرس لایکتب وکان له اشارة تعرف فی طلاقه ونکاحه وشرائه وبیعه فهو جائز۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۱ کتاب الطلاق)

[۲] وفی الهندیة: ولو ارسل الیہا رسولاً وکتب الیہا بذلک کتاباً فقبلت بحضرة الشاہدین سمعا کلام الرسول وقراءة الکتاب جاز ذلک لاتحاد المجلس من حیث المعنی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب النکاح۔ باب الاول)

نکاح کے لیے قاضی کا لانا ضروری نہیں

سوال: کیا نکاح پڑھانے کے لیے قاضی یا نکاح رجسٹرار وغیرہ کو مجلسِ نکاح میں لانا ضروری ہے کہ وہ نکاح پڑھائیں یا یہ کہ مرد و عورت کو باہم ایجاب و قبول سے گواہوں کے سامنے نکاح باندھنے کی اجازت ہے؟

الجواب: جب عاقدین باہم گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب و قبول کرلیں تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے، انعقادِ نکاح کے لیے رجسٹرار یا قاضی کو نکاح پڑھانے کے لیے بلانا ضروری نہیں اور نہ مروجہ نکاح نامے کو پُر کرنا لازم ہے تاہم فسادِ زمانہ اور قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے نکاح نامہ پُر کرنا مستحسن ہے۔

قال العلامة المرغيناني: النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول بلفظين يعبر بهما عن الماضي ..... ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين الخ. (الهداية ج۲ ص۲۸۵ كتاب النكاح)[1]

نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل پورے ملک میں یہ رواج ہے کہ نکاح کے وقت نکاح نامہ فارم لازمی پُر کرنا ہوتا ہے، کیا انعقادِ نکاح کے لیے شرعاً یہ فارم پُر کرنا ضروری ہے؟

الجواب: نکاح عاقدین کے ایجاب و قبول کا نام ہے جبکہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، انعقادِ نکاح کے لیے قاضی کے پاس نکاح نامہ فارم پُر کرنا، اسٹامپ لکھوانا شرعاً ضروری نہیں، تاہم آجکل کے حالات کے پیشِ نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لیے نکاح نامہ فارم پُر کرنا مستحسن ضرور ہے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول يعبر بهما عن الماضي ...... ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين

---

[1] قال داماد آفندي رحمه الله: وينعقد بإيجاب من الزوج أو من الزوجة وقبول من الآخر كلاهما بلفظ الماضي ...... وشرط سماع كل واحد من العاقدين ... وحضور شاهدين حرين أو حر وحرتين عاقلين بالغين مسلمين سامعين معا لفظهما۔

(ذكره الملتقى على هامش مجمع الأنهر ج۱ ص۳۱۶ و۳۲۰ كتاب النكاح)

عاقلین بالغین مسلمین رجلین او رجل وامرأتین ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۸۵-۲۸۶ کتاب النکاح) [1]

ایجاب نامے پر دستخط کر دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:- اگر کوئی شخص کسی عورت سے دھوکہ سے اسٹامپ پیپر پر دستخط کرالے جس میں نکاح پر ایجاب وقبول درج ہو تو کیا نفس تحریر سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں جبکہ عورت نے زبان سے قبول نہ کیا ہو؟

الجواب:- شریعت اسلامی میں نکاح دو گواہوں کے سامنے زبانی ایجاب و قبول کا نام ہے نفس تحریر سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: فلو کتب تزوجتک فکتبت قبلت لم ینعقد بحر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب النکاح) [2]

ایجاب وقبول میں مطابقت ضروری ہے

سوال:- اگر ایجاب وقبول میں بظاہر مطابقت نہ ہو تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- ہر معاملہ میں ایجاب وقبول کے اندر مطابقت ضروری ہے اگر دونوں میں مطابقت نہ ہو تو معاملہ صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر نکاح کے ایجاب وقبول میں بھی مطابقت نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔

کما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وینعقد النکاح بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعا للمضی لأن الماضی أدل على التحقيق كزوجت نفسی أو بنتی أو موكلتی منك ويقول الآخر تزوجت الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب النکاح) [3]

---

[1] قال العلامۃ داماد افندیؒ: وینعقد بالإیجاب من الزوج أو من الزوجۃ وقبول من الآخر بلفظ الماضی ... وشرط سماع کل واحد منهما لفظ الآخر ... وحضور شاهدین حرین أو حر وحرتین عاقلین بالغین مسلمین سامعین معا لفظهما الخ (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر ج ۱ ص ۳۱۶-۳۲۲ کتاب النکاح)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: فإذا المصنف أن انعقاد النکاح بکتاب أحدهما یشترط فیه سماع الشاهدین قراءۃ الکتاب مع قبول الآخر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۹ کتاب النکاح)

[3] وفی الہندیۃ: ومنها أن لا یخالف القبول الإیجاب فلو قال لآخر زوجتك ابنتی على ألف درهم فقال الزوج قبلت النکاح ولا أقبل المهر كان باطلا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب النکاح الباب الأول)

نکاح میں نابینا شخص کی گواہی

سوال:۔ اگر نکاح کی مجلس میں دو گواہ تو موجود ہوں مگر نابینا (بصارت سے محروم) ہوں تو کیا ان کی گواہی سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء احناف کے ہاں نکاح کے گواہوں میں چار شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) حریت (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) اسلام۔ چونکہ بینا ہونا ان شرائط میں داخل نہیں لہٰذا نکاح کے معاملہ میں ان کی گواہی احناف کے ہاں درست ہے۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمه الله: وشرط في الشاهد اربعة امور الحرية والعقل والبلوغ والاسلام۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح) [1]

مجلس نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے

سوال:۔ کیا مجلس انعقادِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مجلس انعقادِ نکاح میں ماسوائے مالکیہ کے تمام ائمہ کے ہاں گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

قال العلامة صدر الشريعة: وحضور حرين او حر وحرتين مكلفين مسلمين سامعين معا لفظهما۔ (شرح الوقاية ج۲ ص۶ کتاب النکاح) [2]

زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھانے والے پر کوئی عتاب نہیں

سوال:۔ اگر بے خبری میں نکاح خواں زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھائے تو کیا نکاح خواں پر کوئی عتاب ہوگا یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة المرغيناني: ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين۔ (الهداية ج۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح)

ومثله في شرح الوقاية ج۲ ص۶ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامة المرغيناني: ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين۔ (الهداية ج۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح، الباب الاول۔

الجواب: زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح حبلیٰ من زنا لا حبلیٰ من غیرہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتیٰ تضع لو نکحہا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقاً۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۳۱۲ فصل فی المحرمات مطلب فی نکاح الزانیۃ)[۱]

لہٰذا جب زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے تو پھر نکاح پڑھانے والے (نکاح خواں) پر بھی کوئی عتاب نہیں ہوگا۔

نکاح میں صرف آمین کہہ کر قبول کرنا درست ہے

سوال: نکاح پڑھتے وقت مولوی صاحب کے اس قول کے جواب میں کہ میں نے فلاں کی بیٹی فلانہ کو اتنے حق مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دیدی تو لڑکے نے جواب میں "قبول ہے" کی بجائے تین بار "آمین" کہا، تو کیا اس سے نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: آمین کا لفظ قبول کا فائدہ دیتا ہے اس لئے صورت مسئولہ میں لڑکے کا ایجاب کے مقابلے میں آمین کہنے سے نکاح درست ہے اور مہر لازم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وعبارۃ الفتح ثم اعلم ان الملاحظۃ من جہۃ الشرع ثبوت الانعقاد ولزوم حکمہ جانب الرضاء فعدینا حکمہ الیٰ کل لفظ یفید ذلک الخ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح مطلب التزوج بارسال کتاب۔ نوع ۲)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ المرغینانیؒ: وان تزوج حبلیٰ من زنا جاز النکاح ولا یطأھا حتیٰ تضع حملہا الخ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۲۹۱/۲۹۲ فصل فی بیان المحرمات)۔

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ فصل فی المحرمات۔

[۲] وفی الہندیۃ: امرأۃ قالت لرجل زوجت نفسی منک فقال الرجل بعد ما فرغت المرأۃ من مقالتہا: صح النکاح ولو لم یقل الرجل ذلک لکن قال ہا انا اقبل او نحوہ بطریق اللفظ تزوجتک صح النکاح۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۲۷۲ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح وما لا ینعقد)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص۳ کتاب النکاح الفصل الاول فی جواز النکاح والاجازۃ۔

نکاح پر اظہارِ مسرت کے بعد ناراضگی کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد اسلم نے اپنی لڑکی نور جہاں کی منگنی مسمی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے کی اور اس وقت مظفر اللہ ولد محمود خان، محمد قریش ولد مقتدر، اسرار محمد ولد نیاز سے، عثمان غنی اور دیگر افراد کی موجودگی میں مسماۃ نور جہاں کے والد حاجی محمد اسلم نے یہ الفاظ کہے کہ "میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کی شادی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دی" اور فضل محمد ولد سلطان محمد (جو کہ دولہا کا بھائی ہے) نے اسی وقت گواہوں کے سامنے بطور وکیل یہ الفاظ کہے کہ "میں نے اپنے بھائی بشیر محمد ولد سلطان محمد کے لیے قبول کیا" اور سات تولہ سونا حق مہر مقرر کیا گیا، اس کے بعد مٹھائی وغیرہ بھی تقسیم کی گئی لیکن رواج اور عرف کی وجہ سے یہ کارروائی تحریر میں نہ لائی جا سکی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) قرآن و سنت کی رو سے مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ حالانکہ مذکورہ لڑکی نور جہاں کو اس کارروائی کی خبر کر دی گئی تھی اور وہ راضی بھی تھی، جبکہ پٹھانوں کے رواج کے مطابق سونے کی انگوٹھی بطور نشانی اُسے پہنا دی گئی۔

(۲) اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد چند ماہ پہلے مسماۃ نور جہاں دختر حاجی محمد اسلم نے کہا کہ میں خوش نہیں ہوں حالانکہ اس سات آٹھ سال کے عرصے میں وہ برابر خوشی کا اظہار کرتی تھی۔ اس کے بعد مسماۃ نور جہاں نے اپنے والد کی مرضی اور اسے اطلاع کیے بغیر چوری چھپے مسمی خالد سے نکاح کر لیا اور سرکاری کاغذات میں بھی نکاح رجسٹرڈ کرا لیا ——— اب عرض یہ ہے کہ حاجی محمد اسلم جو کہ دلہن کا والد ہے اور اب بھی بیٹی کی بے خوشی دکھا رہا ہے، اس نے عدالت میں یہ گواہی دی ہے کہ میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کا نکاح تقریباً آٹھ سال پہلے مسمی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دیا تھا۔ تو اس کے باوجود قرآن و سنت کی روشنی میں نور جہاں کا نکاح مسمی خالد سے منعقد ہو گیا ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ لڑکی اس طریقہ سے والد کی مرضی کے بغیر اپنا سابقہ نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- (۱) شریعت محمدی میں نکاح جانبین کی طرف سے باہمی ایجاب و قبول کو کہا جاتا ہے چاہے یہ ایجاب و قبول عاقدین کے وکلاء کے مابین ہوں یا خود عاقدین ایک دوسرے سے ایجاب و قبول کر لیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لما فی الدر المختار: وینعقد

ملفوظاً بایجاب من احدھما وقبول من الآخر وضعا للمضی ... الخ

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب النکاح)

(۲) اور گواہوں کی موجودگی اور حق مہر کا تقرر بھی نکاح کی شرائط میں سے ہے۔

قال العلامة الحصکفی: وشرط حضور شاھدین حرین او حر وحرتین مکلفین ... الخ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۲۷۷ کتاب النکاح)

وقولہ تعالیٰ: وان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین۔ الآیۃ

(۳) اور جب ایک عورت کا نکاح اس کی خوشی اور رضامندی سے کسی مرد سے کر دیا جائے یا بغیر اس کے علم کے کر دیا جائے اور اس کی خبر ہونے کے بعد وہ اسے رد نہ کرے بلکہ اس پر خاموش رہے یا رضامندی کا اظہار کر دے تو اس کے بعد عورت کا نکاح سے انکار ناقابل مسموع ہوگا۔

قال العلامة الحصکفی: فان استأذنھا ھو ای الولی ... او وکیلہ او رسولہ او زوجھا ولیھا واخبرھا رسولہ او فضولی عدل فسکتت ... او ضحکت غیر مستھزئۃ او تبسمت او بکت بلا صوت فھو اذن۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۲۹۹ کتاب النکاح)

ان جملہ مقدمات کے بعد صورت مسئولہ کے مطابق حاجی محمد اسلم کی لڑکی نور جہاں کا نکاح بشیر محمد ولد سلطان محمد کے ساتھ منعقد ہو چکا ہے اور شرعاً یہ لڑکی اس کی منکوحہ ہے لہٰذا خالد سے اس کا نکاح منعقد نہیں ہوا ہے اور خالد کا نکاح منکوحۃ الغیر کے ساتھ نکاح ہے جو بنص قرآنی ممنوع ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (سورۃ النساء آیت ۲۴)

قال العلامة الحصکفی: واما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ ... لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۵۱۶ باب العدۃ)

نکاح کے انعقاد کو صفحۂ قرطاس پر لانا شرعاً ضروری نہیں ہے بلکہ صرف گواہوں کی موجودگی شرط ہے لہٰذا مسماۃ نور جہاں بنت حاجی محمد اسلم شرعاً بشیر محمد ولد سلطان محمد کی منکوحہ ہے اور کسی خالد سے اس کا نکاح کالعدم ہے اور اسی طرح مسماۃ نور جہاں کا بشیر محمد ولد سلطان محمد سے نکاح کے لئے اجازت دینے کے بعد نکاح پر عدم رضامندی کا اظہار کرنا بھی ناقابل تسلیم ہے۔

حلفاً نکاح کا وعدہ کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:- جناب مفتی صاحب! میں ایک شخص کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی، ایک دفعہ مجھے اکیلا دیکھ کر قرآن لیے کہ وہ میرے پاس آگیا اور مجھے ڈرا دھمکا کر کہنے لگا کہ اس پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ تم مجھ سے شادی کرو گی، میں نے خوف کی وجہ سے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر ہاں کہہ دیا، کیا ایسا کرنے سے میرا اس شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے یا میں آزاد ہوں؟ میں اب بھی اس کو دیکھنا نہیں چاہتی، اگر میں نے یہ گناہ کیا ہے تو قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا کفارہ بھی بتائیں، میں دعا گو رہوں گی۔ (ایک دکھی بیٹی)

الجواب:- سوال میں مذکورہ الفاظ نکاح کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ وعدۂ نکاح ہے اور اگر یہ الفاظ الفاظِ نکاح ہوتے تو پھر بھی نکاح نہ ہوتا، کیونکہ مستفتی بیان کے مطابق یہ بات بغیر گواہوں کے ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ آزاد ہیں۔ البتہ بظاہر یہ معاملہ حلف وقسم کا ہے اس لیے حنث کی صورت میں کفارہ دینا پڑے گا۔

خطبہ پر خطبہ کا حکم

سوال:- ایک شخص کے ساتھ ایک عورت کا رشتہ طے ہو گیا ہے اب پھر دوسرے لوگوں کا اس عورت کے ساتھ رشتہ کی بات کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:- جب کسی عورت کا ایک جگہ رشتہ طے پا جائے تو جب تک لڑکے اور لڑکی کے رشتہ دار اس رشتہ سے اعراض نہ کریں تو دوسرے لوگوں کے لیے اس عورت سے رشتہ کی بات کرنا شرعاً جائز نہیں، اس سے شریعت کی مخالفت لازم آتی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تباغضوا وکونوا إخوانا ولا یخطب الرجل علی خطبة أخیه حتی ینکح او یترک۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح ج ۲ ص ۷۷۲) [1]

---

[1] قال ابن عابدین: ولا یخطب مخطوبة غیره لأنه جفاء وخیانة۔

(ردّ المحتار ج ۳ ص ۹ کتاب النکاح)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۸۱ کتاب النکاح۔

بوقتِ نکاح چھوہارے پھینکنا سنت ہے

سوال:۔ نکاح کے وقت چھوہارے پھینکنا سنت ہے یا کہ حاضرینِ مجلس نکاح میں فرداً فرداً تقسیم کرنا افضل ہے۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک اور فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلسِ نکاح کے شرکاء میں فرداً فرداً چھوہارے تقسیم کرنے کی بجائے پھینکنا سنت ہے۔

ذکر العلامۃ ظفر احمد العثمانی: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک رجل نکاح، فاُتی بأطباق علیہا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال ما بالکم لا تأخذون فقالوا لانک نہیت عن النہبیٰ فقال انما نہیتکم عن نہبی العساکر خذوا علی اسم اللہ فتجاذبنا وتجاذبناہ۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۱ کتاب النکاح، باب الولیمۃ)[1]

اغواء سے نکاح متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک عورت کو اغواء کر کے اغوا کنندہ نے اس سے دوسرا نکاح کر لیا تو کیا اس کے نکاح سے عورت کے پہلے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب ایک مرتبہ کسی عورت کا نکاح کسی مرد سے ہو جائے تو یہ عورت اس مرد کی بیوی ہے اب اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا ناجائز ہے اور اس سے پہلا نکاح متاثر نہیں ہوگا جب تک خاوند اس کو طلاق نہ دے۔

لما فی الہندیۃ: لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذلک المعتدۃ۔
(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۸۰ الباب الثالث فی بیان المحرمات)[2]

---

[1] لما فی خیر الفتاوی: سوال:۔ شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سنت ہے یا تقسیم کرنا سنت ہے؟
الجواب: صورتِ مسئولہ میں شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سنت ہے۔
(خیر الفتاوی ج ۴ ص ۵۸۶ کتاب النکاح باب متفرقات النکاح)

[2] قال عالم بن علاء الانصاریؒ: ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدۃ الغیر [illegible]
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۱۱ کتاب النکاح، فی بیان ما یجوز من الانکحۃ وما لا یجوز)
ومثلہ فی رد المحتار ج ۳ ص ۳۲ فصل فی المحرمات۔

سول میرج کا شرعی حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو مسلمان یورپین ممالک میں "سول میرج" کے ذریعے شادی کرتے ہیں، شریعت اسلامیہ میں ایسے مسلمانوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور کیا اس نظریہ کو شریعت اسلامیہ قبول کرتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرتی تو ان کی جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسلامی معاشرے میں اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے اور اس کو کس نظر سے قبول کرتا ہے اگر نہیں کرتا تو ایسے میاں بیوی کا اسلامی معاشرے میں کیا درجہ رہ جاتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر وہ "سول میرج" کے بعد اسلامی قواعد و ضوابط کے مطابق دوبارہ تجدید نکاح کرلیں تو پھر ان کی پوزیشن کیا ہوگی؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں چونکہ "سول میرج" کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ "سول میرج" کس طریقہ پر کیا جاتا ہے تاکہ شرعی نکاح اور سول میرج کا تقابل کرکے اس کے جواز اور عدم جواز پر کچھ اظہار خیال کیا جاسکتا، تاہم اپنی معلومات کی حد تک شرعی طریقہ کے مطابق ازدواجی سلسلے کے چند اصول قانونی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں، اگر سول میرج ان اصولوں کے مطابق ہو تو اس کو نکاح تسلیم کیا جائے اور اس پر تمام وہ احکام جاری ہوں گے جو کہ شرعی نکاح پر جاری ہوتے ہیں اور اگر "سول میرج" ان اصولوں کے مخالف ہو تو شریعت اسلامی اس کو "نکاح" تسلیم نہیں کرے گی اور ایسے میاں بیوی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولد الزنا شمار کی جائے گی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ مطلق نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ یا نابالغ ہونے سے آیا دنیا کا کام ہے یا دین کا، تاکہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ اس میں تصرف کرنا یہ تصرف فی الدنیا ہے یا فی الدین؟ سو اس کا ایک معیار ہے، وہ یہ کہ جس کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو تو وہ دین کا کام ہے۔ پھر اگر اس کے ترک کرنے پر کوئی وعید یا ناراضگی بھی وارد ہوئی ہو تو وہ فرض ہے یا واجب، اور جس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضگی وارد نہ ہوئی ہو تو وہ مستحب ہے، اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے، اگرچہ اس کے متعلق جو احکام

داخل ہوں وہ احکام بہر حال دینی ہی ہیں، اور جن اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ تغیر فی الدین ہے۔ اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دینی کام ہے کہ بعض حالات میں اس کی تاکید اور بعض میں ترغیب حکم بھی ہے، اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک پر ملامت اور شناعت بھی فرمائی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وانکحوا الایامی منکم (سورۃ نور) یعنی تم میں سے جو بے نکاح عورتیں ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔ وغیرہا من الآیات والاحادیث۔

علماء امت وائمہ کے اقوال سے بھی اس کے امر دینی ہونے کا اثبات موجود ہے، درمختار میں ہے: لیس لنا عبادۃ شرعت من عهد آدم علیه السلام الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔ اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے، اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، گو یہاں اس کے استمرار فی الجنۃ پر بعض نے کلام کیا ہے لیکن باقی دوسرے اجزاء سب کے نزدیک مسلم ہیں۔ اور شامی میں لکھا ہے: وقد مثله ای: لجعلها دائرا فی قوله فکان اعلی العتق والوقف والاضحیة وان کانت عبادات ایضا لانه اقرب الی الامور الاربع حتی قالوا ان الاشتغال به افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال به وما یشتمل علیه من القیام بمصالحه واعفاف النفس عن الحرام وتربیة الولد ونحو ذلک اھ

دیکھئے اس عبارت میں کس شد ومد کے ساتھ نکاح کی فضیلت پر تنبیہ و بیان کیا گیا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح ایک امر دینی ہے اور ایک دینی کام ہے، پھر شریعت نے کچھ اسلوب اور طریقے بیان کئے ہیں، نکاح کے لیے بھی ضروری ارکان اور شرائط ہوں گے، جن کے مطابق اگر کیا جائے تو اس کو نکاح کہا جائے گا اور اس پر سب نتائج درست مرتب ہوں گے۔ اور اگر ان شرائط اور ارکان کے مطابق نہ کیا جائے تو اس کو شرعاً نکاح نہیں کہا جائے گا اور اسلامی معاشرہ میں اس کی کوئی وقعت نہ ہوگی اور نہ اچھے نتائج کے بجائے بد نتائج اس پر مرتب ہوں گے۔۔۔ اس مقصد کے حصول اور اس مشکل کے حل

کے لیے جب ہم اپنی شریعت اسلامی کی کتابوں کی تتبع اور تلاش کرتے ہیں تو کتابوں میں
اس کے متعلق ایک مستقل بحث "کتاب النکاح" کی شکل میں موجود ہے جس کا مطالعہ کرنے سے
شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ شریعت اسلامی کے فقہائے کرام نے شرعی نکاح
کی تفسیر یوں بیان کی ہے: هو عقد يفيد ملك المتعة اى حل استمتاع
الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي - رد المحتار ج ۲ ص کتاب النکاح
یعنی یہ مرد اور عورت کے درمیان ایک ایسا ربط و تعلق قائم کرتا ہے کہ جس سے آدمی کو عورت
سے اور عورت کو آدمی سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ جن الفاظ سے یہ خاص ربط و
تعلق پیدا ہو جاتا ہے وہ نکاح کے ارکان ہیں۔ کسی چیز کا رکن اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز کی
ذات کا دارومدار اسی پر ہو۔ واما ركنه فالايجاب والقبول كذا في الكافي -
والايجاب ما يتلفظ به اولا من اى جانب كان والقبول جوابه - هكذا
في العناية۔ یعنی شرعی نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے، چاہے یہ ایجاب و
قبول خود مرد و عورت کریں، اگر خوف فتنہ نہ ہو یا بذریعہ اولیاء یا وکیل یا فضولی کے ہو جائے۔
اب اس ایجاب و قبول کے معتبر اور مسلّم ہونے کے لیے چند شرائط ہیں جن پر اس ایجاب و
قبول کے معتبر ہونے کا توقف ہے۔ واما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية
في العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي
الذي لا يعقل والاخيران شرط النفاذ فان نكاح الصبي العاقل يتوقف
نفاذه على اجازة وليه هكذا في البدائع - ومنها المحل القابل وهي
المرأة التي احلها الشرع بالنكاح كذا في النهاية - ومنها سماع كل من
العاقدين كلام صاحبه هكذا في فتاوى قاضيخان - ومنها الشهادة قال
عامة العلماء انها شرط جواز النكاح هكذا في البدائع ومنها سماع
الشاهدين كلامهما معا هكذا في فتح القدير - ومنها رضا المرأة اذا
كانت بالغة بكرا كانت او ثيبا - ومنها ان يكون الايجاب والقبول في مجلس
واحد - الخ ومنها ان لا يخالف القبول الايجاب ومنها ان يضيف النكاح

یٰ کلّها او مایعبّر به عن الکل ... الخ۔ ومنها ان یکون الزوج والزوجۃ معلومین فلو زوّج بنتہ وله بنتان لا یصحّ الا اذا کانت احداهما متزوجۃ فینصرف الی الفارغۃ کذا فی البحر الرائق والکل۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ا صـــ ۲۶۸، ۲۶۹ کتاب النکاح)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ایجاب و قبول کرنے والا عاقل بالغ اور آزاد ہو۔ ان میں اوّل شرط یعنی عقل شرط انعقاد ہے، اس لیے کہ مجنون اور صبی غیر عاقل کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اور آخر دو شرط بلوغ و حریت شرائط میں نفاذ نکاح کے کیونکہ اگر لڑکا عاقل ہو تو اس کا نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے مگر اجازت ولی پر موقوف ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جس عورت کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے وہ محل صالح ہو یعنی وہ عورت محرمات شرعیہ سے نہ ہو بلکہ شریعت مطہرہ نے نکاح میں لینا اس کا حلال کیا ہو، اور یہ کہ نکاح کرنے والے متعاقدین ایک دوسرے کی بات سُن لیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ ایجاب و قبول روبرو دو گواہ ان کے ہو جس کو شہادت کہتے ہیں۔

عام علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہادت جواز نکاح کے لیے شرط ہے، اگر ایجاب و قبول ہو جائے مگر روبرو دو گواہان کے نہ ہو تو یہ نکاح ہی نہیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ شاہدین (گواہان) دونوں متعاقدین کی بات سُن لیں۔ اگر عورت بالغہ ہو، چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ تو اس کی رضا مندی اور اجازت لینا بھی ضروری ہے، اور یہ کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہوں، اور یہ کہ قبول ایجاب سے مخالف نہ ہو، اور یہ کہ نکاح کی اضافت اس کے کل بدن کی طرف ہو یا ایسے جزو کی طرف جس کو کل بدن سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ زوج اور زوجہ دونوں معلوم ہوں مجہول نہ ہوں۔

ان شرائط اور ارکان کے علاوہ نکاح میں بعض امور ایسے ہیں جو سُنن اور مستحبات کے درجہ میں ہیں جن پر عمل کرنے سے ان ازدواجی سلسلہ میں خیر و برکت پیدا ہوتی ہے۔ فقہ اسلامی کی معتبر کتاب "درمختار" میں ہے: ویندب اعلانہ وتقدیم

خطبہ۔ وفي الشامي: لحديث الترمذي: أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد. (الحديث) والمراد من تقديم الخطبة ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد وأنها لا تتعين بألفاظ مخصوصة وإن خطب بما ورد فهو أحسن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلانِ نکاح مستحب ہے، اور اسی طرح ایجاب و قبول کرنے سے قبل خطبہ پڑھنا جو حمد و شہادت پر مشتمل ہو مستحب ہے۔ آگے لکھتے ہیں: ويكونه في المسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول والاستئذان له ولتنظر إليها قبله ويكونها دونه سناً وحسباً وعزاً ومالاً وفوقه خلقاً وأدباً وورعاً وجمالاً۔ مگر یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن سے اس ازدواجی سلسلہ میں مزید استحکام اور خیر و برکت پیدا ہوتی ہے، اور یہ امور شرائط اور ارکان نہیں ہیں کہ جن کے نہ ہونے سے نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ یہ مستحب امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا رکھنے سے بہتر ہے۔

اس تمام تفصیل کو مدنظر رکھ کر شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اور اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ "سول میرج" (جو یورپ وغیرہ میں مسلمان لوگ کرتے ہیں) اور "شرعی نکاح" میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں تو فبہا ونعمت، اور اگر جواب اثبات میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق ہے تو سول میرج کو ہرگز شرعی نکاح نہیں کہا جاسکے گا۔ ہاں اگر بعد میں مذکورہ بالا شرائط کے مطابق تجدیدِ نکاح کر لیں تو درست ہوگا، ورنہ حرام کاری سے جو گندگی معاشرہ میں پھیلتی ہے وہ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ عقلِ سلیم، فطرتِ اسلامی اور شریعتِ اسلامیہ مرد و عورت کے ایسے بے باکانہ اور اصولِ دین کے خلاف ملنے کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔

هذا ما عندي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

[illegible]

حضرت آدم علیہ السلام کے نکاح کے گواہوں کی تحقیق

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کس جگہ ہوا اور کس نے پڑھایا نیز اس کے گواہ کون تھے اور حق مہر کیا مقرر ہوا؟

الجواب: اس مسئلہ کے متعلق وحی الٰہی قرآن و حدیث میں کوئی تفصیل نہیں ملتی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے اذن استمتاع ملا ہو گا جیسی گواہوں کے روبرو ایجاب و قبول کرنے سے اذن ملتا ہے۔ البتہ حق مہر کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہی حق مہر قرار دیا گیا کما فی الصاوی وغیرہ فلیراجع۔

لما قال العلامۃ احمد الصاوی المالکی رحمہ اللہ: وقد خلقت بعد دخوله الجنة نائم فلما استيقظ وجدها فاراد ان يمد يده اليها فقالت له الملائكة مه يا آدم حتى تؤدى مهرها وما مهرها فقالوا ثلاث صلوات او عشرون صلاة على سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم۔

(الصاوی ج ۱ ص ۲۳ سورۃ البقرۃ)

باب من يجوز بها النكاح ومن لا يجوز

(کن عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور کن کے ساتھ ناجائز ہے)

خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم

سوال: خنثیٰ مشکل سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نکاح کے لیے محلِ نکاح ہونا ضروری ہے، خنثیٰ مشکل چونکہ محلِ نکاح نہیں اس لیے خنثیٰ مشکل سے نکاح جائز نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ای حل استمتاع الرجل من امرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعی فخرج الذکر والخنثی المشکل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص کتاب النکاح)[1]

بانجھ عورت سے نکاح کرنا

سوال: بانجھ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بانجھ عورت سے نکاح کرنے میں چونکہ بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں اس لیے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم نکاح سے چونکہ اصل مقصود افزائشِ نسل ہے اس لیے بانجھ عورت کے علاوہ کسی تندرست اور قابلِ اولاد عورت سے نکاح کرنا افضل ہے۔

بوب الامام النسائی فی سننه "کراهیة تزویج العقیم" وذکر تحته حدیثاً عن معقل بن یسارؓ قال جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال انی اصبت امرأة ذات حسب ونسب الا انها لا تلد أفأتزوجها فنهاه ثم اتاه الثانیة فنهاه ثم اتاه الثالثة فنهاه فقال تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم (سنن النسائی ج۲ ص۶۳)[2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وفی النهایة محله امرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعی فخرج بالمرأة الذکر والخنثی المشکل۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح، الباب الاول فی تفسیره شرعاً۔

[2] قال الشیخ خلیل احمد السهارنفوریؒ: تحت حدیث معقل بن یسار جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ... لعل ان النهی ما کان للتحریم بل کان مبنی النهی المکاثرة فی الآخرة وهی لا تقتضی التحریم۔ (بذل المجهود ج۳ ص۱۵)

ومثله فی نیل الاوطار ج۶ ص۱۱۲ وعون المعبود ج۲ ص۲۵

پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا شرعاً جرم نہیں

سوال:- ملکی قانون کے اعتبار سے دوسری شادی کے لیے قانونی طور پر پہلی بیوی سے بذریعہ یونین کونسل اجازت لینا ضروری ہے اور پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرنا عائلی قوانین کی رو سے جرم سمجھا جاتا ہے، کیا از روئے شریعت بھی یہ جرم ہے؟

الجواب:- پہلی بیوی کے جملہ حقوق کی رعایت کرتے ہوئے دوسری شادی کرنا مرد کا شرعی حق ہے اس میں پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں اور نہ کسی یونین کونسل کو اس میں واسطہ بنانا ضروری ہے، ایسا کرنا قانونی تقاضا تو ہو سکتا ہے شریعت اسلامی کا نہیں۔

قال الله تبارك وتعالى: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ الآية[1]

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: رجل له امرأة أراد أن يتزوج امرأة أخرى وخاف أن لا يعدل لا يسعه وإن لم يخف جاز. (خلاصة الفتاوى ج۲ ص۲۳ كتاب النكاح)

زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح

سوال:- زانی اور مزنیہ کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

قال ابن نجيم المصري رحمه الله: ومن تزوج الزانية حل اتفاقاً وتستحق النفقة عند الكل ويحل وطؤها عندهما لكن ما في النهاية. (البحر الرائق ج۳ ص[illegible] كتاب النكاح فصل في المحرمات)[2]

---

[1] عن ابن عمر رضي الله عنه أن غيلان بن سلمة الثقفي أسلم وله عشر نسوة في الجاهلية فأسلمن معه فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أمسك أربعاً وفارق سائرهن. رواه أحمد والترمذي وابن ماجة. (مشكوٰة ج۲ ص۲۷۳ باب المحرمات)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۵ كتاب النكاح فصل الجمع في الوطء.

[2] قال الحصكفي رحمه الله: ولو نكحها الزاني حل وطؤها اتفاقاً. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹ كتاب النكاح، فصل في المحرمات)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ كتاب النكاح فصل [illegible].

حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر کوئی عورت نکاح سے حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر زنا سے حاملہ ہو تو اگرچہ نکاح کرنا جائز ہے لیکن اگر اسی زانی سے نکاح ہو گیا ہو تو اس کے لیے جماع بھی جائز ہے اور اگر کسی اور سے نکاح ہو گیا ہو تو اس شخص کے لیے وضع حمل تک جماع ممنوع ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان لا یکون بها حمل ثابت النسب فان کان لا یجوز نکاحها...... وعلیٰ هذا یخرج ما اذا تزوج امرأة حاملا من الزنا انه یجوز فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ ولٰکن لا یطؤها۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح فصل ومنها ان لا یکون بها حمل) [1]

سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کا مسئلہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سوتیلی ماں کی بیٹی جو اس کے پہلے شوہر سے ہو کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر اور کوئی ذریعہ حرمت موجود نہ ہو تو سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کرنا از روئے شریعت جائز ہے صورت مسئولہ میں بظاہر چونکہ کوئی ایسی صورت نہیں اس لیے سوتیلی ماں کی بیٹی جو اسکے پہلے شوہر سے ہو سے نکاح جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وأما بنت زوجة أبیه أو ابنه فحلال۔
(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۳ ص۳۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] وقال ابن نجیمؒ: ای وحل تزوج الحبلیٰ من زنا ولا یجوز تزوج الحبلیٰ من غیر الزنا...... اما تزوج الزانی فیا تزانا فی وتستحق النفقة عند الکل ویحل وطؤها عند الکل کما فی النهایة۔
(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)
ومثله فی رد المحتار ج۳ ص۴۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات۔

[2] وقال الشیخ وهبة الزحیلی: والمحرم بهذه الآیة هو زوجة الأب فقط أما بنتها أو أمها فلا تحرم علی الابن۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج۷ ص۱۳۲ حرمة القرابة الخ)
ومثله فی منحة الخالق علیٰ هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۴ کتاب النکاح فصل فی المحرمات۔

مخطوبۃ الأب سے نکاح جائز ہے

سوال:- ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح نہیں کیا صرف نکاح کا پیغام دیا ہے اب اس شخص کے فوت ہوجانے کے بعد اس شخص کا بیٹا اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو بیٹا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:- اگر اس مرد اور عورت کا باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوا ہے تو اس صورت میں اس مرد کے اعراض کرنے یا فوت ہوجانے کے بعد اس کا بیٹا اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ عورت اس شخص کے باپ کی منکوحہ نہیں۔[1]

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله مصاهرة) وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنا والمعقودات لهم عليهن بعقد صحیح (رد المحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے

سوال:- جو عورت بیوہ ہوجائے اس سے نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب:- جب کوئی دوسری وجہ حرمت موجود نہ ہو تو بیوہ عورت سے نکاح درست ہے۔ شریعت مقدسہ میں کہیں بھی بیوہ عورت سے نکاح ناجائز ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام ازواج مطہرات بیوہ یا مطلقہ تھیں، اس لیے بیوہ عورت سے نکاح کرنے کو معیوب سمجھنا زیادتی علی الشریعت ہے۔[2]

قال اللہ سبحانه وتعالى: "وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ الخ" والأيامى جمع الأيّم من لا زوج لها بكرًا كانت أو مطلقة أو أرملة۔ (معجم لغة الفقهاء ص۹۹)[2]

---

[1] قال ابن نجیم: أي يعقد النكاح أي ذلك العقد الخاص منعقد بالإيجاب والقبول حتى يتم حقيقته في الوجود۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۲ كتاب النكاح)

ومثله في البدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹ كتاب النكاح، فصل ركن النكاح۔

[2] عن أنس رضي الله عنه قال: من السنة إذا تزوج الرجل البكر على امرأته أقام عندها سبعًا وقسم، وإذا تزوج الثيب على امرأته أقام عندها ثلاثًا۔

(نصب الراية ج۳ ص۲۱۵ كتاب النكاح، باب القسم)

ومثله في رد المحتار ج۲ ص۲۳۴ كتاب النكاح.

سوتیلی ساس سے نکاح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ساس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دو رشتہ دار عورتوں کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا تب حرام ہے جب دونوں میں سے ہر ایک مرد فرض کرکے دوسری اس کے لیے حرام ہے، چونکہ صورت مسئولہ میں حرمت ایک جانب سے ہے دوسری جانب سے نہیں اس لیے سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے اگرچہ اس کی سوتیلی بیٹی اس کے نکاح میں پہلے سے موجود ہو۔

قال العلامة الحصکفی: فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها ... لأنه لو فرضت المرأة ذکراً لم یحرم بخلاف عکسه (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۹ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[1]

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سوتیلی ماں کی بہن اور اس مرد کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو اور یہ عورت ذکر محرمات علی الترتیب میں داخل نہیں بلکہ غیر محرمہ میں شامل ہے، اس لیے سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح درست ہے۔

قال العلامة الکاسانی: والمحرمات من النساء ثلاثة انواع محرمات بالقرابة والمحرمات بالمصاهرة والمحرمات بالرضاع۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۶ کتاب النکاح فصل ان لا تکون المرأة محللة)[2]

---

[1] قال فی الهندیة: ویجوز الجمع بین امرأة وبنت زوجها فان المرأة لو فرضت ذکراً حلت له تلك البنت بخلاف العکس۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۷ فصل فی المحرمات)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: أسباب التحریم انواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك ادخال أمة علی حرة فهی سبعة ذکرها المصنف بهذا الترتیب وبقی التطلیق ثلاثا وتعلق حق الغیر بنکاح او عدة ذکرهما فی الرجعة۔

{ الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات }

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث فی المحرمات۔

بیوی کی وفات کے چند دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال:- جب کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو اس کی وفات کے ایک یا دو دن بعد وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- خاوند کے لیے بیوی کا سوگ منانے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر عدت ہے اس لیے بیوی کے فوت ہونے کے فوراً بعد اس کی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: (تحت قوله ولو من طلاق بائن) ... وفرع: ماتت امرأة له التزوج باختها بعد يوم من موتها كما في الخلاصة عن الاصل. وكذا في المبسوط لشمس الاسلام والمحيط السرخسي. (رد المحتار ج۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[1]

عدت وفات میں کیے گئے نکاح کا حکم

سوال:- اگر ایک عورت خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن کے اندر دوسرے آدمی سے نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- طلاق یا وفات کی عدت میں کیا گیا نکاح کالعدم ہے۔ عدت گزرنے کے بعد جو نکاح پڑھایا جائے اس کا اعتبار ہوگا۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله: ومنها ان لا تكون معتدة الغير لقوله تعالى: "ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله" اي ما كتب عليها من التربص ثم قال وسواء كانت العدة عن طلاق او عن وفاة.

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۸، ۲۶۹ کتاب النکاح فصل ان لا یکون بہا حمل)[2]

---

[1] وقال فی الہندیۃ: ويجوز تزوج المرتدة اذا لحقت بدار الحرب تزوج اختها قبل انقضاء عدتها كما اذا ماتت. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۹ القسم الرابع المحرمات بالجمع)
ومثله في خلاصة الفتاوى ج۲ ص۱۱ الفصل الثاني فيمن يكون محلا للنكاح وفيمن لا يكون۔

[2] قال في الهندية: لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج سواء كانت العدة عن طلاق او وفاة الخ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۰ كتاب النكاح، الباب الثالث القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير)
ومثله في البحر الرائق على صدر رد المحتار ج۳ ص[illegible] كتاب النكاح فصل في المحرمات۔

سوتیلی ماں غیر مدخولہ سے نکاح حرام ہے

سوال :- کیا سوتیلی ماں سے نکاح درست ہے جبکہ والد نے دخول نہ کیا ہو؟

الجواب :- جس عورت کے ساتھ باپ کا عقد نکاح ہو جائے چاہے باپ نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو بیٹے کا اس عورت سے نکاح کرنا نص قرآنی حرام ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ : (تحت قولہ مصاھرۃ) و تحرم موطؤات آبائہ واجدادہ وان علو ولو بزنا والمعقودات لہم علیہن بعقد صحیح۔

(رد المحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ۔[1]

ساس اور بہو دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا

سوال :- کیا کسی عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئولہ کے مطابق ان عورتوں میں ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حرمت اجتماع کا باعث بنے اس لیے اس عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کے درمیان جمع کرنا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : فجاز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجہا او امرأۃ ابنہا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ۔[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : أما حلیلۃ الأب فبقولہ تعالیٰ : ﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم﴾ الآیۃ فتحرم بمجرد العقد علیہا۔
(البحر الرائق ج۳ ص۹۴ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)
ومثلہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۱ کتاب النکاح : فصل الفرقۃ الرابعۃ۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : (فی بحث) لانہ لو جاز نکاح إحداھما من تقدیر ذکر المرأۃ وبنت زوجہا او امرأۃ ابنہا فانہ یجوز الجمع بینہما عند الأئمۃ الاربعۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۹ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)
ومثلہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع۔

نانی اور نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال:۔ کیا کوئی شخص ایک عورت اور اس کی نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نواسی اور نانی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اس کے لیے فقہاء نے ایک قاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ دو عورتوں میں سے کسی ایک کو مذکر (مرد) فرض کرکے اگر ان کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وحرم الجمع وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى أبدا۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [1]

پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال:۔ کیا سگی پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں شرعاً جمع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پھوپھی اور بھتیجی کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو بھی مرد فرض کرلیا جائے تو دوسری کا نکاح اس سے جائز نہیں، اس لیے ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا شرعاً جائز نہیں۔

قال ابن نجيم المصريؒ: وحرم الجمع بين امرأتين إذا كانتا بحيث لو قدرت إحداهما ذكرا حرم النكاح بينهما أيتهما كانت المقدرة ذكرا كالجمع بين امرأة وعمتها۔ لحديث مسلم لا تنكح المرأة على عمتها الخ (البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [2]

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا ہوا ہے اب وہ اس عورت کو طلاق

---

[1] قال ابن نجيم المصري رحمه الله: فالأصل الذي بينا ان كل امرأتين لو كانت احدهما ذكرا والأخرى أنثى لم يجز للذكر أن يتزوج بالأنثى فانه يحرم الجمع بينهما۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا يتنع نكاح المرأة۔

[2] قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله ايتهما فرضت) أي اية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها الخ۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا يتنع نكاح المرأة۔

رہتے بغیر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: ایک عورت کا کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی سگی بہن سے یہ شخص نکاح نہیں کر سکتا ہے جو کہ نص قرآنی حرام ہے، ایسا کیا ہوا نکاح کالعدم سمجھا جائے گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ولا خلاف فی ان الجمع بین الاختین فی النکاح حرام — لقوله تعالیٰ: وان تجمعوا بین الاختین معطوفا علی قوله عزوجل: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب النکاح، فصل فی لا یجمع النکاح المرأة)[1]

والدہ کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے کے اثرات

سوال: رات کے وقت بے خبری کی حالت میں زید نے اپنی والدہ کو بیوی سمجھ کر شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو کیا زید کی والدہ اس کے والد پر حرام ہو گئی یا نہیں؟

الجواب: اگر زید نے اپنی والدہ کو شہوت کی حالت میں بلا حجاب ہاتھ لگایا ہو اور بعد میں زید کے والد کو یہ معاملہ معلوم ہوا اور اس کی تصدیق کرتا ہو تو اب یہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہے ورنہ حرام نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: واراد بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع، حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسبا ورضاعا کما فی الوطی الحلال۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۱ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[2]

ساس کے ساتھ نکاح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ساس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

---

[1] وفی الهندیة: فانه لا یجمع بین الاختین نکاحا ولا بوطئ ملک یمین۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۹۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[2] وفی الهندیة: فلو ایقظ زوجته لیجامعها فوصلت یده الی بنت منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی یظن انها امها حرمت علیه الام حرمة مؤبدة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۷۴ فصل فی المحرمات)

وفی الهندیة: ثم المس انما یوجب حرمة المصاهرة اذا لم یکن بینهما ثوب۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۷۵ فصل فی المحرمات)

الجواب:- ساس کے ساتھ نکاح کرنا قطعی حرام ہے اگرچہ بیوی کو طلاق دے دی ہو یا وہ وفات پا گئی ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں محرمات کی فہرست میں بیوی کی ماں کو بھی ذکر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے "وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ ..." الخ (سورۃ النساء آیت ۲۳)

قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: باب التحریم انواع قرابۃ مصاهرۃ قال ابن عابدین: مصاهرۃ کفروع نسائہ المدخول بہن وبنتی وأمہات لزوجاتہ انقسم بعضهم وإن علون … الخ (رد المحتار علی الدر المختار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [1]

سوتیلی ماں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا

سوال:- اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہو تو کیا اس مطلقہ کے پہلے خاوند سے جو بیٹیاں ہیں اُن کے ساتھ دوسرے شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- حرمت نکاح کے لیے مابین جزئیت کا رشتہ ہونا ضروری ہے، صورت مسئولہ میں بظاہر حرمت کی ایسی کوئی خاص وجہ نہیں پائی جاتی جس سے حرمت نکاح ثابت ہو سکے بلکہ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں بھی نسبی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح کا جواز ثابت ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں کیا گیا نکاح درست ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتحل أخت أخیہ رضاعًا ... وکذا نسبًا بأن یکون لأخیہ لأبیہ أخت لأم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۲۱۷ کتاب النکاح، فصل فی الرضاع) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت قول الماتن "وأم امرأتہ" بیان لما ثبت بالمصاهرۃ بقولہ تعالیٰ "وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ" أطلقہ فلا فرق بین کونہ امرأتہ مدخولا بہا أو لا وهو المجمع علیہ عند الأئمۃ الأربعۃ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۹۴ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۸ کتاب النکاح، فصل النوع الثانی فالمحرمات۔

[2] قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أی تحل أخت أخیہ نسبًا بأن یکون لہ أخ من أب لہ أخت من أمہ فإنہ یجوز لہ التزوج بہا۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۴ کتاب الرضاع)

ومثلہ فی الهندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کے بعد نکاح ثانی کا حکم

سوال:۔ آج کل حکومت کے نافذ کردہ فیملی کورٹس سے اگر کوئی عورت تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرے جبکہ شوہر اسے طلاق نہیں دینا چاہتا بلکہ وہ اس کو رکھنے کا خواہشمند ہو تو کیا اس طرح تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ نے طلاق کا حق صرف شوہر کو دیا ہے اس کے علاوہ کسی اور کو یہ حق نہیں اسلئے فیملی کورٹس شرعاً اس کی مجاز نہیں کہ کسی عورت کو بلا عذر شرعی خاوند سے جدا کرے، لہٰذا اگر کوئی عورت بلا عذر شرعی فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کر لیتی ہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے دوسری جگہ نکاح کرنا باطل ہے کیونکہ یہ عورت شرعاً پہلے شوہر کی منکوحہ ہے۔

قال الله تبارك وتعالى . إِلَّآ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا۟ ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ عُقْدَةُ ٱلنِّكَاحِ . (البقرة آیت ۲۳۷)
قال العلامة شوكاني في تحت هذه الآية: فيكون الذي بيده عقدة النكاح حقيقة هو الزوج لانه هو الذي اليه رفعه بالطلاق. (تفسير فتح القدير ج ۱ ص ۲۲۵) .[1]

طلاق مغلظہ میں بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کے ایک آدمی نے تین گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ دیں، اب چند دنوں کے بعد بغیر حلالہ شرعی کے بذریعہ جرگہ اس نے تجدید نکاح کر لی ہے، کیا اس طرح میاں بیوی کا تجدید نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں بغیر حلالہ شرعی کے اس عورت کا سابقہ شوہر سے نکاح کرنا باطل ہے اور یہ دونوں بحیثیت میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں اس کا بذریعہ جرگہ تجدید نکاح کرنا باطل ہے جب تک عورت حلالہ شرعی نہ کرے

---

[1] قال العلامة ابن رشد المالكي: الاصل ان الطلاق ليس بيد احد سوى الزوج او من يوكلها الزوج . (بداية المجتهد ج ۲ ص ۸۱ كتاب الطلاق) .
ومثله في مقدمات ابن رشد ج ۲ ص ۳۴۲ كتاب طلاق السنة .

پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۰) ؎۱

مطلقہ عورت کا وضع حمل سے قبل نکاح ثانی کرنا

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق دے کر وہ اس سے دو تین ماہ کی حاملہ ہو اور پھر یہ عورت وضع حمل سے پہلے دوسری جگہ نکاح کرے تو کیا اس عورت کا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسی مطلقہ عورت جو کہ حاملہ ہو اور حمل بھی ثابت النسب ہو کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں اس مطلقہ کا نکاح وضع حمل سے قبل باطل ہے لہٰذا اس عورت کو وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح باندھنا چاہیے۔

وفی الهندیة: وحبلی ثابت النسب لا یجوز نکاحها اجماعاً۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۸۰ کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر) ؎۲

متعہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ متعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا واقعی امام مالکؒ متعہ کے جواز کے قائل تھے؟

الجواب:۔ ابتداءِ اسلام میں متعہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اسلئے اہل السنۃ والجماعت کے ہاں متعہ بالاتفاق حرام ہے۔ اگرچہ ہدایہ میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف جواز کا قول

؎۱ وفی الهندیة: وان کان الطلاق ثلاثاً فی الحرة وثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۴۷۳ الباب السادس فی الرجعة۔ فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به)

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۱۵ باب الرجعة، مطلب فی العقد علی المبانة۔

؎۲ قال العلامة الکاسانی: ومنها ان لا یکون بها حمل ثابت النسب من الغیر فان کان لا یجوز نکاحها وان لم تکن معتدة ...... لوجود حمل ثابت النسب .... الخ۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح، فصل ومنها ان لا یکون بها حمل)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۳ اوائل کتاب النکاح۔

ہے لیکن تحقیقات اس کے خلاف ہے یہاں کاتب یا ناسخ ہدایہ سے غلطی ہوئی ہے۔

قال العلامة شیخی زادہؒ: واعلم ان نکاح المتعة قد کان مباحاً بین ایام خیبر وایام فتح مکة الا انه منسوخ ثابتاً باجماع الصحابة رضی الله تعالی عنهم حتی لو قضی بجوازه لم یجز ولو استباحه صار کافراً ... فعلی هذا یلزم عدم ثبوت ما نقل من اباحته عند الشافعی. اهـ

(مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۲۱ کتاب النکاح۔ باب المحرمات) ـ۱ـ

نکاح مؤقت کی تعریف

سوال:- نکاح مؤقت کسے کہتے ہیں؟ اور شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- نکاح مؤقت کی تعریف یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دو گواہوں کے سامنے ایک معین مدت مثلاً ایک یا دو ماہ وغیرہ کے لیے نکاح کریں، اس قسم کا نکاح شرعاً باطل ہے، تاہم اگر نکاح ایسی مدت مقرر کر دی جائے کہ جہاں تک دونوں یا ایک کا جینا محال ہو تو ایسا نکاح جائز اور صحیح ہوگا۔

قال العلامة شیخی زادہؒ: ولا یصح نکاح المتعة والموقت والفرق بینهما ان یذکر فی الموقت لفظ النکاح او التزویج مع التوقیت ...... وعن الامام اذا وقتا وقتاً لا یعیشان الیه کمائة سنة او اکثر یکون صحیحاً۔ (مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۲۱ کتاب النکاح۔ باب المحرمات) ـ۲ـ

عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح

سوال:- کیا موجودہ دور کی عیسائی یا یہودی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا اگرچہ

ـ۱ـ قال العلامة المرغینانیؒ: ونکاح المتعة باطل وهو ان یقول لامرأة اتمتع بك كذا مدة بكذا من المال وقال مالكؒ هو جائز لانه كان مباحاً فيبقى الى ان يظهر ناسخه قلنا ثبت النسخ باجماع الصحابةؓ الخ (الهدایة ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

ومثله فی فتح القدیر ج ۳ ص ۔۔ کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات۔

ـ۲ـ قال العلامة المرغینانیؒ: والنکاح الموقت باطل مثل ان یتزوج امرأة بشهادة شاهدین عشرة ایام الخ (الهدایة ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

ومثله فی شرح الوقایة ج ۲ ص ۲۰ کتاب النکاح۔

مرخص ہے لیکن ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اگر کسی مسلمان کا عقیدہ اور مذہب متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔[1]

كما قال العلامة الحصكفيؒ: وصح نكاح كتابية وان كره تنزيهاً مؤمنة بنبي مرسل مقرة بكتاب منزل وان اعتقدن المسيح الٰها۔ وقال ابن عابدينؒ: ففي الفتح ويجوز تزوج الكتابيات والاولىٰ ان لا يفعل ولا يأكل ذبيحتهم الا للضرورة وتكره الكتابية الحربية اجماعاً لافتتاح باب الفتنة من امكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب۔ (رد المحتار ج ۳ ص۴۵ كتاب النكاح۔ مطلب مهم في وطء السراري اللاتي)

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح

سوال:۔ ایک مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم مرد کے ساتھ جائز نہیں، خواہ یہ نکاح طوعاً ہو یا کرہاً، خواہ یہ غیر مسلم اہل کتاب سے یا غیر اہل کتاب سے ہو۔

لقوله تعالىٰ: ولا تنكحوا المشركين حتىٰ يؤمنوا ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو اعجبكم۔ (سورة البقرة آيت ۲۲۱)[2]

قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اہل کتاب عورت سے تو مسلمان مرد نکاح کرسکتا ہے تو کیا ایک قادیانی عورت

---

[1] قال ابن نجيمؒ: وحل تزوج الكتابية. لقوله تعالىٰ: والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب ...... والاولىٰ ان لا يتزوج كتابية ولا يأكل ذبائحهم الا للضرورة وفي المحيط يكره تزوج الكتابية الحربية لان الانسان لا يأمن ان يكون بينهما ولد فينشأ على طبائع اهل الحرب۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۳ فصل في المحرمات)

وَمِثْلُهٗ في فتح القدير ج ۳ ص۱۳۵ فصل في المحرمات۔

[2] قال العلامة الكاساني رحمه الله: ومنها اسلام الرجل اذا كانت المرأة مسلمة۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۷۱ فصل كتاب النكاح)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص۲۸۲ كتاب النكاح۔

سے بھی مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قادیانی چونکہ باجماع امت مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس لیے ان سے کسی قسم کا رشتہ ناطہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ جس طرح کسی قادیانی سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا ایسے ہی کوئی مسلمان شخص کسی قادیانی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اس لیے کہ قادیانی اہل کتاب کے حکم میں نہیں بلکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

لما قال شیخ الاسلام برهان الدین المرغینانیؒ: ان تصرفات المرتد علی اقسام نافذ بالاتفاق کالاستیلاد والطلاق لانه لا یفتقر الی حقیقة الملک وتمام الولایة وباطل بالاتفاق کالنکاح والذبیحة لانه یعتمد الملة۔ (الهدایة ج۲ باب المرتد) [1]

خاوند کے مرتد ہو جانے سے نکاح کا حکم

سوال: میاں بیوی دونوں مسلمان تھے اور خوشگوار زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک خاوند قادیانیوں کا شکار ہو کر مرتد ہو گیا جبکہ عورت دین حق یعنی اسلام پر قائم ہے، ایسی حالت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: قادیانی چونکہ مرتد کے حکم میں ہیں اس لیے صورت مسئولہ میں خاوند کے مرتد ہو جانے سے مسلمان بیوی سے اس کا رشتہ نکاح ختم ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں یہ عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر) [2]

لاعلمی میں قادیانی سے نکاح کا حکم

سوال: ایک مسلمان عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی قادیانی سے ہو گیا یعنی نکاح کے وقت مرد نے

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: والمرتد لا یجوز نکاحه مع احد وکذلک المرتدة لا یجوز نکاحها مع احد۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۔ کتاب النکاح)
ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۲۳۳ باب المرتد۔

[2] وقال فی الهندیة: اذا ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار)
ومثله فی الهدایة ج۲ ص۳۴۸ فصل فی [illegible]۔

اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا لیکن نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص قادیانی ہے، اندریں صورت یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قادیانی چونکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لیے جس شخص کا قادیانی ہونا قطعی اور یقینی ہو تو اس کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں اور لاعلمی میں کیا ہوا نکاح کالعدم رہے گا۔

کما فی الهندية: ارتد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق فی الحال۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار)۔[1]

شیعہ عورت سے سُنّی مرد کے نکاح کا حکم

سوال:۔ جو شیعہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو اور حضرت جبرئیلؑ سے غلطی صادر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کا منکر ہونے کے ساتھ ساتھ قذفِ عائشہؓ کا قائل ہو اور قرآن مجید کو محرف سمجھتا ہو تو ایسے شیعہ مرد کے ساتھ سُنّی عورت یا سُنّی مرد کے ساتھ شیعہ عورت کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو روافض تعلیماتِ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہوں مثلاً قرآن میں حضرت علیؓ کی الوہیت اور حضرت عائشہؓ پر قذف کا قائل ہونا جو قرآن کریم کی نصِ قطعی کے خلاف ہے، اور حضرت جبرئیلؑ سے غلطی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کے منکر ہوں تو اس قسم کے کفریہ فرقہ کے لوگوں سے رشتۂ مناکحت سے احتراز و اجتناب لازم ہے اور ایسے لوگوں کا حکم مرتد کی طرح ہے اور مرتد کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

کما فی الهندية: ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا۔۔۔۔ واحکامهم احکام المرتدین۔ (الفتاوی الهندية ج۲ ص۲۶۴)[2]

---

[1] لما قال الحصکفیؒ: وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار ج۳ ص۱۹۳ کتاب النکاح)

ومثله فی الهداية ج۲ ص۳۲۸ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامة طاهر بن العلاء الانصاریؒ: یجب اکفار الروافض فی قولهم ترجع الاموات الی الدنیا۔۔ وهولاء القوم خارجون من ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین۔ (فتاوی تاتارخانیة ج۵ ص۵۴۳ کتاب احکام المرتدین)

ومثله فی الفتاوی قاضیخان علی هامش الهندية ج۳ ص۵۷۸ باب المرتد۔

لاعلمی میں رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر کہیں لاعلمی اور غلطی سے رضاعی بہن بھائی کا نکاح غلطی سے ہوجائے اور سال دو سال کے بعد رضاعت کا علم ہوجائے تو دونوں میں جدائی ہوجائے گی یا دونوں کا نکاح برقرار رہے گا؟

الجواب:۔ بصورت مرقومہ کے مطابق اگرچہ رضاعی بہن سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر جب نکاح فاسد سے دونوں کا ملاپ ہوجائے تو مہر واجب ہوجاتا ہے لہٰذا یہ عورت شوہر سے مہر لینے کی حقدار ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء لا بغیرہ۔
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۷۱،۳۷۲ باب المہر) لے

غیر مسلم عورت کو جبراً مسلمان کرکے اس سے نکاح کرنا

سوال:۔ افغانستان میں روس کی آمد کے بعد جب جہاد شروع ہوا تو بعض مجاہدین نے روسی عورتوں کو جبراً مسلمان کرکے اُن کے ساتھ نکاح کیا کیا ان عورتوں کا اسلام معتبر ہے؟ اور ان کے ساتھ نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب کسی کافر کو اسلام پر مجبور کیا جائے اور وہ کلمۂ شہادت پڑھے تو وہ مسلمان متصور ہوگا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں روسی عورتوں کا اسلام لانا اور بعض مجاہدین کا ان کے ساتھ نکاح کرنا دونوں صحیح ہے۔

لما قال العلامۃ فخر الدین الشہیر بقاضی خانؒ: واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامہ فان ارتد بعد ذلک یجبر علی الاسلام ولا یقتل۔

(فتاوٰی قاضی خان ج۳ ص۲۱۶ ۔ باب الاکراہ)

کسی عورت کا جن مرد سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی عورت کسی جن مرد سے اپنا نکاح کرائے تو کیا یہ نکاح شرعاً جائز

لے وفی الہندیۃ: ولو تزوج امرأۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما ...... واذا فارقہا ...... وان کان بعد الدخول بہا فالافضل للزوج ان یعطیہا کمال المہر والنفقۃ والسکنی۔

(الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۷ کتاب الرضاع)

ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ میں نکاح کرنے کے لیے دونوں کا ایک جنس ہونا ضروری ہے مختلف الاجناس میں نکاح جائز نہیں اس لیے جن مرد سے اس عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی الاشباہ عن السراجیة لا تجوز المناکحة بین بنی آدم والجن وانسان الماء لاختلاف الجنس ومفاد المفاعلة انه لا یجوز للجنی ان یتزوج انسیة ایضاً...... من شرح الملتقی عن زواهر الجواهر الاصح انه لا یصح نکاح آدمی جنیة کعکسه لاختلاف الجنس فکانوا کبقیة الحیوانات۔

(رد المحتار ج۲ ص۳۵۱، دائل کتاب النکاح) [1]

بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات کے نکاح پر اثرات

سوال: اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہو اور وہ اس ناجائز عمل پر رنگے ہاتھوں پکڑا بھی گیا ہو تو کیا اس سے اس کے بھائی کی بیوی کا نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: دیور سے ناجائز تعلقات قائم کرنے سے شوہر کا نکاح متاثر نہیں ہوگا بلکہ وہ تا حال اسی کی منکوحہ ہے تاہم اگر شوہر اس کو طلاق دے کر الگ کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ولو زنت امرأة رجل لم تحرم علیه وجاز له وطؤها عقب الزنا۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۶ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] قال العلامة علی بن عثمان سراج الدین رحمه الله: لا یجوز المناکحة بین بنی آدم والجن وانسان الماء لاختلاف الجنس۔ ...... ثبت حرمة المصاهرة۔ (الفتاوی السراجیة ص۴۳ کتاب النکاح باب نکاح المحارم۔)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: یحل بالاتفاق للزانی ان یتزوج بالزانیة التی زنی بها فان جاءت بولد ...... (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۱۴۸ کتاب النکاح: المرأة الحامل من الزنا۔ الخ)

جنسی کمزوری کی صورت میں نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ جنسی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور بیوی کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ شادی کر لیتے ہیں، تو ایسے شخص کے لیے نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شادی کرنا ہر اس مسلمان مرد کے لیے سنت ہے جو نان و نفقہ اور حقوق زوجیت پورا کر سکتا ہو، لہٰذا جو شخص یہ حقوق ادا نہیں کر سکتا اس کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں، کرنے کی صورت میں مرد گنہگار ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکون سنة مؤکدة فی الاصح فیأثم بترکہ ویثاب ان نوی تحصینا وولدا حال الاعتدال ای القدرة علی وطء ومہر ونفقة ۔ الخ

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ای القدرة علی وطء) ای الاعتدال فی التوقان ان لا یکون بالمعنی المارّ فی الواجب والفرض وھو شدة الاشتیاق وان لا یکون فی غایة الفتور کالعنین ...... بان یکون بین الفتور والشوق وزاد المہر والنفقة لان العجز عنہما یسقط الفرض فیسقط السنة بالاولیٰ۔ (رد المحتار مع الدر المختار ج۲ ص کتاب النکاح رمطلب کثیرا ما تتساھل فی اطلاق المستحب علی السنة) ۔ لہ

کسی اسلامی ملک میں مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے کا طریقہ

سوال:۔ اگر کسی اسلامی ملک میں کوئی شادی شدہ غیر مسلم عورت اسلام قبول کرے تو کیا اس عورت کے ساتھ بغیر عدت گذرنے کے کسی مسلمان مرد کے لیے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کرے تو یہ عورت اولاً عدالت میں اپنے اسلام لانے کا مقدمہ پیش کرے، عدالت اس کے غیر مسلم شوہر پر اسلام پیش کرے گی اب اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو عدالت عورت کو فسخ نکاح

لہ وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح ۔ الباب الاول۔

کی ڈگری جاری کرے گی اور یہ عورت عدتِ طلاق گزار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے اس کے علاوہ بغیر عدالتی فیصلے اور مرورِ عدت کے نکاح نہیں کر سکتی ۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني ؒ: واذا اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض القاضي عليه الاسلام فان اسلم فهي امرأته وان ابى فرق بينهما وكان ذلك طلاقاً عند ابي حنيفة ومحمد رحمهم الله

(الهداية ج۲ ص۳۱۵ باب نكاح اهل الشرك) ؎

ماموں کی بیوہ سے نکاح کا حکم

سوال :- حقیقی ماموں کی بیوہ سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- حقیقی ماموں کی بیوہ کے ساتھ بعد از اختتام عدت نکاح کرنا جائز ہے اس لئے کہ ان کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حرمت کا سبب ہو ۔

لما قال الله تعالیٰ : وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ (سورة النساء آیت ۲۴) ؎

؎ قال ابن الهمام ؒ : اذا اسلم احد الزوجين اللذين هما مجوسيان او تزوجة عنها مجوسية والزوج كتابي او الزوجة من اهل الكتاب او الزوجة الكتابية و تزوج قائم فان ابى فرق بينهما ۔ (فتح القدير ج۳ ص[illegible] باب نكاح اهل الشرك)

ومثله في الهندية ج۱ ص۳۳۸ الباب العاشر في نكاح الكفار ۔

ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۱۸۱ كتاب النكاح باب نكاح الكفار ۔

؎ قال العلامة علاؤ الدين الكاساني ؒ : والمحرمات من النساء ثلاثة انواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع ، اما النوع الاول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الامهات والبنات والعمات ۔۔۔۔ قال الله تعالىٰ : حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ۔ الآية ۔ وفي الصفحة الثانية وتحل له بنت العمة والخالة وبنت العم والخال لان الله تعالىٰ ذكر المحرمات في آية التحريم ثم اخبر سبحانه وتعالىٰ انه احل ما وراء ذلك بقوله وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ (الآية) الخ

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۶،۲۵۷ فصل ومنها ان تكون المرأة محللة)

ومثله في الهداية ج۲ ص۲۸۶ فصل في بيان المحرمات ۔

بھانجی کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سوال:- زید زینب کا علاتی بھائی ہے، زینب کی بیٹی رقیہ ہے، رقیہ کی بیٹی کلثوم ہے، تو کیا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- اپنے والدین کے کسی بھی فروع (یعنی اولاد جس درجے میں بھی ہو) سے نکاح کرنا درست نہیں، لہٰذا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وفروع أبويه وإن نزلن فتحرم بنات الإخوة والأخوات وبنات أولاد الإخوة والأخوات وإن نزلن۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۳ ص۲۸ فصل في المحرمات)[1]

بہنوئی کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال:- بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بھائی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرے کیونکہ اس لڑکی میں اس بھائی کی نسبت حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قال الله تعالى بعد ذكر المحرمات: وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ۔ سورة النساء آيت ۲۴[2]

---

[1] وفي الهندية: القسم الأول المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات ... إلى قوله وأما الأخوات فالأخت لأب وأم والأخت لأب والأخت لأم وكذا بنات الأخ والأخت وإن سفلن۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث في بيان المحرمات)

ومثله في الهداية ج۲ ص۲۸۶ فصل في بيان المحرمات۔

[2] قال العلامة الكاسانيؒ: والمحرمات على التأبيد ثلاثة أنواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع أما النوع الأول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الأمهات والبنات والعمات والخالات وبنات الأخ وبنات الأخت ... وفي الصفحة الثانية: وتحل له بنت العمة والخالة وبنت العم والخال لأن الله تعالى ذكر المحرمات في آية التحريم ثم أخبر سبحانه وتعالى أنه أحل ما وراء ذلك بقوله وأحل لكم ما وراء ذلكم الآية۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۶، ۲۵۷ فصل ومنها أن لا تكون المرأة محللة)

ومثله في الهداية ج۲ ص۲۸۶ فصل في بيان المحرمات۔

ایک جگہ منگنی کر دینے کے بعد لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرنا

سوال:- اگر ایک لڑکی کی کسی جگہ منگنی ہو جانے کے بعد اس کے والدین اس کا نکاح کسی دوسری جگہ کر دیں تو کیا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر منگنی کے موقع پر صحیح اور شرعی طریقے سے ایجاب وقبول ہو چکا ہو تو اس کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں اور اگر ایجاب وقبول نہ ہوا ہو تو یہ منگنی صرف وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں اس صورت میں دوسری جگہ نکاح درست ہے لیکن وعدہ خلافی کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ: لو قال هل اعطيتنيها فقال اعطيت ان كان المجلس للوعد فوعد وان كان للعقد فنكاح۔ اھ (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۹۵ کتاب النکاح)[1]

کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کا ایک مرد کے نکاح میں آنا

سوال:- ایک شخص نے کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو اپنے نکاح میں جمع کیا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:- جمع بین الاختین کی پہچان کے لیے فقہاء کرام نے جو قاعدہ مقرر کیا ہے کہ دونوں میں سے جس کو بھی مرد تصور کر کے دوسری کے ساتھ اس کا نکاح صحیح نہ ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر لڑکی کو مرد تصور کر کے سوتیلی ماں کا تو منکوحۃ الاب کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں مگر سوتیلی ماں کو مرد تصور کرنے کے بعد لڑکی سے نکاح کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں، اس لیے یہ صورت اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ میں داخل نہیں، دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع کی جا سکتی ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: حرم الجمع وطأ بملک یمین بین

---

[1] وفی الهندية: ولو قال تزوجني نفسك فقبلت انعقد، ان لم يقصد به الاستقبال، كذا في الشهر الفائق۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۲۷۰ الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح)
ومثله في تبيين الحقائق ج ۲ ص ۹۵ كتاب النكاح۔

امرأتين ايتهما فرضت ذكراً لم تحل للأخرى ابداً ...... فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها او امرأة وابنتها الخ۔ (رد المحتار علی هامش رد المحتار ج ۲ فصل فی المحرمات) ؎

مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہوجاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی اور لڑکا دونوں آپس میں مذاق ہی مذاق میں گواہوں کے روبرو نکاح کے ایجاب وقبول کرلیتے، اب لڑکا کہتا ہے کہ تم نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اس لیے تم میری بیوی ہو، جبکہ لڑکی کا دعویٰ ہے کہ وہ تو مذاق کررہی تھی میرا ارادہ نکاح نہ تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذاق ہی مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت اسلامی میں چند امور ایسے ہیں کہ جن میں مذاق اور حقیقت دونوں برابر ہیں جن میں سے ایک نکاح بھی ہے، اس لیے نکاح خواہ مذاق ہی مذاق میں کیوں نہ کیا جائے منعقد ہوجاتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ لڑکی اب اس لڑکے کی منکوحہ ہے لڑکی کا دعویٰ باطل ہے۔

لقوله عليه الصلوٰة والسلام، ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الطلاق والعتاق والنكاح۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۴ باب الخلع والطلاق) ؎

چھوٹی بچی اور بچے کے نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں دیر کے علاقہ میں والدین چھوٹے چھوٹے بچوں کا نکاح کردیتے ہیں جبکہ وہ ابھی تک کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں، کیا ان بچوں کا نکاح جائز ہے؟ کیا یہ چھوٹے بچوں پر ظلم تو نہیں؟

؎ وفي الهندية: ويجوز بين امرأة وبنت زوجها۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۷۷ الباب الثاني في بيان المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

؎ عن ابي هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث جدهن جد وهزلهن جد۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۸ باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق)

ومثله في الترمذي، باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق۔

الجواب: شریعتِ اسلامی میں جب بچے کا ولی اس کا نکاح کر دے تو نکاح صحیح ہے نابالغ کے سمجھنے کی ضرورت نہیں صرف ولی کا سمجھنا ہی کافی ہے اور نہ یہ بچوں پر ظلم ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ويجوز نكاح الصغير والصغيرة اذا زوجهما الولي بكراً كانت الصغيرة او ثيباً۔

(الهداية ج۲ ص۲۹۵ باب الاولياء) له

ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص ایک عورت سے شادی کرے اور اس عورت کے ساتھ پہلے شوہر سے ایک لڑکا بھی ہے جس کی پرورش اس زوجِ ثانی نے کی، اب اگر بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے یا وہ فوت ہو جائے تو کیا یہ شخص اپنے ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ربیب یا متبنیٰ حقیقی یا رضاعی بیٹوں کی طرح نہیں، اس لئے صورتِ مسئولہ میں ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے مذکور سوتیلا باپ شادی کر سکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تحت قوله: واما بنت زوجة ابيه وابنه فحلال، وكذا لا تحرم زوجة الربيب ولا زوجة الراب۔

(رد المحتار ج۲ ص۳۱ فصل في المحرمات) له

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا صحیح نہیں

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت

له وفي الهندية: للولي انكاح الصغير والصغيرة جبراً وان لم يرضيا بذلك سواء كانت بكراً او ثيباً۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۵ كتاب النكاح، باب الرابع في الاولياء)

ومثله في الدر المختار ج۳ ص۵۵ كتاب النكاح۔

له وفي الهندية: ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الاب المتبني۔

والفتاوى [illegible] [illegible] في بيان المحرمات [illegible]

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۷۸ كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات۔

کے دوران بیوی کی بہن سے نکاح کرے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے ؟

الجواب :- چونکہ عدت کے اندر عورت شوہر کے نکاح میں من وجہ داخل ہے اس لیے اس دوران بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ تاہم اگر عدت کے بعد نکاح کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله : و الجمع نكاحا و عدة و لو من طلاق بائن - (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۳ فصل فی المحرمات) ؎

منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا

سوال :- ایک شخص نے کسی مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کیا اس عورت کی سابقہ خاوند سے ایک جوان بیٹی بھی ہے جبکہ اس شخص نے دخول سے قبل بیوی کو طلاق دیدی اور اب وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرنے کا خواہشمند ہے تو کیا اس شخص کا اپنی مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- منکوحہ کی بیٹی سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر یہ حرمت دخول یا خلوت صحیحہ کے ساتھ مشروط ہے اگر یہ شرط پائے جانے سے قبل طلاق واقع ہو جائے تو منکوحہ مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا درست ہے ورنہ خلوت صحیحہ یا دخول کی صورت میں نکاح ناجائز و حرام ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ خلوت صحیحہ یا دخول کی شرط مفقود ہے اس لیے اس شخص کا اس لڑکی سے نکاح درست ہے۔

قال العلامة المرغینانی : ولا بام امرأته دخل بها او لم يدخل لقوله تعالى : و امهات نسائكم من غير قيد الدخول ولا ببنت امرأته التي دخل بها لثبوت قيد الدخول بالنص سواء كانت في حجره او في حجر غيره -

(الهداية ج۲ ص۲۸۶ كتاب النكاح. فصل في المحرمات) ؎۲

؎ قال العلامة برهان الدين المرغيناني : واذا طلق امرأته طلاقا بائنا او رجعيا لم يجز له ان يتزوج باختها حتى تنقضي عدتها -

(الهداية ج۲ ص۲۸۹ كتاب النكاح. فصل في بيان المحرمات)

؎۲ ومثله في الهندية : الباب الثالث في بيان المحرمات. القسم الرابع المحرمات بالجمع

؎۲ قال الله تعالى : و ربائبكم التي في حجوركم من نسائكم التي دخلتم بهن (سورة البقرة - ...)

باپ کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال:۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی سے جبکہ وہ بیٹی اس بیوی کے پہلے خاوند سے ہو نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی چونکہ اس کے پہلے خاوند سے ہو اُس سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: و اما بنت زوجة ابیه او ابنه فحلال۔ قال ابن عابدینؒ: وکذا بنت ابنها بحر۔ [1] (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۳۱،۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [1]

بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکے کے کسی لڑکی سے ساتھ ناجائز تعلقات تھے اب چند دن قبل دونوں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے، علاقائی جرگہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کا اسی لڑکے سے نکاح کر دیا جائے لیکن لڑکا کسی صورت میں بھی اس سے نکاح کے لئے تیار نہیں، جبکہ لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ میں اس لڑکی سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا لڑکے کے زانی کے باپ کا نکاح اس لڑکی (مزنیہ) سے جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی رو سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رو سے زنا بھی سبب مصاہرت ہے۔ لہٰذا اگر واقعی لڑکے نے اس لڑکی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہو تو یہ لڑکی لڑکے کے باپ کی بمنزلہ بہو (منکوحة الابن) کے ہے جبکہ بہو سے نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں اسی وجہ سے بیٹے کی مزنیہ سے اس کا باپ نکاح نہیں کر سکتا۔

لما فی الهندیة: وکذا تحرم المزنی بها علی آباء الزانی و اجداده وان علوا و ابنائه وان سفلوا کذا فی فتح القدیر۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص کتاب النکاح الباب الثالث) [2]

---

[1] قال العلامة صدر الشهید رحمه الله: و تحل اخت اخیه رضاعاً کما تحل نسباً کاخ من الاب له اخت من امه تحل لاخیه من ابیه۔
(شرح الوقایة ج ۲ ص ۲۹،۲۸ کتاب النکاح)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وحرم ایضاً بالصهریة اصل مزنیته۔ قال ابن عابدینؒ: تحت حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسباً ورضاعاً۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۲ کتاب النکاح)

بیٹے کی ساس سے نکاح کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا سسر فوت ہو چکا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیوہ ساس کا نکاح اپنے باپ سے کر دوں تاکہ ہم مشترکہ طور پر ان کی دیکھ بھال کر سکیں۔ تو کیا شرعاً ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ کے مطابق دونوں کے مابین کوئی ایسا رشتہ نہیں جو کہ موجب حرمت ہو اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز ہے۔ اور امید ہے کہ اس کا رِ خیر پر آپ کو منجانب اللہ اجر بھی ملے گا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولا تحرم ام زوجة الابن۔ (ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۸۴ کتاب النکاح)[1]

نو مسلمہ عورت سے عدت ختم ہونے سے قبل نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کرلے تو کیا عدت گزارنے سے قبل اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا خاوند غیر مسلم ہو تو اس کا نکاح از خود ختم ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ عورت دارالحرب میں ہو تو صرف تین حیض گزار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر دارالاسلام میں ہو تو تفریق قاضی کے بعد دوبارہ نکاح کیلئے تین حیض گزارنا لازمی ہے، بدون اس کے نکاح جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ولو اسلم احدھما ای احد المجوسیین او امرأة الکتابی ثمة ای فی دار الحرب وملحق بھا کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلاثاً وتمضی ثلاثة اشھر قبل اسلام الآخر اقامة لشرط الفرقة مقام السبب۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص ۳۹۰ کتاب النکاح)

---

[1] قال العلامة مفتی عبد الرحیم رحمہ اللہ: الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً: زید کا باپ زید کی زوجہ کی ماں یعنی باپ اپنے بیٹے کی خوشدامن سے نکاح کرسکتا ہے، یہ رشتہ حرام نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۱۹۳ کتاب النکاح)

باب المهر

(حق مہر کے احکام و مسائل)

رخصتی سے قبل طلاق دے کر لڑکی والوں کو کچھ رقم دینا

سوال: یہاں ایک لڑکے کا نکاح ہوا لیکن کسی وجہ سے رخصتی نہ ہو سکی بلکہ لڑکے نے بیوی کو طلاق دے دی۔ اب اگر یہ لڑکا لڑکی والوں کو کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہوا ہو تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر مسمّی لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو تو متعہ دینا لازمی ہے، تاہم اگر لڑکے والے اپنی طرف سے مہر مسمّی کے علاوہ کچھ رقم لڑکی یا اس کے رشتہ داروں کو بطور ہدیہ دیدیں تو بہتر ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ومن سمى مهرا عشرة فما زاد فعليه المسمى ان دخل بها او مات عنها ...... وان طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى ...... قال وان تزوجها ولم يسم لها مهرا او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها ...... ولو طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة۔

(الهداية ج۲ ص۳۰۲ باب المهر)[1]

---

[1] قال الله تبارك وتعالى: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴾ ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾۔ (سورة البقرة پ۲ آیت ۲۳۶)

ومثله في الهندية ج۱ ص۳۰۳ كتاب النكاح، باب المهر۔

مہر کی کم از کم مقدار

سوال: شریعت اسلامی میں مہر کی کم از کم مقدار کتنی ہے اور اس کی قیمت کیا ہوگی؟

الجواب: مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جس کی وزنی مقدار تقریباً ۳۰ گرام چاندی ہے یا اس کی قیمت رائج الوقت قیمت کے اعتبار سے ہے۔

قال فی الهندیة: اقل المهر عشرة دراهم مضروبة وغیر مضروبة حتی یجوز وزن عشرة تبراً وان کانت قیمته اقل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۰۲ الفصل الاول فی بیان ادنی مقدار المهر)[1]

مہر فاطمی کی مقدار

سوال: جناب مفتی صاحب! مہر فاطمی (حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے حق مہر) کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیؓ کا حق مہر ۴۸۰ درہم ہے جو کہ موجودہ نظام اوزان کے مطابق ۱۴۶۹.۶ گرام چاندی کا وزن بنتا ہے یا رائج الوقت کرنسی کے حساب سے اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔

قال عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه: ما علمت رسول الله صلی الله علیه وسلم نکح شیئاً من نسائه ولا انکح شیئاً من بناته علی اکثر من ثنتی عشرة اوقیة۔ هذا حدیث حسن صحیح۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۱۵ باب ما جاء فی مهور النساء)[2]

حلالہ کے بعد نکاح میں مہر مقرر کرنا لازمی ہے

سوال: جو شخص طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ شرعی کرکے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دوبارہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے یا سابقہ مہر ہی کفایت کرجائے گا؟

---

[1] لما قال العلامة ابوبکر الکاسانی: واما بیان ادنی المقدار الذی یصلح مهراً فادناه عشرة دراهم او ما قیمته عشرة دراهم۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۵ فصل واما بیان ادنی المقدار)

[2] وذکر الامام ابوداؤد السجستانی: عن ابی العجفاء قال خطبنا عمرؓ فقال الا لا تغالوا بصدق النساء فانها لو کانت مکرمة فی الدنیا او تقوی عند الله لکان اولٰکم بها النبی صلی الله علیه وسلم ما اصدق رسول الله صلی الله علیه وسلم امرأة من نسائه ولا اصدقت امرأة من بناته اکثر من ثنتی عشرة اوقیة۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۳ باب الصداق)

الجواب:۔ مہر کے تقرر کا تعلق نکاح باندھنے کے ساتھ ہے، جب بھی نکاح باندھا جائے گا تو مہر مقرر کیا جائے گا چاہے اپنی مطلقہ سے حلالۂ شرعی کے بعد نکاح کرنا ہو یا کسی اور عورت سے نکاح کرنا ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دوبارہ مہر مقرر کرنا ہوگا ورنہ مہر مثل لازم ہوگا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ولكن إنما يجب مهر المثل فيما إذا لم يسم مهرًا أو نفى إن وطئ زوج أو مات عنها إذا لم يتراضيا على شئ يصلح مهرًا وإلا فذلك المسمّى هو الواجب۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۲۲ باب المهر) لہ

متعدد ازواج کی صورت میں مہر میں مساوات کا مسئلہ

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان برابری شرعاً ضروری ہے، تو کیا مہر میں بھی برابری ضروری ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حقوقِ نسواں کا خیال رکھ کر مرد کو ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم دیا ہے لیکن یہ مساوات کھانے پینے، لباس، رہائش اور رات گذارنے میں ہے، مہر میں یہ تساوی جاری نہ ہوگا، اس لیے مہر مقرر کرنا صرف مرد کا کام نہیں بلکہ باہمی رضامندی کا مسئلہ ہے، اس لیے متعدد بیویوں کے درمیان مہر میں تفاوت موجب گناہ نہیں ہے۔

قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: يجب عليه التسوية بين الزوجتين والاماء في المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳۴ باب القسم) لہ

لہ قال العلامة قاضي خانؒ: المهر يتكرر بالعقد مرة وبالوطء أخرى يتكرر لهما۔
(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۳۸۳ فصل في تكرار المهر)

لہ قال العلامة قاضيخانؒ: وما يجب على الزوج للنساء العدل والتسوية بينهن فيما يملك وهو البيتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فيما لا يملك۔
(الفتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۴۳۹ فصل في القسم)
ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ فصل ومنها وجوب العدل بين النساء

حق مہر میں نقدی کے بجائے زمین وغیرہ دینا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں یہ دستور ہے کہ لوگ حق مہر میں نقدی کے بجائے مکان، زمین یا سونے کے زیورات دیتے ہیں، کیا نقد رقم کی جگہ مذکورہ اشیاء دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حق مہر میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو بذات خود مال ہو، صورت مسئولہ میں چونکہ مذکورہ اشیاء بھی مال متقوم ہیں اس لیے ان اشیاء کو مہر میں دینا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: المھر انما یصح بکل ما ھو مال متقوم۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۰۲ الفصل الاول فی بیان ادنی مقدار المھر وبیان ما یصلح مھراً ...) سے

انعقاد نکاح کے بعد حق مہر میں زیادتی کرنا

سوال:۔ کیا انعقاد نکاح کے بعد شوہر مہر میں زیادتی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرے تو کیا بیوی اس زیادتی کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس طرح نکاح سے قبل حق مہر میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے اسی طرح نکاح کے انعقاد کے بعد بھی شوہر مہر میں زیادتی کر سکتا ہے، اور اس زیادتی کا مطالبہ عورت کا حق بن جائے گا۔

وفی الھندیۃ: الزیادۃ فی المھر صحیحۃ حال قیام النکاح ... فان زاد لھا فی المھر بعد العقد لزمتہ الزیادۃ کذا فی السراج الوھاج۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۱۳ الفصل السابع فی زیادۃ فی المھر والحط عنہ فیما یزید وینقص) ۲ے

لے قال العلامۃ ابوبکر الکاسانی: منھا ان یکون المسمیٰ مالاً متقوماً۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۷ فصل واما بیان ما یصح تسمیتہ مھراً)

۲ے قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت قولہ وما فرض بعد العقد او زید لا یتنصف ... دل وضع المسئلۃ علی جواز الزیادۃ فی المھر بعد العقد وھی لازمۃ لہ بشرط قبولھا فی المجلس علی الاصح۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۵ باب المھر)

اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا

سوال:۔ جو شخص نکاح کے وقت اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرے تو اس کے اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مہر کی تقرری میں اپنی حیثیت کو مد نظر رکھنا چاہئیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں زیادتی کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس لیے حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں لیکن تقرر کے بعد شوہر کے ذمے ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تغالوا صدقة النساء (مشکوٰۃ ص۲۷۷ باب الصداق) [1]

عورت مہر کا مطالبہ کس سے کرے گی

سوال:۔ یہاں صوبہ سرحد میں اکثر والدین بچوں اور بچیوں کی شادیاں کراتے ہیں، تو کیا عورت مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے گی یا سسر سے (جس نے اس کا نکاح کرایا ہے)؟

الجواب:۔ مہر منفعتِ زوجیت کا عوض ہے جو شرعاً شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے، صورت مسئولہ میں اگر لڑکے کے باپ نے مہر کا ضمان اپنے ذمے لے لیا ہو تو عورت سسر اور شوہر دونوں سے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے بصورت دیگر مہر کا مطالبہ صرف شوہر سے ہو گا۔

وفی الهندية: زوج ابنه صغيرة او كبيرة وهي بكر او مجنونة بمثلها وضمن عنه مهرها صح ضمانه ثم هي بالخيار ان شاءت طالبت زوجها او وليها ان كانت هي بالغة ويرجع الولي بعد الاداء على الزوج ان ضمن بامره۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۲۲ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر) [2]

---

[1] لما قال مفتی عزیز الرحمٰن رحمه الله: زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۱ مسائل و احکام مہر)

[2] وقال العلامة الحصكفي: وطالب ای بالمهر من شاءت من زوجها البالغ والولي الضامن۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۶ مطلب فی ضمان المهر)

ومثله فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۸ ص۲۳۳ مسائل واحکام مہر۔

عورت کے ورثاء شوہر سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں

سوال:۔ ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد اس عورت کا نکاح دوسرے سے ہوگیا اب وہ عورت وفات پاگئی ہے تو کیا عورت کے ورثاء دونوں شوہروں سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کرنے کے بعد مہر عورت کا حق بن جاتا ہے جو کسی وقت بھی مطالبہ کرسکتی ہے چونکہ اس عورت نے دو مردوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے لہٰذا اگر دونوں نے اس کی وفات تک بھی مہر ادا نہ کیا ہو تو ان کے ذمے عورت کا مہر لازم ہے، اس لیے وفات کے بعد عورت کے ورثاء دونوں سے مطالبہ کرسکتے ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: فإن المهر وجب بنفس العقد۔

(رد المحتار ج۲ ص۳۴۵ باب المهر)[1]

مہر عورت کے ورثاء کو دیا جاسکتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت شوہر کے گھر فوت ہوجائے اور اس کے والدین و دیگر رشتہ دار شوہر سے مہر کا مطالبہ کریں تو کیا مہر ورثاء کو دیا جاسکتا ہے یا شوہر ہی اس کا حقدار ہے؟

الجواب:۔ اگر مہر شوہر کے ذمے قرض ہو تو بیوی کی وفات کے بعد مہر بطور میراث تقسیم ہوگا جس میں شوہر، عورت کی اولاد اور والدین شریک ہیں، اس لیے کل مہر نہ تو شوہر کے پاس رہے گا اور نہ کل مہر عورت کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔

قال العلامة الكاساني: ومنها الإرث من الجانبين جميعاً لقوله عزوجل: ولكم نصف ما ترك أزواجكم إلى قوله عزوجل: ولهن الربع مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين. (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۱ فصل [illegible])[2]

---

[1] قال العلامة الكاساني: والمهر في النكاح الصحيح يجب بالعقد لأنه إحداث الملك والمهر يجب بمقابلة إحداث الملك۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۷ فصل وأما بيان ما يجب به المهر)

ومثله في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۳۹۲ فصل في ذكر المهر۔

[2] قال العلامة المفتي عزیز الرحمن: جو مہر ہندہ کا بذمہ شوہر ہے اس میں نصف شوہر کو پہنچے گا اور نصف ہندہ کے والدین کو ملے گا، زید کو اپنے حصہ کا اختیار ہے کہ خیرات کردے، والدین کا حصہ ان کو دیا جانا چاہیے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۸ ص۲۱۳ فصل اول مسائل و احکام مہر)

نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے بچپن میں اپنے لڑکے کی شادی کر دی تو اب بیوی کا حق مہر نابالغ شوہر پر واجب ہوگا یا سسر پر؟

الجواب:۔ مہر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط نہیں اس کا تعلق نکاح سے ہے یعنی جس سے نکاح ہوا ہو اس کے ذمے مہر دینا واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اگرچہ باپ ضامن بن سکتا ہے۔

وفی الہندیۃ: واذا زوج ابنه الصغیر امرأة وضمن عنه المهر كان ذلك فی صحته جاز فاذا ادی الاب الضمان واذا ادی الاب ذلك ان كان اداه فی حالة الصحة لا یرجع علی الابن بما ادی استحسانا الا اذا كان شرط الرجوع فی اصل الضمان۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر)[1]

بذریعہ جرگہ طلاق لینے کی صورت میں مہر کا مطالبہ کرنا

سوال:۔ بعض عورتیں گھریلو ناچاقی کی وجہ سے شوہر سے بذریعہ جرگہ وغیرہ طلاق لے لیتی ہیں تو کیا طلاق لینے کے بعد مہر کا مطالبہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر طلاق دیتے وقت شوہر نے مہر معاف کرنے کی شرط لگائی ہو اور بیوی نے قبول کر کے شوہر سے طلاق لی ہو تو اُسے مہر کے مطالبہ کا حق نہیں رہتا اور اگر طلاق دیتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو اور نہ عورت نے مہر معاف کیا ہو تو مہر اس کا حق ہے اور وہ مطالبہ کر سکتی ہے۔[2]

قال ابن عابدینؒ: فان المهر یجب بنفس العقد۔۔ انما یتأکد ... (ردالمحتار ج۳ ص۱۵۸ باب المہر)

---

[1] قال العلامة الحصكفیؒ: (و) تطالب (ایا) شاءت (من زوجها) البالغ (او الولی) الضامن۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۱۴۲ مطلب فی ضمان الولی المهر)

[2] وفی الهندیة: امرأة قالت لزوجها اخلعنی فقالت بثلاثین درهما فقال الزوج مجیبا لها انت طالق صار مبتدئا قوله خلعت هكذا ذكر فی النوازل والفتوی علی انه اراد به الجواب یكون خلعا ولو قال لم اعن الجواب طلق ویكون جوابا بدلالة النیة وبعض مشایخنا ... وهل یبرأ الزوج من المهر اختلفوا فیه قال بعضهم لا یبرأ وهو الاصح۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۹۱ الفصل الاول فی شرائط الخلع وحكمه وما یتعلق به)

ومثله فی فتاوی دیوبند ج۸ ص۲۱۵ مسائل واحکام مہر۔

جبراً مہر معاف کرانا

سوال:۔ اگر کوئی عورت جبر واکراہ سے یا کسی دباؤ میں آکر حق مہر معاف کردے تو کیا مہر معاف ہوجائے گا؟

الجواب:۔ بمقتضائے نصِ قرآنی مہر کی معافی کے لیے طیبِ نفس کا ہونا ضروری ہے جبر واکراہ کے ساتھ معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔

لقولہ تعالیٰ: فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا

(سورۃ النساء آیت ۴)۔[1]

مقدارِ مہر میں اختلاف کا پیدا ہونا

سوال:۔ اگر کبھی میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہوجائے اور شرعی دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب:۔ نکاح کے معاملے میں اصل مہرِ مثل ہے، جب میاں بیوی کا مقدارِ مہر میں اختلاف پیدا ہوجائے اور دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو اس تنازع صورت میں فیصلہ مہرِ مثل پر ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وحالا یقضی بمہر المثل کحال حیاۃ وبہ یفتی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۲ باب المہر)۔[2]

عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص مفلس ہو اور بوقتِ نکاح لڑکی والوں نے مہر زیادہ مقرر کردیا ہو تو اب اگر وہ عدالت کے ذریعے مہر کو کم کروانا چاہے تو کرواسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مہر کا تقرر میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے ہوتا ہے، تقرری کے بعد

---

[1] قال الشیخ المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ: دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو عورتیں یہ کہتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کریں یا معاف نہ کریں تو بدمزگی یا بدمزگی پیدا ہوگی اس لیے بادلِ ناخواستہ معاف کردیتی ہیں اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۸ سورۃ النساء)

[2] وفی الہندیۃ: وإذا اختلف الزوجان فی قدر المہر حال قیام النکاح فعند أبی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ یحکم مہر المثل۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۳۱۹ الفصل الثانی عشر فی اختلاف الزوجین فی المہر) ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۰۵ فصل واما حکم اختلاف الزوجین فی المہر۔

جب مہر ایک مرتبہ متاکد ہو جائے تو بیوی کی رضامندی کے بغیر عدالت یا کوئی جرگہ وغیرہ
تو مہر کم کرا سکتے ہیں اور نہ ختم کر سکتے ہیں شوہر پر اس کی ادائیگی لازم ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: فالمھر یتأکد باحد معان ثلاثة ۔۔۔ لا یسقط بعد ذلک الا
بالابراء۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۹۱ فصل بیان ما یتاکد بہ المھر) ^ل^

تاجیل و تعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے

سوال:۔ اگر بوقت نکاح مہر کی تاجیل و تعجیل کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو کیا عورت مہر فوراً
لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس مہر کی تاجیل و تعجیل کا ذکر بوقت انعقاد نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر
عرف کا تابع ہو کر جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کر
سکتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ولھا منعہ عن الوطء والسفر بھا ولو بعد وطء و خلوة
رضیتھما لاخذ ما بین تعجیلہ او قدر ما یعجل لمثلھا عرفاً وان لم یؤجل قال الحصکفیؒ
بہ یفتی لان المعروف کالمشروط۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹۸ باب المھر) ^۲^

رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عورت پورے مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ اگر کسی عورت کا شوہر رخصتی سے قبل
وفات پا جائے تو کیا عورت پورے مہر کی حقدار ہوگی یا نہیں؟

---

^ل^ قال العلامة ابن عابدینؒ: واما المسمی فانما تام مقامہ للتراضی بہ ثم عرف المھر فی العنایة
بانہ اسم للمال الذی یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلة البضع اما بالتسمیة او بالعقد۔
(رد المحتار ج۲ ص۳۵۸ باب المھر)

ومثلہ فی الھندیة ج۱ ص۳۰۲ الفصل الثانی فیما یتاکد بہ المھر والمتعة۔

^۲^ قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: اذا کان المھر معجلاً بان تزوجھا علی صداق عاجل او کان مسکوتاً عن التعجیل
والتاجیل لان حکم المسکوت حکم المعجل لان ھذا عقد معاوضة فیقتضی المساواة من الجانبین والمرأة
عینت حق الزوج فیجب ان یعین الزوج حقھا وانما یتعین بالتسلیم۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۸ فصل واما بیان ما یجب بہ المھر و بیان وقت وجوبہ)

الجواب: موت ایک ایسا امر ہے جس کی وجہ سے مہر متاکد ہو جاتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق اگر رخصتی سے قبل کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت بوقت نکاح مقرر کردہ پورے مہر کی حقدار ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۵۸ باب المہر)[1]

بیٹی کے حق مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدنا

سوال: بعض علاقوں میں رواج ہے کہ باپ بیٹی کا مہر لے کر اس سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: مہر کی رقم سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے اور یہ سامان لڑکی کی ہی ملکیت تصور ہوگا، باپ کے اس قبضے سے شوہر کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

قال ابن عابدینؒ: وفیہا قبض الاب المہر وھی بالغة او لا وجہزھا وقبض مکان المہر بعینہ لیس لہا ان لا تجیز لان ولایة قبض المہر الی الاب رکن فی التصرف فیہا۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۵۹ باب المہر قبیل باب النکاح الرقیق)[2]

جہیز کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! آجکل ہم اکثر لوگوں سے یہ الفاظ سنتے رہتے ہیں کہ جہیز کی لعنت ہمارے سروں پر سوار ہے۔ تو کیا واقعی یہ لعنت ہے؟ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب: جب باپ اپنی بیٹی کے لیے کہیں شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو سنت یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق کچھ نہ کچھ سامان بیٹی کو جہیز میں دینا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جہیز دیا تھا۔ تاہم اپنی وسعت سے زیادہ کام کرنا مناسب نہیں۔

---

[1] قال فی الہندیة: والمہر یتأکد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت احد الزوجین۔ (الفتاوی الہندیة ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثانی فیما یتأکد بہ المہر والمتعة)

[2] وقال العلامة المفتی عزیز الرحمنؒ: لڑکی کے سامان کے لیے باپ کو مہر کا کچھ حصہ لے کر اس میں صرف کرنا جائز ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۳ مسائل و احکام مہر)

عن علیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما زوجہ فاطمۃؓ بعث معہا بخمیلۃ ووسادۃ أدم حشوہا لیف ورحیین وسقائین ..... الحدیث (الاصابۃ ج ۴ ص ۳۶۹)

حضرت علیؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کی شادی میرے ساتھ کی تو جہیز میں ساتھ ایک چادر اور ایک گدا جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے تھے اور دو چکیاں اور دو مشکیں بھی بھیجیں۔ (امداد الاحکام جلد ۲ ص ۳۱۸ باب المہر) [1]

جہیز کے سامان کی ملکیت کا حکم

سوال:۔ لڑکی کے والدین جو جہیز کا سامان اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں۔ یہ سامان کس کی ملکیت ہے لڑکی کی یا شوہر کی؟

الجواب:۔ یہ تو جہیز کا سامان دینے والے کی نیت پر موقوف ہے، اگر اس نے لڑکے کو دیا ہو تو اسی کی ملکیت ہے اور اگر لڑکی کو دیا ہو تو اس کی ملکیت ہے۔ چونکہ یہ سامان لوگ عموماً اپنی بیٹی کو دیتے ہیں اسلئے عدم نیت کی صورت میں یہ سامان لڑکی کا تصور ہوگا۔

قال فی الہندیۃ: لو جہز ابنتہ وسلمہ الیہا لیس لہ فی الاستحسان استردادہ وعلیہ الفتوی ..... واذا بعث الزوج الی اہل زوجتہ اشیاء عند زفافہا منہا دیباج فلما زفت الیہ اراد ان یسترد من المرأۃ الدیباج لیس لہ ذلک اذا بعث الیہا علی جہۃ التملیک کذا فی الفصول العمادیۃ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جہاز البنت) [2]

---

[1] عن علی رضی اللہ عنہ قال جہز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃؓ فی خمیل وقربۃ ووسادۃ حشوہا اذخر۔ (سنن النسائی ج ۲ ص ۹۲ جہاز الرجل ابنتہ)

[2] وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: "سئل فیما اذا زوج بنتہ البالغۃ وجہزہا بجہاز سلمہا منہ فی صحتہ ثم مات عنہا وعن ورثۃ غیرہا یریدون قسمۃ الجہاز بینہم مع البنت فہل لیس لہم ذلک۔ الجواب: نعم"
(تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۲۱ مسائل الجہاز)
ومثلہ فی جامع الفصولین جلد ۲ ص ۱۹۲ فی الفصل العشرون فی دعوی النکاح۔

مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا

سوال: یہاں ہمارے گاؤں میں ایک عورت نے شوہر کو اپنا حق مہر معاف کر دیا تھا، اب کسی گھریلو ناچاقی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے، تو کیا یہ عورت دوبارہ اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جب کوئی عورت برضا و رغبت ایک مرتبہ اپنا حق مہر معاف کر دے تو اس کو دوبارہ مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہتا، اس لیے صورت مسئولہ میں عورت کا دوبارہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔

وفی الہندیۃ: المرأۃ ان تہب مالہا لزوجہا من صداق دخل بہا زوجہا او لم یدخل ولیس لاحد من اولیائہا اب ولا غیرہ الاعتراض علیہا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۱۶ الباب السابع فی المہر، الفصل الثانی عشر فی ہبۃ المہر)[1]

مہر معاف کرنے پر اولیاء کا اعتراض کرنا

سوال: کیا عورت اپنے شوہر کو حق مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو کیا معاف کرنے کے بعد عورت کے باپ یا دیگر رشتہ داروں کا اعتراض معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: شریعت اسلامی میں عورت اپنے مہر کی خود مالک ہے، اس کو جس طرح استعمال کر سکتی ہے چاہے شوہر کو معاف کر دے یا کسی اور کو ہبہ کر دے، باپ یا کسی اور رشتہ دار کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

وفی الہندیۃ: المرأۃ ان تہب مالہا لزوجہا من صداق دخل بہا زوجہا او لم یدخل ولیس لاحد من اولیائہا اب ولا غیرہ الاعتراض علیہا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۱۶ الباب السابع فی المہر، الفصل الثانی عشر فی ہبۃ المہر)

خلوت صحیحہ کے بعد نامرد شوہر کامل مہر دے گا

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں چند سال قبل ایک لڑکے کی شادی ہوئی، شادی کے بعد وہ نامرد ثابت ہوا جبکہ عورت نے رات کے وقت اپنے آپ کو

---

[1] ومثلہ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: (وصح حطہا) لکلہ او بعضہ (عنہ) قبل او بعد۔
قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تحت ہذہ العبارۃ: (وصح حطہا) وقید بحطہا لان حط ابیہا غیر صحیح لو صغیرۃ ولو کبیرۃ توقف علی اجازتہا ولا بد من رضاہا۔ (رد المحتار ج۳ ص۱۱۳ باب المہر، مطلب فی حط المہر والابراء منہ)
ومثلہ فی الہدایۃ ج۲ ص۳۰۵ باب المہر۔

لڑکے والوں سے شادی کا خرچہ لینا

سوال:۔ بعض لوگ لڑکی کا رشتہ دینے کے بعد لڑکے والوں سے مختلف رسومات کے نام پر شادی کا خرچہ وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ عقدِ نکاح میں لڑکی دینے کی وجہ سے لڑکے یا اس کے رشتہ داروں سے رسومات کے بہانے شادی بیاہ کا خرچہ لینا ناجائز اور حرام ہے، اگر پیسے لیے ہوں تو واپس کرنا لازمی ہے، تاہم اس سے نکاح متاثر نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ومن السحت ما یأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتی لو کان بطلبه یرجع الختن۔

(ردالمحتار ج۵ ص۲۷۳ کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع) له

حقِ مہر کی قسمیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مہر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں حقِ مہر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) مہرِ مسمی: یہ وہ مہر ہے جو زوجین یا ان کے وکلاء نکاح کرتے وقت باہمی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں۔

(۲) مہرِ مثل: یہ وہ مہر ہے جو عورت کے خاندان کی دیگر عورتوں مثلاً سگی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے مہر کے برابر مقرر کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصل مہر، مہرِ مثل ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: المهر عند الفقهاء نوعان مهر مسمی ومهر مثل۔ اما المهر المسمی فهو ما سمی فی العقد او بعده بالتراضی ... اما مهر المثل فقد حدده الحنفیة بانه مهر امرأة تماثل الزوجة وقت العقد من جهة ابیها لا امها ان لم تکن من قوم ابیها کاختها وعمتها وبنت عمها فی بلدها وعصرها۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۲۶۲ مبحث انواع المهر)

له قال العلامة الحصکفی: اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۵۶ مطلب انفق علی معتدة الغیر)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت۔

حقِ مہر خاوند کے ذمہ واجب ہے

سوال:- نکاح باندھتے وقت اگر بالغ لڑکے کا باپ حقِ مہر میں مقرر شدہ مال کی ادائیگی کا وعدہ کرے مگر ناداری اور غربت کی وجہ سے ادا نہ کرسکے تو کیا خاوند کے ذمے مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- صراحتاً یا عرفاً لڑکے کی طرف سے اجازت کی صورت میں مذکورہ حقِ مہر اس کے ذمہ واجب الاداء ہے، حقِ مہر کی ادائیگی کا اصل ذمہ دار خاوند ہے، تاہم اگر باپ نے بیٹے کی طرف سے حقِ مہر میں کوئی چیز دے دی تو وہ حقِ مہر شمار ہوگا، خاوند پر دوبارہ ادائیگی ضروری نہیں، اور اگر باپ وعدہ کرکے نہ دے سکے تو خاوند پر لازمی ہے کہ مقرر شدہ حقِ مہر ادا کرے۔

قال ابن نجيم: أما ولي الزوج الكبير فهو كالأجنبي لأنه لا ولاية له عليه فكان كالأجنبي وحكم ضمان مهره كحكم ضمان الأجنبي فإن ضمن عنه بإذنه رجع وإلا فلا. (البحر الرائق ج۳ ص۱۶۵ باب المهر) له

حقِ مہر کے بغیر نکاح کا حکم

سوال:- نکاح کے انعقاد کے وقت ایجاب و قبول کے دوران حقِ مہر مقرر نہ کیا جائے تو کیا اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- حقِ مہر کا تقرر ضروریاتِ نکاح میں سے ہے رکن نہیں، لہٰذا اگر مجلسِ نکاح میں گواہوں کے سامنے شرعی طریقہ پر نکاح پڑھایا گیا ہو تو اگرچہ اس میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح درست ہے، لیکن خاوند کے ذمہ دخول کے بعد مہرِ مثل کی ادائیگی لازم ہے۔

قال ابن نجيم تحت قوله وصح النكاح بلا ذكره لأن النكاح عقد انضمام وازدواج لغة فيتم بالزوجين ثم المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل فلا يحتاج إلى ذكره لصحة النكاح ... وذكر الولوالجي أنه لا خلاف لأحد في صحته بلا ذكر المهر. (البحر الرائق ج۳ ص۱۴۲ باب المهر) ٢

له قال في الهندية: ويرجع الولي بعد الأداء على الزوج إن ضمن بأمره هكذا في التبيين. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر في ضمان المهر)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۱۲۱ باب المهر مطلب في ضمان الولي المهر.

٢ قال العلامة الترمذي: عن علقمة قال أتى عبد الله في امرأة تزوجها رجل ثم مات عنها ولم يفرض لها صداقاً ولم يدخل بها قال فاختلفوا إليه فقال أرى لها مثل مهر نسائها ... وذكر معقل بن سنان الأشجعي فشهد أن النبي صلى الله عليه وسلم قضى في واقعة مثل ما قضيت. رواه الخمسة وصححه الترمذي. (إعلاء السنن ج۱۱ ص۱۱۲) وفي الهندية: رجل تزوج ولم يسم لها مهراً أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثاني فيما يكون به المهر والتسمية)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۴ فصل ان ذكره مجهولاً لجهالة.

مقررشدہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے

سوال:- اگر خاوند کی طرف سے مقررشدہ حق مہر میں کوئی اضافہ ہو جائے تو کیا عورت اس اضافے کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:- حق مہر میں اضافہ اور کمی دونوں شرعاً جائز ہیں اس لیے بیوی کے قبول کرنے کی صورت میں خاوند کی طرف سے مقررشدہ مہر میں اضافہ درست اور نافذ ہے اور عورت اس کل کی مالکہ تصور ہوگی۔

قال فی الہندیۃ: الزيادة فی المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علمائنا الثلاثة كذا فی المحيط، فلو زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزيادة كذا فی السراج الوهاج. هذا إذا قبلت المرأة الزيادة سواء كانت من جنس المهر أو لا، من زوج أو من ولي كذا فی النهر الفائق. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۱۲ الفصل الثانی فی الزيادة فی المهر والحط منه)[1]

خاوند سے حق مہر کے علاوہ لیے گئے مال کا حکم

سوال:- شادی سے پہلے لڑکی والوں کا لڑکے سے حق مہر کے علاوہ کچھ رقم وغیرہ لینا شرعاً کیسا ہے؟ کیا لڑکا شادی کے بعد یا پہلے اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- شادی سے پہلے لڑکی کے والدین یا دوسرے اولیاء کے لیے حق مہر کے علاوہ لڑکے سے نقدی یا جنس کی شکل میں کچھ لینا حرام اور ناجائز ہے ایسا مال لڑکے کی ملکیت ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

قال الحصكفیؒ: أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة.
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۵۶ آخر باب المهر)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصری رحمه الله: ودل وضع المسئلة على جواز الزيادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة له بشرط قبولها فی المجلس علی الأصح. (البحر الرائق ج۳ ص۱۴۸ باب المهر)

[2] قال فی الهندية: ولو أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت)
ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۱۸۲،۱۸۳ باب المهر۔

حصولِ مہر کیلئے عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے

سوال:- کیا مہر حاصل کرنے کے لیے عورت اپنے آپ کو خاوند کے لیے ہمبستری کرنے سے روک سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر خاوند بیوی کو مہرِ معجل ادا نہ کرے تو مہر کے حصول کے لیے عورت اپنے آپ کو اس وقت تک خاوند سے روک سکتی ہے جب تک وہ اسے مہر ادا نہ کر دے۔

قال فی الہندیۃ: فی کل موضع دخل بہا او صحت الخلوۃ وتأکد کل المہر لو ارادت ان تمنع نفسہا لاستیفاء المعجل لہا ذلک عند ابی حنیفۃ خلافا لہما ... وقبل تسلیم نفسہا لہا ذلک بالاجماع۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص [illegible] الفصل الحادی عشر فی منع المرأۃ نفسہا بمہرہا) لہ

حقِ مہر قسط وار ادا کرنا جائز ہے

سوال:- اگر مہر کی مقدار زیادہ ہو اور خاوند کیلئے یکمشت ادا کرنا مشکل ہو تو کیا اس کیلئے قسط وار ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر عقدِ نکاح کے وقت تمام مہر یا بعض کا مؤجل یا معجل یکمشت یا قسطوار دینے کا فیصلہ ہوا ہو تو اس کے موافق عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال الحصکفی: وان لم یؤجلہ او یعجل کلہ فکما شرط لان الصریح یفوق الدلالۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص [illegible] مطلب ضمان الولی) لہ

لہ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تحت قول الماتن ولہا منعہ من الوطء (قولہ ذکر الولوالجی) الصغیرۃ التی ... مذکور حتی یقبض مہرہا۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۴۳ مطلب فی منع الزوجۃ نفسہا لقبض المہر)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۸ فصل یجب بہ المہر۔

لہ قال فی الہندیۃ: وان بینوا قدر المعجل یعجل ذلک وان لم یبینوا شیئا ینظر الی المرأۃ والی المہر المذکور فی العقد انہ کم یکون المعجل لمثل ہذہ المرأۃ من مثل ہذا المہر فیعجل ذلک معجلا ولا یتقدر بالربع ولا بالخمس وانما ینظر الی المتعارف وان شرطوا فی العقد تعجیل کل المہر یجعل الکل معجلا ویترک العرف۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص [illegible] الفصل الحادی عشر فی منع المرأۃ نفسہا)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص [illegible] باب المہر۔

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے بعد خاوند کے فوت ہو جانے سے بیوی کا حق مہر پکا ہو جاتا ہے اسلئے بیوہ مہر کی حقدار ہے خواہ وہ دوسری جگہ شادی کرے یا نہ کرے۔

قال فی الهندیة: والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین سواء کان مسمی أو مهر المثل حتی لا یسقط منه شیء بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۰۳ الباب السابع فی المهر)

طلاق قبل الدخول میں مہر کی مقدار

سوال:۔ ایک منکوحہ عورت کو رخصتی سے پہلے طلاق دی گئی تو یہ عورت کتنے مہر کی حقدار ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی منکوحہ عورت کو خلوت صحیحہ اور جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو وہ عورت مقرر شدہ مہر کے نصف کی حقدار ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة فلو کان نصف ما نقده خمسة کان لها نصفه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۰۴ باب المهر)[۲]

مہر دینے کے لیے باپ کا بیٹے کی طرف سے ضامن ہونا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کا باپ گواہوں کے سامنے بیٹے کے حق مہر کی ادائیگی کا وعدہ کرے اور گواہوں کے سامنے دستخط بھی کر دے تو بیٹے کی وفات کی صورت میں لڑکی یا اس کے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں باپ بیٹے کی طرف سے مہر کا ضامن ہے اگر عورت مہر معاف نہیں کرتی تو اس کے شوہر کے انتقال کے بعد عورت یا اس کے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتطالب أیتهما شاءت من زوجها البالغ والولی الضامن۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۶۹ باب المهر)[۳]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۰۲ باب المهر) ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۱۵۲ باب المهر۔

[۲] قال النسفیؒ: وبالطلاق قبل الدخول بتنصف۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۱۵۲ باب المهر)

[۳] قال العلامة المرغینانیؒ: وإذا ضمن الولی المهر صح ضمانه ثم المرأة بالخیار فی مطالبتها زوجها أو ولیها الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۳۲۳ باب المهر)

فاسق لڑکے کو صالح سمجھ کر رشتہ دینا

سوال:- ایک شخص نے دیندار لڑکے کو صالح سمجھ کر اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا، نکاح کے بعد لڑکے کا فسق مشہور ہوا تو اب نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد اس نکاح پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو اور لڑکی کے خاندان کے اکثر افراد صالح ہوں تو یہ نکاح باطل ہے، دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله ان عرف لا بصحة النكاح) زوج بنته الصغيرة من رجل ظنه صالحا لا يشرب مسكرا فاذا هو مدمن له فقالت لا ارضى بالنكاح اي بعد ما كبرت ان لم يكن يعرفه الاب بشربه وكان غلبة اهل بيته صالحين فالنكاح باطل لانه انما زوج على ظن انه كفء. (رد المحتار ج۳ ص۶۷ باب الاولیاء والاکفاء)[۱]

غیر سید کا سیدزادی سے نکاح کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کیا غیر سید کا نکاح سیدزادی سے ہو سکتا ہے؟

الجواب:- اگر سید لڑکی کا باپ کسی غیر سید لڑکے کو رشتہ دیتے ہیں عار محسوس نہیں کرتا اور لڑکی بھی راضی ہو تو سیدزادی کا نکاح غیر سید لڑکے سے کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

قال ابن نجیمؒ: تحت قول المصنفؒ (ورضی البعض کالکل) ای رضا بعض الاولیاء المستوین فی الدرجة کرضاء کلهم حتی لا یتعرض احد منهم بعد ذلك.

(البحر الرائق ج۳ ص۱۳۹ فصل فی الاکفاء)[۲]

---

[۱] قال فی الهندیة: رجل زوج ابنته الصغیرة من رجل على ظن انه صالح لا يشرب الخمر فوجده الاب شريبا مدمنا وكبرت الابنة فقالت لا ارضى بالنكاح ان لم يكن يعرف ابوها بشرب الخمر وغلبة اهل بيته الصالحون فالنكاح باطل وهذه المسألة بالاتفاق كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۹۱ الباب الخامس في الاكفاء)
ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۱۳۵ فصل في الاكفاء۔

[۲] قال العلامة الكاسانیؒ: اذ في الكفاءة حق الاولياء فانهم يتضررون بفقدها ... ولو كان التزوج برضاهم يلزم حتى لا يكون لهم حق الاعتراض. (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل في النكاح الذي الكفاءة فيه شرط)
ومثله في رد المحتار ج۳ ص۸۶ فصل في الكفاءة۔

مجنون اور دیوانہ عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا

سوال: کیا مجنون اور دیوانہ شخص کسی عاقلہ عورت کا کفو ہو سکتا ہے اور ان دونوں کے درمیان نکاح درست ہے؟

الجواب: جنون ایسی چیز ہے جو عار بننے کا سبب بنتا ہے اس لیے مجنون اور پاگل مرد راجح قول کے مطابق عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا ان دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں۔

قال ابن عابدین: قال فی النهر وقیل یعتبر لانه یفوت مقاصد النکاح فکان أشد من الفقر ودناءة الحرفة وینبغی اعتماده لان الناس یعیرون بتزویج المجنون أکثر من دنی الحرفة ونحوه. وفی البنایة عن المرغینانی لا یکون المجنون کفوًا للعاقلة وعند بقیة الائمة هو من العیوب التی ینفسخ بها النکاح۔

ومثله فی حاشیة البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۳ فصل فی الاکفاء

نکاح میں ولایت کی ترتیب

سوال: نکاح میں ولایت کی ترتیب کیا ہے اور کن کن پر مقدم ہے؟

الجواب: ولایت نکاح میں سب سے مقدم ولی وارث و عصبہ کی ترتیب سے عصبہ ہوتا ہے پھر اگر عصبہ نہ ہوں تو ماں وغیرہ ہے۔

قال العلامة الکاسانی: واما شرط التقدم فیثبت لاحدهما العصوبة عند ابی حنیفة فتقدم العصبة علی ذوی الارحام سواء کانت العصبة اقرب او ابعد ..... وعند عدم العصبات تثبت الولایة لذوی الارحام الاقرب منهم یتقدم علی الابعد. (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۴۰ فصل فی شرط التقدم فی ولایة النکاح)

۱۔ قال العلامة الحصکفی: فی المعتمد عن المرغینانی: المجنون لیس بکفو للعاقلة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۹۳ فصل فی الکفاءة)

۲۔ قال فی الهندیة: وعند عدم العصبة کل قریب یرث الصغیر والصغیرة من ذوی الارحام یملک تزویجهما فی ظاهر الروایة ..... والاقرب عند ابی حنیفة الام ثم البنت ثم بنت الابن ثم بنت البنت۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۸۳ الباب الرابع فی الاولیاء)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۲۴ باب الاولیاء والاکفاء۔

قریب کے ولی کی موجودگی میں بعید کا ولی نکاح کرے تو اس کا حکم

سوال: باپ کی موجودگی میں ایک نابالغ لڑکی کا نکاح اس کا چچا کردے اور باپ اس پر ناراضگی کا اظہار کرے تو کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار نکاح کردے تو یہ نکاح قریبی رشتہ دار کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر وہ اجازت دے تو نکاح درست ہے ورنہ اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں چچا کا کیا ہوا نکاح باپ کی ناراضگی کی وجہ سے درست نہیں۔

قال ابن نجیم: وأما إذا كان بحضرتها أقرب من الآخر فولاية الأبعد مع الأقرب إذا غاب غيبة منقطعة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۸ باب الاولیاء والاکفاء)

باپ دادا کے علاوہ کسی ولی کا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردینے کا حکم

سوال: چچا نے اپنی نابالغہ بھتیجی کا نکاح ایک فاسق لڑکے سے کردیا جبکہ لڑکی صالحہ نیک سیرت ہے۔ تو کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فسق چونکہ عار بننے کا سبب ہے اس لیے صالح عورت کا فاسق مرد کفو نہیں اور باپ دادا کے علاوہ دیگر ولیوں کا نابالغ صالحہ عورت کا فاسق اور غیر کفو کے نکاح میں دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ بالغ ہونے پر لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا جبکہ تو نکاح ختم کرسکتی ہے

قال العلامة الكاساني: وأما إنكاح الأب والجد الصغير والصغيرة فالكفاءة فيه ليست بشرط للزومه عند أبي حنيفة... بخلاف إنكاح الأخ والعم من غير كفء أنه لا يجوز أصلاً لأنه ضرر محض۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۷ فصل في الشرط الذي يرجع إلى الكفاءة)

لہ قال في الهندية: وإن زوج الصغير والصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع في الأولياء)

ومثله في رد المحتار ج۳ ص۸۱ باب الأولياء۔

لہ قال النسفي: وإن زوجهما غيرهما غير كفء أو بغبن فاحش لم يجز ولم يجز ذلك لغير الأب والجد۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۷ فصل في الأكفاء) ومثله في رد المحتار ج۳ ص۷۲ باب الأولياء۔

کسی ایک ولی کا اپنا حق ولایت استعمال کرنے سے دیگر اولیاء کا حق ساقط ہو جاتا ہے

سوال: اگر کسی عورت کے متعدد اولیاء ہوں اور ان میں سے کسی ایک ولی کا اپنا حق استعمال کرنے سے نکاح کے بعد دوسرے اولیاء کو نکاح کے رد کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی عورت کے متعدد اولیاء جب مرتبہ میں برابر ہوں تو جس ولی نے پہلا نکاح کرایا تو وہ درست ہے اور دوسرے اولیاء کے رد کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ: ثم اذا اجتمع فی الصغیر والصغیرۃ ولیان فی الدرجۃ علی السواء فزوجہا احدہما جاز اجازہ الآخر او فسخ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۱۹ باب الاولیاء والاکفاء) لہ

نابالغہ کا نکاح دادی کے کر دینے سے لڑکی کو خیار بلوغ کا حق ہے

سوال: دادی نے اپنی نابالغہ پوتی کا نکاح کر دیا تو بالغ ہونے پر لڑکی کو خیار بلوغ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ باپ یا دادا جب نابالغ کا نکاح کرائیں تو بعد البلوغ اس کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں، صورت مسئولہ میں چونکہ نکاح دادی نے کرایا ہے جس کو حق ولایت بھی حاصل نہیں اس لیے لڑکی بلوغ کے بعد خیار بلوغ کی وجہ سے فسخ نکاح کا حق رکھتی ہے تاہم نکاح فسخ کرنے کا حق قاضی (حاکم) کے ذریعے ہوگا جس کے بعد لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

قال النسفیؒ: ولہما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الاب والجد بشرط القضاء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۴ باب الاولیاء والاکفاء) لہ

لہ وفی الہندیۃ: واذا اجتمع للصغیر والصغیرۃ ولیان مستویان کالاخوین والعمین فایہما جاز عقد نافذ وزوج قاضیہان۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۸۴ الباب الرابع فی الاولیاء)

وَمِثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۸ باب الاولیاء۔

لہ قال ابن عابدینؒ: وحاصلہ انہ اذا کان المزوج للصغیر والصغیرۃ غیر الاب والجد فلہما الخیار بالبلوغ او العلم بہ فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج۳ ص۷۰ باب الاولیاء)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء۔

کفاءت میں مالداری کے اعتبار کا حکم

سوال:۔ چچا نے اپنی نابالغہ یتیم بھتیجی کا نکاح اپنے عدیم المال بیٹے سے کر دیا تو کیا یہ نکاح شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بنا بر روایت مختار کفاءت صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے اور جن چیزوں میں کفاءت شرط ہے ان میں سے ایک مال بھی ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکا مہر معجل اور حرفت نہ ہونے کی صورت میں ایک ماہ کے نفقے پر قادر ہو اور لڑکی بھی بلوغ کے بعد راضی ہو تو نکاح درست ہے ورنہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قول الحصکفیؒ (الکفاءۃ معتبرۃ فی ابتداء النکاح للزومہ أو لصحتہ) وھذا بناءً علی ظاھر الروایۃ من أن العقد صحیح وللولی الاعتراض، أما علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتوی من أنہ لا یصح فالمعنی معتبرۃ فی الصحۃ انتھی۔ وقال الحصکفیؒ: ومالاً بأن یقدر علی المعجل ونفقۃ شھر لو غیر محترف۔ (رد المحتار ج۳ ص۸۵ باب الکفاءۃ)[۱]

شریعت میں بلوغ کی حد

سوال:۔ شریعت میں لڑکے اور لڑکی کی حد بلوغ کیا ہے؟

الجواب:۔ لڑکے میں بلوغ کی نشانی احتلام کا ہونا ہے اور لڑکی کے بلوغ کی علامت حیض کا آنا ہے، اگر یہ دونوں نشانیاں نہ ہوں تو مفتی بہ قول کی رو سے پندرہ سال پورے ہو جانے پر بلوغ کا حکم جاری کیا جائے گا۔

قال فی الھندیۃ: بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الإنزال والجاریۃ بالاحتلام أو الحیض أو الحبل کذا فی المختار والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریۃ إذا انتھیا إلیہ خمس عشرۃ سنۃ عند أبی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ وھو روایۃ عن أبی حنیفۃؒ وعلیہ الفتوی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۶۱ کتاب الحجر، الباب الثانی فی معرفۃ حد البلوغ)[۲]

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ: الفقیر لا یکون کفواً للغنیۃ کبیرۃ کانت أو صغیرۃ إلا أن یکون عالماً أو شریفاً۔ (الأشباہ والنظائر ج۲ ص۱۱ کتاب النکاح)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹ فصل ما تعتبر فیہ الکفاءۃ

[۲] قال النسفیؒ: بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال ... والجاریۃ بالحیض والاحتلام والحبل ... ویفتی بالبلوغ فیھما بخمسۃ عشرۃ سنۃ۔ (البحر الرائق ج۸ ص۸۵ باب الحجر)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۷ ص۱۷۲ کتاب الحجر فصل حکم الحجر لما معرفۃ البلوغ۔

وکیل کے ذریعے نکاح کا حکم

سوال: اگر کسی لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنائیں اور وہ ان کی طرف سے ایجاب و قبول کرے تو اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: نکاح ان امور میں سے ہے جن میں وکالت جائز ہے لہٰذا لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح میں ایجاب و قبول کے لیے کسی کو وکیل بنا سکتے ہیں اور اس پر اکتفا کر کے ان کا نکاح منعقد ہو گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ثم النکاح کما ینعقد بهذه الالفاظ بطریق الاصالة ینعقد بها بطریق النیابة بالوکالة والرسالة لأن تصرف الوکیل کتصرف الموکل۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۳۱ فصل رکن النکاح)[1]

نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم

سوال: کیا نکاح میں کسی نابالغ لڑکے کو وکیل بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نابالغ لڑکا جب عاقل اور ممیز ہو تو نکاح میں اس کی وکالت درست ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: واما البلوغ والحریة فلیسا بشرط لصحة الوکالة فتصح وکالة الصبی العاقل الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص۲۰ فصل الشرائط الوکالة)[2]

نکاح میں کسی اجنبی کی توکیل کے لیے تصریح ضروری ہے

سوال: بالغ عورت سے اگر کوئی اجنبی شخص نکاح کی اجازت مانگے تو ایسی حالت میں عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت کے مترادف ہے یا صراحتاً اجازت ضروری ہے؟

الجواب: اجنبی شخص کو اجازت طلب کرتے وقت عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت

---

[1] قال فی الہندیة: ویصح التوکیل بالنکاح وان لم یحضره الشهود، کذا فی التاتارخانیة۔
(الفتاوی الہندیة ج ۱ ص۲۹۴ الباب السادس فی الوکالة بالنکاح)
ومثلہ فی رد المحتار ج ۳ ص۹۵ مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: صح التوکیل وهو اقامة الغیر مقام نفسه فی التصرف ممن یملکه اذا کان الوکیل یعقل العقد ولو صبیا الخ۔ (البحر الرائق ج ۷ ص۱۳۹ کتاب الوکالة)
ومثلہ فی الہندیة ج ۳ ص۵۶۲ کتاب الوکالة الباب الاول

نکاح کیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

الجواب:۔ جس لڑکی کو خیارِ بلوغ کا حق حاصل ہو بالغ ہونے کے بعد باقاعدہ عدالت سے فسخِ نکاح کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، عدالت سے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر دوسری جگہ نکاح کا اعتبار درست نہیں، تنسیخِ نکاح کے لیے عدالت کا سہارا لینا ضروری ہے۔

قال ابن عابدین رحمه الله: (قوله بشرط القضاء للفسخ) وحاصله أنه اذا كانت المزوج للصغير او لصغيرة غير الأب والجد فلهما الخيار بالبلوغ او العلم به فان اختار الفسخ لا يثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج۳ ص[illegible] باب النکاح باب الولی، مطلب مہم هل للعصبة تزویج الصغیر الخ) [1]

وکیلِ نکاح کی شرائط

سوال:۔ جو نکاح وکیل کے ذریعے باندھا جائے تو اس کے انعقاد کے لیے وکیل میں کون کون سی شرائط ہونی چاہئیں؟

الجواب:۔ نکاح کا انعقاد وکالت کے ذریعے ہو سکتا ہے بشرطیکہ وکیل عاقل و بالغ ہو ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، تاہم اگر وکیل نابالغ ہو مگر اچھے برے اور نفع نقصان میں تمیز کر سکتا ہو تو ایسی صورت حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامة داماد آفندیؒ: فيصح توكيل الحر البالغ العاقل بمثله الآتي والمأذون الصبي او البالغ من جهة الولي او المولى حرا بالغا او مأذونا۔ (در المنتقى على هامش مجمع الانهر ج۲ ص۲۲۲ کتاب الوکالة)

وفي مجمع الانهر: (الصبي العاقل الذي اذن له الولي والعبد الذي اذن له المولى) اي يصح توكيل كل منهما۔ (مجمع الانهر ج۲ ص۲۲۲ کتاب الوکالة) [2]

---

[1] قال النسفیؒ: ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۳۰ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع في الاولياء۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: ثم ذكر شرط التوكيل فقال اذا كان الوكيل يعقل ولو صبيا او عبدا محجورا لا يخفى ان الكلام الآن في صحة الوكالة۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص۵۱۱ کتاب الوکالة)

ومثله في رد المحتار ج۵ ص۵۱۱ کتاب الوکالة۔

ولایت میں قریب و بعید کے ورثاء کا اعتبار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک یتیم بچی ہے جس کے اولیاء میں دادا اور دو چچا ہیں۔ بچی کے بالغ ہونے پر چھوٹے چچا نے باپ اور بڑے بھائی کی اجازت کے بغیر بچی کا ایک جگہ نکاح کر دیا۔ جب بچی کے دادا کو پتہ چلا تو اس نے یہ نکاح نامنظور کر دیا۔ تو کیا اس بچی کا نکاح صحیح ہے یا کہ دادا کے انکار کی وجہ سے اس کی حیثیت ختم ہو جائے گی؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ اولیاء دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) قریب (۲) بعید۔ اگر کسی بچی کا نکاح اس کا ولی بعید بغیر اجازت ولی قریب کے کسی جگہ کر دے تو وہ نکاح ولی قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ نافذ کر دے تو نافذ ورنہ ناجائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر دادا اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة السرخسیؒ: فان زوجها الابعد والاقرب حاضر توقف على اجازة الاقرب لان الابعد كالاجنبي عند حضرة الاقرب فيتوقف عقده على اجازة الاقرب ... الخ

(المبسوط ج۴ ص۲۲۴ کتاب النکاح. باب نکاح الصغیر والصغیرة) ـ له

مساوی ورثاء میں سے کسی ایک کا نابالغ لڑکی کا نکاح کرا دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نابالغ لڑکی کا باپ فوت ہو جائے اور اس کے اولیاء میں تین چچا ہوں اور ان میں سے ایک چچا اس بچی کا نکاح کرا دے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکی کے تینوں چچا رشتے میں مساوی ہیں اور قرابت میں تجزیہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اس لیے راجح مذہب یہ ہے کہ تینوں چچاؤں میں سے کوئی ایک بھی لڑکی کا نکاح کرا دے تو جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة السرخسیؒ. واذا اجتمع فی الصغيرة اخوان لاب وام فايهما زوجها جاز عندنا ...... على ان كل واحد منهما ينفرد بالعقد والحق ينبني سبب الولاية

له قال ابن عابدینؒ: قوله ولا ای وان لم یستو فی الدرجة وقيل نعم لا يبعد فلا فرق بين الاعتراض۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۲۳ کتاب النکاح. باب الولی)
ومثله فی الدر المنتقى شرح الملتقى ج۱ ص۳۳۹ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء۔

حق منہ بنہ وھو غیر محتمل للوصف بالتجزی الخ (المبسوط ج۴ ص۲۱۵ کتاب النکاح ، باب نکاح الصغیر والصغیرة)[1]

عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کرانے سے حق مہر کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی نے از خود غیر کفو میں نکاح کر لیا اور ورثاء نے بذریعہ عدالت نکاح ختم کرا لیا، تو کیا لڑکی اب مہر کی مالکہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں غیر کفو میں نکاح کے بعد اگر دخول ہوا ہو تو حق مہر شوہر کے ذمے لازم ہے اور عدم دخول کی صورت میں تفریق ہو جانے سے بیوی حق مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

وفی الہندیة: ولو تزوجت المرأة ونقصت من مہر مثلہا فللولی الاعتراض علیہا حتی یتم لہا مہرہا او یفارقہا واذا فارقہا قبل الدخول فلا مہر لہا وان فارقہا بعد الدخول فلہا المسمی الخ (الفتاوی الہندیة ج۱ ص۲۹۲/۲۹۳ الباب الخامس فی الاکفاء)[2]

عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی نے ورثاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا، بعد ازاں ورثاء اسے اپنے گھر لے آئے اور اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کر دیا جبکہ انہوں نے عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری نہیں لی ہے، تو کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا عدالت سے تفریق کرانا لازمی ہے؟

الجواب:۔ بعض تفریق ایسے ہیں کہ جن میں قضاءِ قاضی کی رو سے یعنی بذریعہ عدالت تفریق کرانا لازمی

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: (قولہ لثبوتہ لکل کملا) لانہ حق واحد لا یتجزأ لانہ ثبت بسبب لا یتجزأ۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۲۳ کتاب النکاح، باب الولی)

ومثلہ فی الہندیة ج۱ ص۲۸۴ کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا فسخ القاضی بینہما تکون ھذہ فرقة بغیر طلاق حتی لو لم یکن الزوج دخل بہا فلا شیٔ لہا من المہر وان کان قد دخل بہا فلہا المسمی من المہر وعلیہا العدة۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۲۲ کتاب النکاح الفصل الخامس عشر فی الکفاءة)

ومثلہ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۴۲ باب الکفاءة۔

ہے ان میں سے ایک صورت مسئولہ بھی ہے لہٰذا مذکورہ عورت کا دوسرا نکاح اس وقت تک صحیح نہیں جب تک عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری نہ لی جائے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم الفرقة التی تختص بقضاء القاضی منها الفرقة بالجب والعنة واللعان وباباء الزوج الاسلام — هو طلاق — وبخیار البلوغ وعدم الکفاءة ونقصان فی المهر فسخ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج٣ ص... کتاب النکاح، الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء) [1]

کفاءت ایک جانب سے ہونی ضروری ہے

سوال:۔ کیا کفوءت جانبین سے ہونی چاہیئے یا صرف مرد کے لیے عورت کا کفو ہونا ضروری ہے؟

الجواب:۔ ائمہ کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نکاح میں صرف مرد کا عورت کا کفو ہونا ضروری ہے، باقی عورت کے لیے یہ شرط لازمی نہیں اس لیے کہ نکاح کے بعد بیوی شوہر کا تابع ہو جاتی ہے۔

قال العلامة الجزیریؒ: ان الکفاءة معتبرة فی جانب الرجل لا فی جانب المرأة فللرجل ان یتزوج من یشاء ولو امة او خادمة الخ (الفقه علی المذاهب الاربعة ج٤ ص... کتاب النکاح مبحث الکفاءة فی الزواج) [2]

کفوءت کی شرائط

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کفاءت کے اندر کون سے امور داخل ہیں جن کی عدم موجودگی کی وجہ سے مرد عورت کے

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: (وله) ای للولی (اذا کان عصبة) ... (الاعتراض فی غیر الکفء) فیفسخه القاضی ویتجدد بتجدد النکاح الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج٢ ص... کتاب النکاح باب الولی)
ومثله فی الهندیة ج١ ص... کتاب النکاح الباب الخامس فی الاکفاء۔

[2] قال العلامة وهبة الزحیلی: یری جمهور الفقهاء ان الکفاءة تطلب للنساء لا للرجال یعنی ان الکفاءة تعتبر فی جانب الرجال للنساء فهو حق فی صالح المرأة لا فی صالح الرجل الخ
(الفقه الاسلامی وادلته ج٧ ص٢٣٩ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج، المبحث الرابع من تطلب له الکفاءة فی جانبیه)
ومثله فی الاحوال الشخصیة ص... الجانب الذی تشترط فیه الکفاءة۔

کفو بننے سے نکل جاتا ہے؟

الجواب:۔ کفاءت کے بارے میں ائمہ اربعہؒ نے مختلف امور ذکر کئے ہیں مگر حنفیہ کے نزدیک اسلام، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور مال جیسے امور کفوءت میں داخل ہیں۔

قال العلامة الجزيريؒ: إن الكفاءة هي مساواة الرجل للمرأة في امور مخصوصة وهي ستة: النسب، والاسلام، والحرفة، والحرية، والديانة، والمال۔ الخ

(الفقه على المذاهب الاربعة ج۴ ص۵۴ كتاب النكاح مبحث الكفاءة في الزواج) ؎۱

تفریقِ قاضی طلاق ہے یا فسخ؟

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے استاذ سے سبق میں پڑھا ہے کہ عدمِ کفو کی بنا پر قاضی تفریق کر سکتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ تفریق بمنزلہ طلاق ہوگی یا فسخ؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب:۔ عدمِ کفاءت کی وجہ سے عدالت جو تفریق بین الزوجین کراتی ہے وہ بمنزلہ فسخِ نکاح ہوگی بمنزلہ طلاق نہیں۔

وفي الهندية: ولا يكون التفريق بذلك الا عند القاضي، اما بدون فسخ القاضي فلا ينفسخ النكاح بينهما وتكون هذه فرقة بغير طلاق حتى لو لم يكن الزوج دخل بها فلا شيء لها من المهر۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۹۲ الباب الخامس في الاكفاء) ؎۲

؎۱ قال الدكتور وهبة الزحيليؒ: وفي اصطلاح الفقهاء: المماثلة بين الزوجين دفعاً للعار في امور مخصوصة هي عند المالكية: الدين والحال (اي السلامة من العيوب التي توجب لها الخيار) وعند الجمهور: الدين والنسب والحرية والحرفة (او الصناعة) وزاد الحنفية والحنابلة اليسار (او المال)

(الفقه الاسلامي وادلته ج۷ ص۲۲۹ الفصل الخامس الكفاءة في الزواج)

ومثله في الاحوال الشخصية ص۱۳۵ كتاب النكاح، الجانب الذي تشترط فيه الكفاءة۔

؎۲ قال ابن عابدين رحمه الله تحت هذه العبارة: (قوله ويفرق القاضي) ولا تكون هذه الفرقة الا عند القاضي وما لم يقض القاضي بالفرقة بينهما فحكم الطلاق والظهار والايلاء والميراث باق ..... وبعد اسطر قال تحت قوله (فلا مهر لها) لان الفرقة جاءت من قبل من له الحق وهي فسخ۔ الخ (الدر المختار مع رد المحتار ج۴ ص۲۵۲ كتاب النكاح، باب الكفاءة)

ومثله في الفتاوى قاضيخان ج۲ ص۱۶۱ كتاب النكاح، فصل في الكفاءة۔

کسی لڑکی کا غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرنا

سوال:- اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے اور لڑکا پیشے کے اعتبار سے لڑکی کا کفو نہ ہو یعنی اس کا پیشہ قابلِ عار ہو، جبکہ لڑکی کے رشتہ داروں کو اس نکاح کا علم اسی وقت ہوا جب لڑکی کے ہاں اس لڑکے سے ایک بچہ پیدا ہوا، تو کیا لڑکی کے ورثاء اب اس نکاح کو فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- عدمِ کفوءت کی وجہ سے مرد یا عورت سے اولیاء کا حق ساقط نہیں ہوتا، إلا یہ کہ اولیاء رضامندی ظاہر کردیں یا اس مرد کا عورت سے بچہ پیدا ہوجائے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں بچے کی پیدائش کے بعد اولیاء کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہیں رہتا۔

قال العلامة الدكتور وهبة الزحيلي: ويثبت هذا الحق عند الحنفية للأقرب من الأولياء العصبة فالأقرب، فإذا لم يرضوا فلهم أن يفرقوا بين المرأة وزوجها ما لم تلد أو تحمل حملاً ظاهراً في ظاهر الرواية الخ۔ (الفقه الإسلامي وأدلته ج ۷ ص ۲۳۴ الفصل الخامس الكفاءة في الزواج - المبحث الثالث صاحب الحق في الكفاءة) [1]

کفو میں وقت کا اعتبار ہے

سوال:- ایک شخص جو کہ نیک، پرہیزگار اور صاحبِ ثروت تھا، اس نے ایک مالدار گھرانے میں شادی کی، چند سال بعد وہ آدمی دیوالیہ ہوگیا اور اب وہ ایک ایک پائی کا محتاج ہے اور اس کے سسرال والے اپنی بیٹی کو اس سے چھڑانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے کفو نہیں رہے، یہ ہمارے لیے عار کا سبب ہے۔ کیا اتنی مدت گزرنے کے بعد اس بنا پر وہ لوگ بذریعہ عدالت اپنی بیٹی کو آزاد کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- شریعتِ اسلامیہ نے نکاح کے لیے اگرچہ کفو کا اعتبار کیا ہے مگر

---

[1] قال العلامة عبد الرحمن الجزيري: إن الكفاءة في الأمور المذكورة من حق الولي بشرط أن يكون عصبة ولو كان غير محرم كابن العم يملك تزويجها ..... ثم إذا سكت الولي عن الاعتراض حتى ولدت المرأة ذات حقه يسقط في الكفاءة الخ۔

(الفقه على المذاهب الأربعة ج ۴ ص ۵۹ كتاب النكاح مبحث الكفاءة في الزوج)

ومثله في الأحوال الشخصية للإمام محمد أبو زهرة ص ۱۴۱ ومن له حق الكفاءة۔

یہ یاد رہے کہ اس کا اعتبار ایک خاص وقت میں کیا جائے گا اور جب وہ مدت ختم ہو جائے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے والدین کو اتنی مدت کے بعد یہ حق حاصل نہیں اور نہ کوئی عدالت میاں بیوی میں تفریق کرنے کی مجاز ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: والكفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد فلا يضر زوالها بعده فلو كان وقته كفواً ثم فجر لم يفسخ. الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص[illegible] كتاب النكاح. باب الكفاءة)[1]

گونگے شخص کا اشارے سے نکاح کرانا

سوال:- اگر کوئی گونگا آدمی اپنی بیٹی کا نکاح مجلسِ نکاح میں مخصوص اشارے سے کرائے تو کیا یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- اگر گونگے شخص کا اپنے مخصوص اشاروں سے نکاح کرانا معروف ہو اور حاضرینِ مجلسِ نکاح بھی ان اشاروں سے نکاح مراد لیتے ہوں تو بیٹی کا نکاح کرانا صحیح اور درست ہے۔

قال ابن نجيمؒ: الإشارة من الأخرس معتبرة وقائمة مقام العبارة في كل شيء إلا في الحدود ... وقيد في إشارة الأخرس أن تكون معهودة وإلا لا تعتبر.
(الأشباه والنظائر ج۲ ص۳۴۵ في بيان أحكام الإشارة)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: ولا يخفى أن اعتبارها في الكفاءة بين الزوج وأبيها وأن الظاهر اعتبارها وقت العقد. الخ
(البحر الرائق ج۳ ص۱۳۴ كتاب النكاح. فصل في الأكفاء)
ومثله في فتاوى قاضي خان ج۱ ص۱۴۱ فصل في الكفاءة.

[2] قال العلامة ابن الهمامؒ تحت قول صاحب الهداية: وطلاق الأخرس واقع بالإشارة لأنها صارت معهودة فكانت كالعبارة في الدلالة استحساناً فيصح بها نكاحه وطلاقه وعتاقه وبيعه وشراؤه سواء قدر على الكتابة أو لا يقدر استحساناً بالضرورة. الخ
(فتح القدير ج۳ ص۳۴۹ كتاب الطلاق)
ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۲۴۸ كتاب الطلاق.

بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا

سوال: بعض علاقوں میں لڑکیوں کو پتہ تک نہیں ہوتا اور والدین ان کا نکاح کرا چکے ہوتے ہیں، کیا بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ بغیر اس کی اجازت کے کرا سکتا ہے؟

الجواب: شریعت اسلامیہ نے بالغہ حرہ لڑکی کو اپنے نفس کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس لیے اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرا دیا تو وہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ اجازت دے اور رضامندی کا اظہار کرے تو درست ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين: (سئل) في بكر بالغة عاقلة رشيدة زوجها أبوها رجلا بلا إذنها ولا وكالة عنها فردت النكاح حين بلغها فورا فهل يرتفع بردها والحالة هذه؟ (الجواب) نعم. (تنقيح الحامدية ج۱ ص۲۲ كتاب النكاح في مسائل منثورة من ابواب النكاح) [۱]

بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے کی اجازت ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! شوہر اپنی بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے دینا چاہیے؟ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو سال سال والدین کے گھر نہ جانے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہفتے میں ایک مرتبہ والدین کی زیارت کے لیے جا سکتی ہے، یہ اس کا شرعی حق ہے، جو شخص ظلم و تعدی کے ساتھ اپنی بیوی کو والدین کی زیارت کے لیے جانے سے روکتا ہو تو وہ گنہگار ہے، تاہم اگر والدین کے گھر جانے سے فتنے کا اندیشہ ہو تو والدین کو چاہیے کہ وہ خود بیٹی کو دیکھنے کے لیے آیا کریں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على اتيانها على ما اختاره في الاختيار وفي هامشه

---

[۱] قال العلامة فخر الدين المعروف بقاضي خان: فلا يزوج البكر البالغة أبوها على كره منها خلافا للشافعي. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۳۵۸ في فصل الاولياء)
ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۴۳ كتاب النكاح، معرفة الاولياء

فلیس بالعم ما ذکرہ الشارح۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۶۲ کتاب النکاح باب الولی)

سورہ کی رسم کا شرعی حکم

سوال:- پٹھانوں میں ایک رسم زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی جھگڑے کے سلسلہ میں راضی نامہ کرتے ہیں تو اس میں فریق مخالف کو لڑکی نکاح میں دی جاتی ہے جس کو عرف میں سورہ کہا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے معاملے میں اگر باپ اپنی نابالغ بیٹی دے دے تو کیا اس لڑکی کو بعد البلوغ خیار حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ ایک جاہلانہ رسم ہے، اس میں لوگ انتقام اس مظلوم لڑکی سے لیتے ہیں، گھر میں اس کو زرخرید باندی کی طرح رکھا جاتا ہے بلکہ معاشرہ میں بھی یہ معیوب سمجھا جاتا ہے لہٰذا ایسی مظلوم لڑکی کو باپ کے سوء اختیار کی وجہ سے خیار بلوغ حاصل ہے اگر وہ چاہے تو خیار استعمال کر کے الگ ہو سکتی ہے۔

عن خنساء بنت خذام الانصارية ان اباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فاتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحه۔ (مختصر صحیح البخاری ج۲ ص۲۴۳ باب اذا زوج الرجل ابنته وهي كارهة فنكاحه مردود) ؎۲

؎۱ قال قاضی خان: ويجوز للزوج ان يأذن لها بالخروج ولا يصير عاصيا بالاذن ومنها الخروج الى زيارة ابويها وتعزيتهما وعيادتهما وزيارة المحارم۔
(الفتاوى الخانية على هامش الهندية ج۱ ص۴۴۳ كتاب النكاح)

ومثله في الاشباه والنظائر ج۲ ص۸۴ كتاب النكاح۔

؎۲ قال العلامة المرغيناني: ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح. بعد اسطر ولنا انها حرة فلا يكون للغير عليها ولاية الاجبار۔ (الهداية ج۲ ص۲۹۳ كتاب النكاح)

وقال ايضا: واذا زوج الاب ابنته الصغيرة ونقص من مهرها او ابنه الصغير وزاد في مهر امرأته جاز ذلك عليهما ولا يجوز ذلك لغير الاب والجد وهذا عند ابي حنيفة وقالا لا يجوز الحط والزيادة الا بما يتغابن الناس فيه ومعنى هذا الكلام انه لا يجوز العقد عندهما الا ان الولاية مقيدة بشرط النظر فعند فواته يبطل العقد۔ (الهداية ج۲ ص۳۱۷ كتاب النكاح فصل في الكفاءة)

بیٹی کا غیر کفو میں نکاح کروانا

سوال:۔ اگر باپ کسی دینی یا دنیاوی مصلحت کی خاطر اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو میں کر دیتا ہے جبکہ لڑکی بھی اس پر راضی ہے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

الجواب:۔ غیر کفو میں نکاح عیب و رسوائی کی وجہ سے قابل اعتراض ہے ورنہ فی نفسہ اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اگر لڑکی بالغہ ہو اور وہ باپ کے اس فیصلے پر راضی ہو تو نکاح درست ہے۔

قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: اگر لڑکی بالغہ اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے، غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم

(امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب النکاح)[1]

غیر کفو میں نکاح پر اولیاء کا اعتراض

سوال:۔ آجکل بعض لڑکیاں کسی غیر کفو والے لڑکے کے ساتھ فرار ہو کر نکاح کر لیتی ہیں، کیا ایسی لڑکی کے اولیاء کو نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی لڑکی از خود غیر کفو میں شادی کرے جو خاندان کیلئے ذلت و رسوائی کا باعث ہو تو لڑکی کے ورثاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: اذا زوجت المرأة نفسها من غیر کفو فللاولیاء ان یفرقوا بینهما دفعاً لضرر العار عن انفسهم۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۱۹ کتاب النکاح باب الاکفاء والولی)[2]

---

[1] قال الکاسانیؒ: واما النکاح الاب والجد الصغیر والصغیرة فالکفاءة فیه لیست بشرط للزوم عند ابی حنیفةؒ لانها لیست بشرط الجواز عند بعضهم وذلک لان الصدر من الاب کمال الشفقة۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۷ فصل واما الثانی فالنکاح الذی)۔ ومثله فی امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب النکاح۔

[2] قال الکاسانیؒ: حتی لو زوجت نفسها من غیر کفء من غیر رضا الاولیاء لا یلزم وللاولیاء حق الاعتراض لان فی الکفاءة حقاً للاولیاء لانهم یتعیرون بذلک الا تری انهم یتفاخرون بعلو نسب الختن ویتعیرون بدناءة نسبه فیتضررون بذلک فکان لهم ان یدفعوا الضرر عن انفسهم بالاعتراض۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸ کتاب النکاح فصل واما الثانی)

فاسق وفاجر لڑکا دیندار خاندان کی لڑکی کا کفو نہیں

سوال:۔ ایک نیک اور دیندار خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی نے معاشرے میں کسی فاسق وفاجر اور بے دین لڑکے کے ساتھ بلا رضا اولیاء کے از خود شادی کرلی، تو کیا اس شادی پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ یہ شادی لڑکی کے خاندان والوں کے لیے عار کا باعث بنتی ہو تو ایسی پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ چونکہ فسق وفجور اور بے دینی بھی ایک عیب ہے جو نیک اور دیندار خاندان کے لیے باعث عار ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں فسق سے مراد وہ فسق ہے جو عار کا باعث بنے۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: حتى لو أن امرأة من بنات الصالحين إذا زوجت نفسها من فاسق كان للأولياء حق الاعتراض ...... لأن التفاخر بالدين أحق من التفاخر بالنسب ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۲۰ كتاب النكاح۔ فصل وأما التي في جانب)[1]

ولایت میں ماں دادی سے مقدم ہے

سوال:۔ اگر کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو کیا ولایت کا حق لڑکی کی دادی کو حاصل ہوگا یا اس کی ماں کو؟

الجواب:۔ جب کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو ولایت کا حق اس لڑکی کی ماں کو حاصل ہے نہ کہ کسی اور کو۔

قال العلامة الحصكفيؒ: فإن لم تكن عصبة فالولاية للأم ثم لأم الأب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۷۸ باب الأولياء)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: والظاهر أن الصلاح منها أو من آبائهم كاف لعدم كون الفاسق كفؤا لها۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳۳ كتاب النكاح، فصل في الكفاءة والأولياء)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الأنصاريؒ: ثم عصبة مولى العتاقة ثم الأم ثم ذوي الأرحام الأقرب فالأقرب وهذا قول أبي حنيفة وهو الاستحسان۔

(الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۱۹ الفصل الحادي عشر في معرفة الأولياء)

باب الرّضاع

(رضاعت کے مسائل)

رضاعی بھائی کی ماں سے نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ زید نے بکر کی ماں کا دودھ مدت رضاعت میں پیا ہے۔ اب بکر زید کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بکر کی ماں زید کی رضاعی والدہ ہے اور اس کی اولاد زید کے رضاعی بھائی بہن ہیں جن سے زید کا نکاح جائز نہیں۔ البتہ زید کی ماں کا اگر بکر کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہو جائے اس لیے بکر کا نکاح زید کی حقیقی ماں سے جائز ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: تحت قوله (و یحرم به) ای بالرضاع (ما یحرم من النسب) ... الا أم أخته و أخت ابنه) یعنی فانهما یحلان من الرضاع دون النسب، أطلق المضاف والمضاف إليه ففی أم أخته ثلاث صور الأولى الأم رضاعاً والأخت نسباً بأن أرضعت أجنبية أخته نسباً ولم ترضعه الثانية عكسه أن يكون لأخته رضاعاً أم من النسب۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع)۔[1]

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے

سوال:۔ رشید نے خالد کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، کیا خالد کے بھائی بکر کا نکاح رشیدہ سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں رشیدہ خالد کے بھائی (بکر) کی رضاعی بھتیجی ہے تو

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (و أم أخت) صادق بأن يكون كل منهما من الرضاع أو يكون لك أخت من الرضاع لها أم أخرى من الرضاع أرضعتها وحدها أو بأن تكون الأخت فقط من الرضاع لها أم نسبية۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۱۳ کتاب الرضاع)

و مثله فی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

جیسے نسبی (حقیقی) بھتیجی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی رضاعی چچا کا نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تتزوج ابنۃ حمزۃؓ قال انہا ابنۃ اخی من الرضاعۃ۔ (صحیح البخاری ج۲ ص۷۶۴ کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب)[1]

منکوحہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر قصداً یا سہواً دودھ پی لیا تو کیا اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت (دو سال) کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے۔ اور جو دودھ مدتِ رضاعت کے بعد پیا جائے اگرچہ حرام ہے مگر اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ صورتِ مسئولہ میں خاوند کی عمر اگر دو سال سے زیادہ ہو تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا البتہ ایسا کرنا حرام ضرور ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: مص رجل ثدی زوجتہ لم تحرم۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ قید بہ احترازاً عما اذا کان لزوج صغیراً فی مدۃ الرضاع فانہا تحرم علیہ۔

(رد المحتار ج۳ ص۲۲۵ کتاب الرضاع)[2]

رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:۔ رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید اور بکر رضاعی بھائی ہیں۔ زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا ہے اب بکر زید کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زید کی بہن اور بکر کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جو حرمت کا سبب بنے اس لیے بکر اپنے رضاعی بھائی کی سگی بہن سے نکاح کر سکتا ہے البتہ زید

---

[1] قال النسفیؒ: زوج مرضعۃ لبنہا منہ أب للرضیع وابنہ أخ وبنتہ أخت وأخوہ عم وأختہ عمۃ۔ (کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

[2] قال فی الہندیۃ: ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء وفی شرب لبن المرأۃ للبالغ من غیر ضرورۃ اختلاف المتأخرین۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی الخ)

بکر کی نسبی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا اس لیے کہ یہ لڑکی زید کی رضاعی بہن ہے ۔

قال العلامة الحصكفيؒ: (وتحل أخت أخيه رضاعاً) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعاً أخت نسباً وبهما وهو ظاهر. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۲۱۷ كتاب الرضاع) ؎۱

نکاح کے بعد رضاعت کے ثبوت کا حکم

سوال: نکاح ہو جانے کے بعد اگر لڑکی کا والد کسی رضاعت کا دعویٰ کر دے تو کیا اس دعویٰ کو اعتبار دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: ثبوت رضاعت کے لیے نصاب کا ہونا ضروری ہے یعنی دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہیں، صرف ایک مرد یا صرف دو عورتوں کا قول دعویٰ رضاعت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں، تاہم نکاح سے پہلے اگر ایک عورت کا بیان موجب ظن غالب ہو تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو اعتبار دے کر نکاح سے اجتناب کیا جائے، البتہ جب زوجین کسی عورت کے بیان پر اعتماد کرکے تفریق کریں تو ایسی حالت میں تصدیق گواہوں یا کسی گواہی کی محتاج نہیں ۔

قال العلامة عبد الرشيد البخاريؒ: ولا تجوز شهادة امرأة واحدة على الرضاع أجنبية كانت أو أم أحد الزوجين، فإن وقع في قلبه صدق المخبر فالأفضل أن يتنزه قبل العقد وبعد العقد يسعها المقام معه حتى يشهد على ذلك رجلان أو رجل وامرأتان عدول ولا تقبل شهادة النساء وحدهن ۔ (خلاصة الفتاوى ج۲ ص۱۰ الفصل الرابع في الرضاع) ؎۲

؎۱ قال ابن نجيمؒ تحت قول النسفيؒ (وتحل أخت أخيه رضاعاً) يصح اتصاله بكل من المضاف والمضاف إليه وبهما كما قدمناه ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۴ كتاب الرضاع)

ومثله في الهندية ج۱ ص۳۴۳ كتاب الرضاع ۔

؎۲ قال ابن نجيمؒ: تحت قول النسفيؒ (ويثبت بما يثبت به المال) وهو شهادة رجلين عدلين أو رجل وامرأتين عدول..... وإن صدقها الخبر بعد النكاح وهما كبيران فالأحوط أن يفارقها روي ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه أمر بالمفارقة ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۴ كتاب الرضاع)

ومثله في رد المحتار ج۳ ص۲۲۴ كتاب الرضاع ۔

رضاعت کے ثبوت کے لیے ایک بار پستان چوسنا کافی ہے

سوال:- کیا رضاعت کے اثبات کے لیے پانچ مرتبہ پستان چوسنا ضروری ہے یا صرف ایک بار چوسنے سے رضاعت ثابت ہوگی؟

الجواب:- احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک دودھ حلق کے اندر اترنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے چاہے وہ ایک مرتبہ ہو یا پانچ مرتبہ البتہ شوافع کے ہاں پانچ مرتبہ چوسنا ضروری ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواءٌ اذا حصل فی مدت الرضاع یتعلق به التحریم قال الشافعی لا یثبت التحریم الا بخمس رضعات۔

(الهداية ج۱ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) [1]

رضاعی بیٹی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال:- کیا رضیع کی نسبی بہن سے مرضعہ کا شوہر نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- حرمت رضاعت میں رضیع کی طرف سے مرضعہ اور اس کے شوہر پر صرف رضیع اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد حرام ہوتی ہے باقی کے ساتھ مرضعہ اور اس کے شوہر کا کوئی حرمت والا رشتہ نہیں اس لیے مرضعہ کا شوہر رضیع کی نسبی بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: وتجوز تزوج اخت ابنه من الرضاع ولا یجوز ذلک من النسب۔ (الهداية ج۱ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) [2]

---

[1] قال العلامة صدر الشریعةؒ: یثبت بمصة فی حولین ونصف لابعد...... عند الشافعی یثبت بخمس مصات۔ (شرح الوقاية ج۲ ص۳۳ کتاب الرضاع)
ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۳ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ویحرم منه ما یحرم من النسب ...... الا ام اخیه واخته ...... وقس علیه اخت ابنه وبنته۔ قال ابن عابدینؒ تحت قوله اخت ابنه: انما حرمت علیه اخت ابنه وبنته نسبا لکونه بنته او بنت امرأته وهذا المعنی مفقود فی الرضاع۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۰۲ باب الرضاع)
ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع۔

رضیع پر مرضعہ اور شوہر کے اصول و فروع حرام ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رضیع یعنی دودھ پینے والے بچے پر مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کی طرف سے کون کون سے رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں؟

الجواب:۔ حرمت رضاعت مرضعہ اور اس کے شوہر کی طرف سے رضیع پر اصول اور فروع دونوں حرام ہیں یعنی مرضعہ کے آباؤ اجداد اور اس کی اولاد اور اسی طرح شوہر کے آباؤ اجداد مع اس کی اولاد کے حرام ہوں گے۔

قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویناہ۔ (الھدایہ ج۱ ص[illegible] کتاب الرضاع)[1]

رضاعت پر اجرت لینا جائز ہے

سوال:۔ کیا مرضعہ عورت رضاعت پر رضیع کے باپ یا ولی سے اجرت لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رضاعت ایسا عمل ہے کہ اس کے کرنے کی اجرت کے جواز پر سب علماء کا اتفاق ہے اس لیے مرضعہ رضاعت پر اجرت لے سکتی ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی الھندیۃ: واجمعوا علی ان مدۃ الرضاع فی استحقاق اجرۃ الرضاع مقدرۃ بحولین حتی ان المطلقۃ اذا طالبتہ بعد الحولین باجرۃ الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر ویجبر فی الحولین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)[2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: فیحرم منہ ای بسببہ ما یحرم من النسب۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص[illegible] باب الرضاع)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامۃ فخر الدین قاضی خان: واجمعوا علی ان مدۃ الرضاع فی استحقاق اجرۃ الرضاع علی الاب مقدرۃ بحولین حتی ان المطلقۃ اذا طالبتہ بعد الحولین اجرۃ الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر ویجبر فی الحولین۔

(فتاوی قاضیخان علی ہامش الھندیۃ ج۱ ص[illegible] باب الرضاع)

عمر رسیدہ عورت کے پستان سے نکلنے والے سفید پانی سے رضاعت ثابت نہیں

سوال: اگر کسی بچے نے انتہائی بوڑھی عورت (جو سن ایاس کو پہنچ چکی ہے) کے پستان سے سفید پانی پیا ہو تو کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی بوڑھی عورت کے پستان سے سفید پانی نکل آئے جو دودھ جیسا نہ ہو تو اس کے پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی البتہ صورت مسئولہ میں اگر واقعی بچے نے سفید پانی پیا ہو تو حرمت نہیں ورنہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولبن بکر بنت تسع سنین فاکثر محرم والا لا جوھرۃ۔

قال ابن عابدینؒ: تحت هذا القول ای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل لها لبن لا تحرم جوھرۃ لانہم نصوا علی ان اللبن لا یتصور الا ممن تتصور منہ الولادۃ فیحکم بانہ لیس لبنا کما لو نزل للبکر ماء اصفر لا یثبت من ارضاعہ تحریم کما فی شرح الوھبانیۃ۔ (ردالمحتار ج۳ ص۲۲۳ باب الرضاع)

صرف دعویٰ کرنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی

سوال: اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) یہ دعویٰ کرے کہ فلاں لڑکے کو میں نے دودھ پلایا ہے مگر اس پر گواہ نہیں تو کیا صرف مرضعہ کے اس دعویٰ سے حرمت رضاعت ثابت ہوکر لڑکے کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: رضاعت کے اثبات کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اس لیے صرف مرضعہ کے دعویٰ سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی، البتہ اگر مرضعہ اپنے دعویٰ میں سچی ہو تو حتی الوسع اس سے اجتناب بہتر ہے اگرچہ نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وحجتہ حجۃ المال وھی شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین۔

قال ابن عابدینؒ: ولو واحدا ھا المرضعۃ۔ (ردالمحتار ج۳ ص۲۲۵ باب الرضاع) لہ

لہ قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یقبل فی الرضاع شہادۃ النساء منفردات وانما یثبت بشہادۃ رجلین او رجل وامرأتین۔ (الہدایۃ ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۳۲ کتاب الرضاع۔

شوہر کا بیوی کے پستان چوسنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال:۔ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر شوہر بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر اس کا دودھ چوس لے جو اس کے حلق سے اتر جائے تو اس شخص کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس کی بیوی بمنزلہ ماں کے ہو جائے گی۔ شرعاً اس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر دودھ پینا لازمی ہے، اگر مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی اس لیے عوام الناس کی یہ بات غلط ہے اور شوہر کا بیوی کا دودھ پینے سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ بیوی اس کی ماں بن سکتی ہے، تاہم مرد کے لیے بیوی کا دودھ پینا حرام ضرور ہے۔

قال العلامة المرغيناني: ثم مدة الرضاع ثلثون شهراً عند ابي حنيفة وقالا سنتان وهو قول الشافعي ... قال النبي عليه السلام لا رضاع بعد حولين۔ (الهداية ج۲ ص۳۴۱ کتاب الرضاع)[1]

رضاعی بیٹی کا مرضعہ کے سابقہ خاوند سے نکاح جائز ہے

سوال:۔ ایک بچی نے کسی عورت ہندہ کا بچپن میں دودھ پیا ہے، ظاہر ہے کہ اس بچی کا نکاح ہندہ کے موجودہ شوہر سے (جس کی وجہ سے یہ دودھ آیا ہے) تو جائز نہیں لیکن کیا یہ لڑکی ہندہ کے سابقہ شوہر کے لیے بھی حرام ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رضیعہ (بچی) پر مرضعہ کا وہ شوہر حرام ہے جس کی وجہ سے اُسے دودھ آیا ہو، یہ شخص اب اس بچی کا رضاعی باپ ہے، اس کے علاوہ اگر ہندہ کا کوئی سابقہ خاوند ہو اور اس کے ساتھ اس بچی کا کوئی رشتہ نہیں جو سببِ حرمت بنے اس لیے ان دونوں کا نکاح صحیح ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

قال العلامة المرغيناني: لبن الفحل يتعلق به التحريم وهو ان ترضع المرأة صبية

---

[1] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وحولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتى كما في تصحيح القدوري۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۵۶ باب الرضاع)
ومثله في فتح القدير ج۳ ص۳ كتاب الرضاع۔

فتحرم هذه الصبية على زوجها لانه ابنها وابنائه ويصير الزوج ابنا في قول بهما ... ابا للمرضعة۔ (الهندية ج۲ ص۳۴۳ كتاب الرضاع) ؎۱

رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز نہیں

سوال: زید نے بچپن میں زینب کا دودھ پیا ہے، اب چونکہ زید کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا زید کا رضاعی باپ اس کی بیوہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جو بچہ کسی عورت کا دودھ پئے تو اس عورت کا شوہر جس سے یہ دودھ ہے اس بچے کا رضاعی باپ بن جاتا ہے، جس طرح سگے بیٹے کی بیوہ سے نکاح صحیح نہیں اسی طرح رضاعی بیٹے کی بیوہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں اس لیے زینب کا شوہر زید کی بیوہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: والاحلال حليلة الابن رضاعاً فانها تحرم كالنسب بحر وغيره۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۳ فصل في المحرمات) ؎۲

نسبی بھائی کا رضاعی بہن سے نکاح کرنا

سوال: زینب نے ہندہ کے ساتھ بچپن میں اس کی ماں کا دودھ پیا ہے، کیا ہندہ کا نکاح زینب کے دوسرے بھائی سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حرمت رضاعت میں وہ رشتہ دار حرام ہو جاتا ہے جس میں جزئیت ثابت ہوتی ہو، چونکہ صورت مسئولہ میں ہندہ کا زینب کے ساتھ جزئیت کا رشتہ ثابت ہو چکا ہے

؎۱ قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: وزوج مرضعة لبنها منه اب للرضيع وابنه اخ ... متعلق به التحريم لعموم الحديث المشهور ولا ثبت كونه ابا ... لا يحل نكاح منهما موطوءة الاخر۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ كتاب الرضاع)

ومثله في الهندية ج۱ ص۳۴۳ كتاب الرضاع۔

؎۲ قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: ... الحرمة بسبب الرضاع تعتبر بحرمة النسب ... حليلة الابن والاب من الرضاع لانه حرم بسبب النسب وكذا بسبب الرضاع۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ كتاب الرضاع)

ومثله في الهندية ج۱ ص۳۴۳ كتاب الرضاع۔

بھائی بکر کے ساتھ نہیں اس لیے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ جائز ہے ۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: ويحل اخت اخيه رضاعاً يصح اتصاله بالمضاف حيث يكون له اخ نسبي له اخت رضاعية . (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۶ باب الرضاع) [۱]

رضاعی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا

سوال: ایک لڑکے نے کسی شخص کی بیوی کا دودھ مدت رضاعت میں پیا تھا، اب وہ بالغ ہو چکا ہے اور اسی شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ لڑکا اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ شخص اس لڑکے کا رضاعی باپ ہے، تو جس طرح اپنے نسبی باپ کی موطوءہ سے نکاح کرنا جائز نہیں تو اسی طرح رضاعی باپ کی موطوءہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے ۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ما يحرم من النسب) معناه ان الحرمة بسبب الرضاع معتبرة بحرمة النسب فتشمل زوجة الابن والاب من الرضاع لانها حرام بسبب النسب فكذا بسبب الرضاع وهو قول اكثر اهل العلم كذا في المبسوط بحر. (رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع) [۲]

غلطی سے کسی عورت کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی بچہ غلطی سے یا دھوکہ سے کسی عورت کا دودھ پی لے تو کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو گی یا نہیں؟

---

[۱] قال المرغینانیؒ: ويجوز ان يتزوج الرجل باخت اخيه من الرضاع لانه يجوز ان يتزوج باخت اخيه من النسب۔ (الهداية ج۲ ص۳۳۱ كتاب الرضاع)

ومثله في شرح الوقاية ج۲ ص۳۶ كتاب الرضاع ۔

[۲] قال المرغینانیؒ: وامرأة ابيه وامرأة ابنه من الرضاع لا يجوز ان يتزوجها كما لا يجوز ذلك من النسب ۔ (الهداية ج۲ ص۳۳۱ كتاب الرضاع)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ كتاب الرضاع ۔

الجواب:۔ مدتِ شیرخوارگی میں جب بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائے گی چاہے بچے نے غلطی سے پیا ہو یا دھوکہ اور قصد و ارادہ سے۔

قال فخرالدین قاضی خانؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواء عندنا...... کما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط۔
(الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۱ ص۴۱۲ باب الرضاع) [1]

بچے سے بچہ کو دودھ دینا موجبِ رضاعت ہے

سوال:۔ اگر کسی بچے کو بچے کے ذریعے کسی عورت کا دودھ پلایا جائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب دودھ بچے کے حلق کے نیچے چلا جائے چاہے کسی بھی طریقے سے ہو تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں دودھ عالمِ صغر میں بچے کے بدن میں پہنچ چکا ہے اس لیے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگئی ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: اذا اختلط اللبن بالماء واللبن هو الغالب تعلق به التحریم وان غلب الماء لم یتعلق التحریم۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۱ کتاب الرضاع) [2]

رضاعی بہن بھائی کا نکاح حقیقتِ حال معلوم ہونے کے بعد واجب التفریق ہے

سوال:۔ اگر ایک عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی ایسے شخص سے ہوجائے جس نے بچپن میں اس کے ساتھ کسی عورت کا دودھ پیا تھا، کیا اب حقیقتِ حال کا علم ہونے کے بعد ان کے درمیان تفریق کرانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ یہ دونوں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: هو مص الرضیع من ثدی الآدمیة فی وقت مخصوص ای وصول اللبن من ثدی المرأة الی جوف الصغیر من فمه او انفه فی مدة الرضاع۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۱ کتاب الرضاع)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۴۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: لو اختلط اللبن بالماء یعتبر الغالب فان کان الماء غالبا لا یثبت التحریم۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۵ کتاب الرضاع)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

جائز نہیں ہے اور دونوں کے درمیان تفریق لازمی ہے جو نفسِ متارکت سے ثابت ہو سکتی ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (و) لا (حل بين الرضيعة وولد مرضعتها) أي التي أرضعتها (وولد ولدها) لأنه ولد الأخ ... الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۳ باب الرضاع)

وقال أيضاً: (فيحرم منه) أي بسببه (ما يحرم من النسب) ... الخ

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۱۹ باب الرضاع) [۱]

بلوغ کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں

سوال: کسی عورت کے ساتھ ایک لڑکے نے زنا کے دوران اس کے پستان کو منہ میں لے کر اس کا دودھ پیا کیا اب اس مزنیہ اور زانی کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حرمتِ رضاعت کے لیے دو اڑھائی سال کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے اس مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی، لہٰذا اس زانی لڑکے کا نکاح مزنیہ سے جائز ہے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: مدة الرضاع ثلاثون شهراً عند أبي حنيفة رحمه الله۔ وقالا سنتان وهو قول الشافعي رحمه الله ..... وقال النبي عليه السلام لا رضاع بعد حولين۔

(الهداية ج۲ ص۳۲ كتاب الرضاع) [۲]

شک کی بنا پر رضاعت ثابت نہیں

سوال: رات کے وقت ایک شیرخوار بچی نے کسی عورت کے پستان کو منہ میں لیا

---

[۱] وفي الهندية: يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب ...... فالكل إخوة الرضيع وأخواته وأولادهم أولاد إخوته وأخواته الخ۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۴۳ كتاب الرضاع)

[۲] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الأصح فتح وبه يفتى كما في تصحيح القدوري ..... ولم يبح الإرضاع بعد مدته۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۲/۴۰۴ باب الرضاع)

ومثله في فتح القدير ج۳ ص۳۰۶ كتاب الرضاع۔

ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی مذکورہ لڑکے کی رضاعی بھتیجی لگتی ہے، اور بھتیجی سے نکاح کرنا شرعاً درست نہیں لہٰذا یہ لڑکا چچا کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویناہ۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) ؎۱

مدت رضاعت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مدت رضاعت کے اثبات کے لیے کتنا وقت مقرر ہے؟ یا یہ کہ جب بھی کوئی کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ حرمت رضاعت کے لیے جمہور علماء کے نزدیک دو سال کی مدت مقرر ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال مقرر ہے، لہٰذا اس مدت کے اندر اندر جب بھی والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیا جائے تو رضاعت ثابت ہو گی ورنہ نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: مدة الرضاع ثلثون شهراً عند ابی حنیفة وقالا سنتان وهو قول الشافعی۔ (الهدایة ج۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) ؎۲

رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اگر ایک عورت نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہو اور اس عورت کی بیٹی نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا ہو تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھانجی سے چاہے وہ حقیقی ہو یا رضاعی دونوں صورتوں میں نکاح جائز نہیں

؎۱ قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ویحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۴ باب الرضاع)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

؎۲ قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه یفتی کما فی تصحیح القدوری۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۳ باب الرضاع)

ومثلہ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۴ کتاب الرضاع۔

چونکہ صورتِ مسئولہ میں بیوی کی اس لڑکے کی رضاعی بہن بن گئی ہے اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویناہ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۳۲۲ کتاب الرضاع)[1]

حرمتِ رضاعت صرف اسلام کا حکم ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! کیا حرمتِ رضاعت اسلام کے علاوہ دوسرے شرائع میں بھی نازل ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب: اسلام دیگر منفردات کے علاوہ اس مسئلہ میں بھی منفرد مذہب ہے جس میں رضاعت کی وجہ سے بھی نسبی رشتہ جیسی حرمت بیان فرمائی گئی، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں یہ حکم نہ تھا۔

قال الشیخ ابوزھرۃ: تفردت الشریعۃ الاسلامیۃ من بین الشرائع السماویۃ القائمۃ بأن یجعل الرضاع سبباً من اسباب التحریم۔
(الاحوال الشخصیۃ ص۸۰ التحریم بالرضاع)

اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پینے سے ماموں کی اولاد سے نکاح کا حکم

سوال: میرے بڑے بھائی اور ایک بہن نے اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم بہن بھائی اپنا رشتہ اپنے ماموں یا خالہ کی لڑکی سے کرنا چاہیں تو وہ شریعتِ مقدسہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ پیا ہے ان کا نکاح ماموں اور خالہ کی اولاد سے حرام ہے اور جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ نہیں پیا تو ان کا نکاح خالہ اور ماموں کی اس اولاد سے درست ہوگا جس نے نہ نانی کا دودھ پیا ہو اور نہ اس بھائی اور بہن کی والدہ کا دودھ پیا ہو۔

---

[1] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ویحرم منہ ای بسببہ ما یحرم من النسب۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۱ کتاب الرضاع۔

قال العلامة الحصكفيؒ: فيحرم منه أي بسببه ما يحرم من النسب إلا أم أخيه وأخته وأخت ابنه وبنته وجدة ابنه وبنته وأم عمه وعمته الخ

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۳ ص۲۱۷ كتاب النكاح ـ باب الرضاع) ؎

رضاعی خالہ سے نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک لڑکے نے بچپن میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے اب اُس کے والدین اُس عورت کی چھوٹی بہن سے اِس لڑکے کا نکاح کرنا چاہتے ہیں کیا شرعاً اِن دونوں کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قانونِ شریعت کی رُو سے جس عورت سے نکاح نسبی رشتے کی وجہ سے حرام ہے تو رضاعی رشتے کے حوالے سے بھی اس عورت سے نکاح جائز نہیں، صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی چونکہ اس لڑکے کی رضاعی خالہ ہے اس لیے نسبی خالہ کی طرح رضاعی خالہ سے بھی نکاح ناجائز و حرام ہے، لڑکے کے والدین کو چاہیئے کہ وہ اس ارادے کو ترک کر دیں۔

لما قال العلامة المرغيناني رحمه الله: يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب للحديث الذي روينا۔

(الهداية ج۲ ص۳۳۲ كتاب الرضاع) ؎

؎ وفي الهندية: وتثبت حرمة المصاهرة في الرضاع حتى إن امرأة الرجل حرام على الرضيع وامرأة الرضيع حرام على الرجل وعلى هذا القياس إلا في المسئلتين إحداهما أن لا يجوز للرجل أن يتزوج أخت ابنه من النسب ويجوز في الرضاع والمسئلة الثانية لا يجوز للرجل أن يتزوج أم أخته من النسب ويجوز في الرضاع۔ الخ

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۴۳ كتاب الرضاع)

؎ قال العلامة الحصكفيؒ: ويحرم منه أي بسببه ما يحرم من النسب۔

(الدر المختار وعلى هامشه رد المحتار ج۳ ص۲۱۳ باب الرضاع)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ كتاب الرضاع۔

باب فی حرمت المصاہرت

(حرمت مصاہرت کے احکام و مسائل)

ساس کو بغیر شہوت کے ہاتھ لگانا

سوال:۔ ایک شخص کا اپنی بیوی کو جگاتے وقت بیوی کے بجائے ساس کو ہاتھ لگ گیا اور دل میں جماع کا خیال تھا لیکن شہوت نہیں تھی، تو کیا اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟

الجواب:۔ حرمت مصاہرت کے اثبات کے لیے لمس (چھونا) ضروری ہے جو کہ شہوت سے ہو اور جس لمس (چھونے) میں شہوت نہ ہو اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص پر بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفی المس لا تحرم ما لم تعلم الشهوة لان الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۳ ص۳۳ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[1]

ساس کو شہوت سے دیکھنا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی ساس کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو کیا اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر فرج داخل کو شہوت کی نظر سے دیکھا ہو تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی ورنہ مطلق نظر شہوت سے حرمت مصاہرت کا اثبات نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله والمنظور الی فرجها) قید بالفرج لکن ظاهر الذخیرة وغیرها انهم اتفقوا علی ان النظر بشهوة الی سائر اعضائها لا عبرة به ما عدا الفرج۔ (ردالمحتار ج۳ ص۳۳ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[2]

---

[1] قال ابوالبرکات النسفیؒ: بوطء وبالمس والنظر بشهوة یوجب حرمة المصاهرة۔ (کنزالدقائق مع البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) ـــــ قال ابن نجیمؒ: وقید بکون اللمس عن شهوة لانه لو کان عن غیر شهوة لم یوجب الحرمة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)
ومثله فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات۔

[2] فی الهندیة: لا تثبت بالنظر الی سائر الاعضاء لا بشهوة ولا بمس سائر الاعضاء لا عن شهوة بلا خلاف۔ کذا فی البدائع والمعتبر النظر الی الفرج الداخل هکذا فی الهدایة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

ساس سے زنا کرنے پر بیوی کے حرام ہونے کا حکم

سوال:۔ اپنی ساس سے زنا کا ارتکاب کرنے والے شخص کے لیے اس عورت کی بیٹی حلال رہے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اپنی ساس سے زنا کرے یا شہوت کے ساتھ مس یا تقبیل کرے تو اس سے اس عورت کی بیٹی ہمیشہ کے لیے زنا کے مرتکب داماد پر حرام ہو جاتی ہے۔

قال ابن نجیمؒ: والمراد بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع حرمة المرأة علی أصول الزانی وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة أصولها وفروعها علی الزانی نسباً ورضاعاً کما فی الوطء الحلال۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[1]

بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے نکاح پر اثرات

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو اس عمل سے اس کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ کیا بیوی اس کے لیے حرام ہو جائے گی یا حلال رہے گی؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص نے بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہو اور درمیان میں کوئی ایسی چیز بھی حائل نہ ہو جو بیٹی کے بدن کی حرارت کے احساس سے مانع ہو اور بیٹی کی عمر نو سال سے کم نہ ہو تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہو کر لڑکی کی ماں اس شخص پر حرام ہو جائے گی اور اگر مذکورہ شرائط میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو پھر حرمت ثابت نہیں۔

قال فی الهندیة: فلو أیقظ زوجته لیجامعها فوصلت یده إلی بنته منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی یظن أنها أمها حرمت علیه الأم حرمة مؤبدة کذا فی فتح القدیر ... ثم لا فرق فی ثبوت الحرمة بین کونه عامداً أو ناسیاً ... ثم المس إنما یوجب حرمة المصاهرة إذا لم یکن بینهما ثوب أما إذا کان بینهما ثوب فإن کان رقیقاً بحیث تصل حرارة الممسوس إلی یده تثبت کذا فی الذخیرة ... (الفتاوی

---

[1] وفی الهندیة: فمن زنی بامرأة حرمت علیه أمها وإن علت وابنتها وإن سفلت۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات)

ومثله فی ردالمحتار ج۳ ص۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات۔

حتی لو بنت مع محل الشہوۃ لا ما دونہا لکن فی معراج الدرایۃ۔ انتہی

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات)[۱]

زانی اور مزنیہ کی اولاد کے درمیان نکاح جائز ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! اس مسئلہ کی وضاحت درکار ہے کہ زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے زنا سے حرمت مصاہرت کا اثبات چار گروہ میں کیا ہے جن میں صورت مسئولہ شامل نہیں ہے اس لیے زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز اور درست ہے۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وأراد بحرمۃ المصاہرۃ الحرمات الأربع حرمۃ المرأۃ علی أصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمۃ أصولہا وفروعہا علی الزانی نسبًا ورضاعًا کما فی الوطء الحلال ویحل لأصول الزانی وفروعہ أصول المزنی بہا وفروعہا۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۰ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[۲]

نابالغ لڑکے کا بالغہ سے زنا کرنے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال:- اگر کوئی نابالغ لڑکا کسی بالغہ عورت سے زنا

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ولا فرق فیما ذکر بین اللمس والنظر بشہوۃ بین عمد ونسیان وخطاء وإکراہ، فلو أیقظ زوجتہ أو أیقظتہ ہی لجماعہا فمست یدہ بنتہا منہ أو یدہا ابنہ حرمت الأم أبدًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[۲] قال ابن عابدین: (تحت قولہ حرم أیضا بالصہریۃ أصل مزنیتہ) ... وقدمنا ما قدمناہ قریبًا عن القہستانی عن النظم وغیرہ ثم قولہ وعلیہ ذلک کما یعلم ذلک بالوطء الحلال وتقییدہ بالحرمات الأربع تحرم أعلاہا وتقدم آنفا الکلام علیہ۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

ومثلہ فی الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

کرے تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زنا سے حرمتِ مصاہرت کے لیے لڑکے لڑکی کا بالغ ہونا ضروری ہے یا کم از کم دونوں کا مراہق ہونا شرط ہے، اس لیے وہ نابالغ لڑکا جو مراہق نہیں ہے کے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ولکن اشترط الشهوة فی الذکر حتی لو جامع ابن أربع سنین زوجة أبیه لا تثبت الحرمة وفی الذخیرة خلافه والظاهر الأول أنه یعتبر فیه السن المذکور فیها وهو تسع سنین۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۹)

وقال أیضاً: والمراهق کالبالغ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[1]

بیٹے کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے

سوال: ایک لڑکے نے نکاح کیا لیکن وہ جماع کرنے پر قادر نہیں، اب اگر لڑکے کا باپ اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ اسلامی میں جب کوئی عورت ایک مرتبہ کسی شخص کے نکاح میں آجائے تو وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس شخص کے باپ پر حرام ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ کسی بھی صورت میں نکاح نہیں کر سکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ۔ (سورۃ النساء)[2]

سوتیلے بیٹے سے زنا کرنے والی عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی عورت اپنے سوتیلے بیٹے سے زنا کرلے تو کیا یہ عورت اب اپنے شوہر کے لیے حلال ہے یا حرام؟

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (قوله کبالغ)..... وفی الفتح ووطء المراهق وأقرّ أنه بشهوة تثبت الحرمة۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

[2] وفی الهندیة: وحلیلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا دخل بها الابن أم لا۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة)

ومثله فی الهدایة ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب النکاح۔

الجواب:۔ جب کوئی عورت اپنے یا شوہر کے بالغ یا مراہق بیٹے سے جماع کرے تو اس زنا کی وجہ سے اب یہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدین: قال فی البحر اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسباً ورضاعاً۔ (رد المحتار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۲ فصل فی المحرمات) ؎۱

نابالغ لڑکے سے زنا کرانا حرمت مصاہرت کا سبب نہیں

سوال:۔ ایک عورت نے شدت شہوت کی وجہ سے ایک نابالغ لڑکے سے زنا کرایا، اب یہ عورت اس لڑکے کو اپنی بیٹی نکاح میں دینا چاہتی ہے کیا ان دونوں کا نکاح جائز ہے؟

الجواب:۔ حرمت مصاہرت کے ثبوت میں وہ زنا قابل اعتبار ہے جس میں دونوں افراد بالغ یا مراہق ہوں، صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکا مراہق بھی نہیں ہے لہٰذا حرمت مصاہرت ثابت نہیں اس لیے دونوں لڑکے اور لڑکی کا نکاح جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی:۔ فلو جامع غیر مراهق زوجة ابیه لم تحرم۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۹ فصل فی المحرمات) ؎۲

فرج داخل کو دیکھنا موجب حرمت مصاہرت ہے

سوال:۔ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ شہوۃ کی نظر سے دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جبکہ آجکل تو بازاروں میں اکثر اوباش قسم کے لڑکے

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیم: والمراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسباً ورضاعاً۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ فصل فی المحرمات)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

؎۲ وفی الهندیة: وکذا تشترط الشهوة فی الذکر، لو جامع ابن اربع سنین زوجة ابیه لا تثبت به حرمة المصاهرة کذا فی فتح القدیر (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی المحرمات بالصهریة)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۹۹ فصل فی المحرمات۔

لڑکیوں کو شہوت کی نظروں سے دیکھتے ہیں تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: مطلقاً شہوت کی نظر سے دیکھنا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں بلکہ کسی عورت کے داخلِ فرج کو بنظرِ شہوت دیکھنا سببِ حرمت ہے باقی دیگر اعضاء کو دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والمنظور الی فرجها الداخل۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۳۲ باب المحرمات) ؎۱

کم سن بچی کو شہوت کیساتھ چھونا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال: اگر کسی مرد نے ۸ سال سے کم عمر کی بچی کو شہوت کے ساتھ چھوا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لڑکی کا مشتہات ہونا ضروری ہے چونکہ ۸ سال کی بچی مشتہات نہیں ہوتی اس لیے مذکورہ صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وبنت سنها دون تسع ليست بمشتهاة۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۹۹ فصل فی المحرمات) ؎۲

؎۱ وفی الهندية: والمعتبر النظر الی فرج الداخل هكذا فی الهداية وعليه الفتوى هكذا فی الظهيرية۔ الخ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهرية)

ومثله فی الهداية ج۲ ص۳۰۹ كتاب النكاح۔

؎۲ وفی الهندية: والفتوى على ان بنت تسع محل الشهوة لا ما دونها كذا فی معراج الدراية۔ قال الفقيه ابو الليثؒ: ما دون تسع سنين لا تكون مشتهاة وعليه الفتوى۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات بالصهرية)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۹۹ فصل فی المحرمات كتاب النكاح۔

ساس سے زنا کے اقرار کے بعد انکار کی کوئی حیثیت نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! یہاں علاقائی جرگہ کے سامنے ایک شخص نے اقرار کیا کہ اس نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا ہے مگر اب وہ اس بات سے منکر ہے تو کیا اس عورت کی بیٹی اس شخص کے لیے حلال ہے یا حرام؟

الجواب: بشرط صحت سوال ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد اب اس کے انکار کا کوئی فائدہ نہیں، اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوگئی ہے جب کہ اس نے اقرار کی تصدیق کی ہے۔

قال العلامة الحصكفي: وفي علامة قيل له ما فعلت بأم امرأتك فقال جامعتها تثبت الحرمة ولا يصدق انه كذب ولو هازلا. قال ابن عابدين: (قوله ولا يصدق انه كذب) اي عند القاضي اما بينه وبين الله تعالى فان كان كاذبا فيما اقر لم تثبت الحرمة. (رد المحتار ج۲ ص۳۶ فصل في المحرمات)[1]

سرتیر کافرہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں

سوال: یہاں لندن میں ایک مسلمان مرد کے ایک کافرہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، اب وہ شخص توبہ کرکے اس عورت کی مسلمان بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا یا اس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنا موجب حرمت مصاہرت ہے، عورت چاہے مسلمان ہو یا کافرہ، اس حرمت کی وجہ سے ممسوسہ کے اصول و فروع چھونے والے پر حرام ہو جاتے ہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں مسلمان مرد کا نکاح اس ممسوسہ کافرہ کی مسلمان بیٹی سے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصكفي: واصل ممسوسة بشهوة ولو لشعر على الرأس ...... وفروعهن مطلقا. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۲ فصل في المحرمات)[2]

---

[1] وفي البحر: قيل لرجل ما فعلت بأم امرأتك قال جامعتها تثبت الحرمة ولا يصدق انه كذب وان كان هازلا والاصرار ليس بشرط في الاقرار بحرمة المصاهرة. (البحر الرائق ج۳ ص[illegible] كتاب النكاح فصل في المحرمات)

[2] وفي الهندية: فمن زنى بامرأة حرمت عليه امها وان علت وبنتها وان سفلت وكذا تحرم المزني بها على آباء الزاني واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا كذا في فتح القدير ...... وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر الى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۴ القسم الثاني في المحرمات بالصهرية) وهكذا في الهداية ...... ص[illegible] كتاب النكاح.

چھوٹے گاؤں میں جاری شدہ نماز جمعہ کو بند کرنا

سوال:- جناب مفتی صاحب۔ ہمارے گاؤں میں تقریباً آٹھ سال سے نماز جمعہ پڑھی جا رہی ہے، تبلیغ اور درود و سلام کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ حال ہی میں ایک مولوی صاحب نے اس بستی کو چھوٹی بستی میں شمار کر کے عوام سے نماز جمعہ بند کرنے کو کہا۔ بستی کے کوائف حسب ذیل ہیں۔ گھر تقریباً ۳۰۰، ووٹر ۸۰۰، مسجدیں ۸ عدد ہیں۔ ایک مڈل اسکول۔ ایک چھوٹا بازار۔ کل آبادی تقریباً ۴۰۰۰۔ ایک نمبردار۔ ایک پٹواری۔ ایک ممبر یونین کونسل۔ ایک چوکیدار۔ ایک اسکول ... بھی ہے۔ یہ گاؤں یونین کونسل کی طرف سے ایک وارڈ ہے۔ بستی کے تمام بالغ مرد اگر جمع ہو جائیں تو ایک بڑی مسجد میں نہیں سما سکتے۔ مندرجہ بالا کوائف کی روشنی میں تصریحی حکم صادر فرمایا جائے کہ اگر واقعی بستی مذکورہ میں نماز جمعہ نہیں ہو سکتی اور جمعہ کے لیے ترک کی جائے اور سابقہ نمازوں کی قضاء ادا کی جائے؟

الجواب:- جناب کو معلوم ہوگا اور کتب فقہ میں ملاحظہ کیا ہوگا کہ ہمارے امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں صحت اور جواز جمعہ کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ مصر ہو یا فناء مصر ہو۔ اگر وہ جگہ مصر یا فناء مصر نہ ہو تو اگرچہ دوسری شرائط ہوں پھر بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہاں جمعہ جائز اور صحیح نہ ہوگا۔ پھر اگرچہ فقہاء احناف آپس میں مختلف نظر آتے ہیں اور مصر کی مختلف تعریفیں فقہاء نے کی ہیں ان میں ایک تعریف یہ ہے کہ ما لا یسع اکبر مساجده اهله المکلفین بها۔ اور دوسری تعریف جس کو ظاہر المذہب کہا گیا ہے یہ ہے: انه کل موضع له امیر وقاض یقدر علی اقامة الحدود (الدر المختار)

علامہ ابن عابدینؒ الشامی نے بحث کرتے ہوئے شرح منیہ سے جو مصر کی تعریف نقل کی ہے اور جس کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے یہ ہے: انه بلدة لها امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود۔

بہرحال مصر کی تعریف کے بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض میں افراط ہے، بعض میں تفریط اور بعض اعدل و اوسط ہیں، اور یہی حق و قابل عمل ہیں۔

صورت مسئولہ کے مطابق موضع مذکور ہر حال میں اعدل الاقوال پر مصر میں تو داخل نہیں ہے لیکن فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات و قریٰ کبیرہ بھی مصر کے حکم میں ہیں چنانچہ

ردالمحتار جلد ا صفحہ ۵۳۸ میں عبارت موجود ہے : وعبارة القهستاني وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق إلى أن قال لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضٍ ومنبر وخطيب ۔ ا ھ ۔ اور نظر بر حالات مذکورہ سوال موضع مذکور قریہ کبیرہ میں مندرج ہونا محل تامل معلوم ہوتا ہے ۔ اور کبیرہ وصغیرہ میں اگر ما بہ الفرق آبادی کی مقدار مان جائے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا ۔ اور عرف کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام وقت جو کہ لکھاتے تب بھی ہیں چار ہزار کی آبادی والے گاؤں کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب وجہ معتبر نہ ہونے کے قصبہ کے حکم میں چار ہزار کے ہیں ۔ پس موضع مذکورہ اگر قصبہ نہیں ہے تو قریہ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے ۔ اس بنا پر تو مناسب ہے کہ موضع مذکورہ میں جمعہ کا جائز ہونا مان لیا جاوے ۔ لیکن فقہاء کرام نے قریہ صغیرہ اور کبیرہ میں ما بہ الفرق وہ صفات مقرر کی ہیں جو عبارت مرقومہ میں کبیرہ وصغیرہ کی صفت میں وارد ہیں ۔ یعنی اسواق و حاکم و خطیب کا ہونا یا نہ ہونا ۔ اس بناء پر موضع مذکور قریہ کبیرہ میں داخل نہیں ہے اور یہاں جمعہ کا جائز ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ موضع مذکور میں ایک چھوٹا بازار ہے جو قریہ صغیرہ کی شان سے ہے مصر اور قریہ میں کم از کم تین بازار ہونے چاہئیں ۔ محقق ابن الہمامؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم سے بڑا عالم قاضی اور والی مراد ہیں جو وہاں مقیم ہوں ۔ یہ صفت بھی موضع مذکور میں معدوم ہے ۔ مختصر یہ کہ قریہ صغیرہ ہونا ہی ہے اور جب قریہ صغیرہ ہوا تو پھر جواز جمعہ کے ساتھ چند مفاسد لازم ہوتے ہیں کیونکہ جمعہ کی نماز نفل ہوگی اور نفل تداعی کے ساتھ باجماعت بدعت و مکروہ ہیں ۔ ظہر جو محل فریضہ ہے اس کا ترک یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے ۔ اس لیے ذاتی مشورہ یہ ہے کہ اکابرین دیوبند نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک قریہ صغیرہ میں عرصہ دراز سے جمعہ قائم ہو اور اسے بند کرنے میں فساد کا خطرہ ہو تو اس کو فوراً بند نہ کیا جائے بلکہ جمعہ پڑھایا جائے اور لوگوں کو آہستہ آہستہ سمجھایا جائے کہ چونکہ یہ جگہ نہ مصر ہے نہ قریہ کبیرہ ۔ اور ہمارے مسلک میں ایسی جگہ جمعہ جائز نہیں اور خود گھر میں جاکر چار رکعت بہ نیت آخر ظہر پڑھ لیا کریں ۔ اس طریقے سے درست مسئلہ بھی واضح ہو جائے گا اور فساد بھی برپا نہ ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم

خطبہ جمعہ کے بارے میں چند سوالات

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:-

(۱) جمعہ کا خطبہ بدستور عربی زبان میں رکھا جائے یا عوام الناس کے سمجھنے کے لیے مقامی زبان میں رواج دیا جائے؟

(۲) اگر خطبہ عربی زبان ہی میں باقی رکھا جائے تو جو لوگ عربی زبان نہ سمجھنے کا اشکال کرتے ہیں، ان کا کیا حل ہے؟

(۳) خطبہ میں سلطان وقت کا نام لانا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب:- اس مسئلہ پر کافی عرصہ پہلے علماء راسخین نے قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اپنے فتاوی رسالوں کی شکل میں شائع کیے ہیں اور قوی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اگر جمعہ و عیدین میں خطبہ بجائے عربی کے اردو یا فارسی میں پڑھا جائے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ایک قول میں خطبہ صحیح ادا نہ ہوگا اور جب خطبہ ادا نہ ہوگا تو نماز جمعہ بھی نہ ہوگی کیونکہ جمعہ کی ادائیگی کی شرائط میں سے خطبہ بھی ہے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب فتاوی دار العلوم دیوبند کے حصہ "عزیز الفتاوی" میں اس فتوی کے دلائل میں "درمختار" کی یہ عبارت پیش فرماتے ہیں: والرابع الخطبة فيه فلو خطب قبله وصلى فيه لم تصح۔ درمختار باب الجمعة كما صح لو شرع بغير عربية. الخ وشرط عجزه وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع اذكار الصلوة - درمختار و في الشامي وعلى هذا الخلاف لو سبح في القادسية في الصلوة رد المحتار الخ اى يصح عنده لكن هناك كراهة ان عاد بالعجمية الخ شامى باب صفة الصلوة وفي باب الجمعة من رد المحتار حيث قيد الخطبة بالعربية اكتفاء بما قدمه في باب صفة الصلوة من انها غير شرط ولو مع القدرة على العربية عنده خلافا لهما حيث شرطاها الا عند العجز الخ

ان عبارات سے واضح ہے کہ عربی زبان پر قدرت کے باوجود اردو یا فارسی وغیرہ میں خطبہ جمعہ پڑھنا صاحبین کے نزدیک اور ان کے قول کے موافق صحیح نہیں، اور امام صاحب کے نزدیک اگرچہ خطبہ ادا ہو جائے گا مگر مکروہ تحریمی ہوگا۔

اسی طرح مولانا محمد نعیم بن محمد المدراسی نے اس موضوع پر دو مدد رسالے "زبدة التحقیقات"
"عمدة التحقیقات فی الکراهة الخطبة بغیر العربیة" تالیف فرمائے ہیں جن پر حضرت
مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے تقریظ لکھی ہے نیز حضرت مفتی صاحب
نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بنام "الاعجوبة" تحریر فرمایا ہے حضرت مفتی
صاحبؒ تقریظ میں لکھتے ہیں: الخطبة بالعربیة سنة مؤکدة بمواظبة النبی
علیه الصلوة والسلام لا یقال ان المواظبة تکون دلیل السنة اذا لم
یکن ثمة دلیل الخصوص وکفی کونه علیه الصلوة والسلام عربیا و
کون لغته عربیة دلیل الخصوص فانا نقول ان الخلفاء الراشدین
ومن سواهم من اصحابه علیه الصلوة والسلام بلغوا مشارق
الارض ومغاربها وافتتحوا العرب والعجم ولم یثبت من احد
منهم انه خطب بغیر العربیة مع القدرة علیه لما ثبت من کثیر
من الصحابة معرفتهم بلغة العجم وقدرتهم علی الخطبة بها
کزید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه کان یعلم اللسان العجمی والحبشی
والرومی وکسلمان الفارسیؓ کان یعلم الفارسیة ومع ذلك لم یأمرهم
النبی صلی الله علیه وسلم بالخطبة بلسان العجم مع مس الحاجة
الیه ومعرفتهم به فی شیء من الاحادیث علی انه قد ثبت من
الاحادیث الصحیحة والسیرة النبویة حضور العجمیین عندهٗ صلی الله
علیه وسلم وحدانا وجماعات وکانوا فی اول امرهم لا یعرفون
العربیة فان کان تفهیم الخطبة الحاضرین من ضروریات الخطبة
فتمس الحاجة الی ترجمتها بلسانهم ولم یفعله النبی صلی الله علیه
وسلم مع القدرة علیه باقامة مترجمین من جماعة الصحابة فعلم
ان مواظبته علیه السلام علی اللغة العربیة فی الخطبة لیس لمحض
کونه عربیا وعلی سبیل جریان العادة کما ظنه بعض الفضلاء بل
کان ذلك مقصودا منه علیه الصلوة والسلام والحاصل ان
جعل الخطبة بالعربیة سنة مؤکدة۔

اسی تقریظ میں محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ فی ارضہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے شرح مؤطا میں ذکر فرمایا ہے: ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنہم وھلم جرًا فتنقحنا وجود اشیاء فیہا الحمد والشہادتین والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والامر بالتقوٰی وتلاوۃ آیۃ والدعا للمسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین۔

آگے امام نووی رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے "اذکار" کتاب رحمہ اللہ تعالیٰ میں ذکر کیا ہے: ویشترط کونہا ای خطبۃ الجمعۃ وغیرہا بالعربیۃ انتہی والحاصل ان اللغۃ العربیۃ فی الخطبۃ سنۃ مؤکدۃ عندنا ولکن ترک العربیۃ وجعلہا بالعجمیۃ مکروہ تحریمًا وتارکہا آثم ولا سیما المداوم علیہ۔

اسی موقع پر صاحب تقریظ ایک اعتراض کو نقل کر کے اس کا دفعیہ بھی فرماتے ہیں: ولا یرد علینا ما نص علیہ فی رد المحتار من ان ترک الواجب مکروہ تحریمًا وترک السنۃ تنزیہًا وایضًا صرح بہ الحلبی فی شرح المنیۃ حیث قال والمراد بہا ما لزمہ ترک السنۃ وہو کراہۃ تنزیہ او ترک واجب وہو کراہۃ تحریم کما ذکرہ المصنف فی رسالتہ ہذہ زبدۃ التحقیقات وذلک لان الحکم بتنزیہیۃ الکراہۃ فی ترک السنۃ انما ہو اذا لم یخالطہ شیء من احداث بدعۃ او دوام علی ترکہا ولان الفقہاء مصرحون بکونہ آثمًا فما لأقال الشامی فی اوائل سنن الوضوء وہی سنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب التی یضلل تارکہا لان ترکہا استخفاف بالدین۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۰۴) ثم قال فی المضمضۃ والاستنشاق فلو ترکہما اثم علی الصحیح (سراج) وقال فی الحلیۃ لعلہ محمول علی ما اذا جعل الترک عادۃ لہ من غیر عذر کما قالوا مثلہ فی التثلیث۔ (شامی ج۱ ص۱۱۲) وقال فی البدائع لان من لم یر سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ فقد ابتدع فیلحقہ الوعید۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۲) قلت والمراد بالوعید

قوله عليه السلام فی حديث الاعرابی من زاد على هذا او نقص فقد تعدی وظلم. ومن هذه الجملة وضح ان تارك العربية فی الخطبة آثم مبتدع فانها لا يراد سنة فالحاصل ان اختص من اللغة العربية فی الخطبة وان كان فی الاصل من السنن الا انه لحق بتركه امور آخر من ابداع بدعة وآثم لادمان على ترك السنة وترك البدعة واجب فجاء الوجوب من هذا القبيل لا بمحض المواظبة عليه وبالجملة فالحكم بوجوب العربية وآثم تاركها فی خطبة الجمعة وان ترجمتها بغير العربية بدعة حق لا مريب۔

اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے "امداد الفتاوی" میں بھی تحریر فرمایا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: قرآن مجید اور خطبہ دونوں کا اصل مقصد ایک ہی ہے، چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے۔ یہی لفظ ذکر قرآن مجید کے لیے فرمایا ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ بلکہ قرآن مجید کے لیے لفظ ذکر بمعنی تذکیر بھی وارد ہے: إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ۔ پس اگر لفظ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہیے کہ قرآن مجید کی جگہ بھی یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے بلکہ لفظ ذکر کی اس پر زیادہ دلالت ہے، اور اگر قرآن مجید سے تفہیم ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کیا جاوے، مثلاً خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد، پھر زیادہ تفہیم کو حضرات صحابہ کرام ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم و فارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہ کرام ؓ میں ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے، پھر کیا وجہ کہ اس وقت ایسا نہیں کیا گیا، پھر اگر سامعین میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو؟ اگر نہیں تو پھر دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی؟ نیز اسی بحث میں حضرت تھانوی ؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا خلاف سنت متوارثہ ہے، اس لیے ممنوع ہے۔ انتہی۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی نوراللہ مرقدہ نے "مجموعۃ الفتاوی" میں اس بارہ میں تفصیل سے کلام کیا ہے، چند عبارات حوالۂ قلم کی جاتی ہیں:۔

(سوال) خطبۂ جمعہ اردو زبان میں یا فارسی زبان میں یا اردو و فارسی اشعار میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور جو ہے تو کس کتاب میں مذکور ہے؟ بینوا و توجروا

هو العليم الخبير۔

(جواب) خطبۂ جمعہ اردو زبان میں نثر ہو خواہ نظم اور اسی طرح فارسی زبان میں بھی نثر ہو یا نظم، وعلی هذا القیاس۔ جو خطبہ کہ اس کی کچھ عبارات لغت عربی میں ہو اور کچھ زبان فارسی یا اردو وغیرہما میں نظم ہو یا نثر مکروہ بکراہت تحریمی ہے کیونکہ مخالف ہے سنت هُدٰی کے، اس لیے کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے علی الدوام خطبہ زبان عربی میں پڑھا ہے اور اس وقت کسی سے خطبہ پڑھنا غیر زبان عربی میں منقول نہیں ہے، جیسا کہ کتاب "آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس" میں مسطور ہے، وهذه عبارته الكراهة انما هي لمخالفة السنة لان النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه قد خطبوا دائما وائمة بالعربية ولم ينقل عن احد منهم انهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية. انتهى

اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ باعث احداث خطبہ غیر عربیہ کا نہیں ہے مگر نہ سمجھنا عجم کا عبارات عربیہ کو، حالانکہ یہ امر قرون ثلاثہ میں بھی موجود تھا، اس واسطے کہ جب اطراف مختلفہ میں بلاد و امصار مفتوح ہوگئے اور اکثر مردمان فارس و حبش و روم وغیرہ کے مشرف بہ اسلام ہوئے، وہ لوگ مجالس شعائر اسلام مثل جمعہ و عیدین وغیرہما کے حاضر ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو بوجہ عدم وقوف لغت عرب کے شعور فہم عبارات عربیہ کا نہ تھا باایں ہمہ کسی نے برعایت فہم اُناس عربیہ عجمیہ کے غیر زبان عربی میں خطبہ نہ پڑھا، باوجودیکہ تعلیم و تفہیم خلفاء و علماء کی شان سے ہے مقتضی اس کی تھی، جبکہ ایسا نہ ہوا تو خطبہ عربیہ کے مکروہ ہونے میں جو ادنیٰ مرتبہ ضلالت کا ہے کچھ شک نہ رہا۔ الی آخر ما قال طاب ثراہ نوراللہ مرقدہ۔

محققین کی ان تصریحات کو مدنظر رکھ کر ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ وعیدین کا خطبہ بدستور عربی زبان میں رکھا جائے اور اس کا دوسری زبان مثلاً اردو یا فارسی وغیرہ میں بیان دینا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) آپ کے اس سوال کا جواب سوال اول کے جواب کے ضمن میں ہو گیا ہے تاہم اتنا لکھا جاتا ہے کہ خطبہ عربی سے پہلے وعظ و تبلیغ کرنے میں یہ اشکال رفع ہو سکتا ہے۔ خاص خطبہ کے الفاظ کے معانی و مطالب لوگوں کو سمجھانا اس وقت کوئی شرط نہیں ہے۔

(۳) خطبے میں کسی کا شخصی نام لانا شرط نہیں ہے۔ فقہائے اسلام خطبے کے متعلق جو تفصیل بیان فرماتے ہیں اس میں کہیں اس کا ذکر نظر سے نہیں گذرا۔ مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ خطبہ کے شرائط میں سے ایک شرط خطبہ ہے (ومنها الخطبة قبلها) ــــ آگے لکھتے ہیں: والخطبة تشتمل على فرض وسنة فالفرض شيئان الوقت الى قوله والثاني ذكر الله ــــ آگے لکھتے ہیں: واما سننها فخمسة عشر ــــ خطبہ کی تفصیل میں بھی کہیں کسی بادشاہ کا شخصی نام ذکر کرنے کی تصریح نہیں ہے۔ ملخصاً بھی کوئی ثبوت دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ خطبے میں شخصی نام نہ لایا جائے۔ خطبہ میں اوصاف پر دعا اور ترغیب و ترہیب ہونی چاہیے، جیسا کہ خطبوں میں اسلاف کا معمول رہا ہے کہ ان کے خطبوں میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ والسلطان ظل الله في الارض من اهان سلطان الله في الارض اهانه الله۔

هذا ما عندي والله اعلم

عیدین کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے

سوال:۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ اگر عید الفطر کی نماز بوجہ شرعی مجبوری کے نہ پڑھائی جاسکے تو دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے اس کے بعد جائز نہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز تین دن تک جائز ہے بشرطیکہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے ترک کی گئی ہو۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ولو زالت الشمس يوم الفطر قبل أن يصلي صلوٰة العيد سقطت صلوٰة العيد ولا يصلي من الغد الا اذا تركوا بعذر فيصلي من الغد قبل الزوال وان زالت الشمس من الغد سقطت صلوٰة العيد سواء تركوها بعذر او بغير عذر وفي عيد الاضحىٰ اذا لم يصل من الغد حتى زالت الشمس يصلي بعد الغد قبل الزوال فاذا زالت الشمس في آخر ايام النحر ولم يصل سقطت سواء كان بعذر او بغير عذر غير ان التاخير ان كان بعذر لا يلحقهم الاساءة وان كان بغير عذر فقد اساؤا۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج۱ ص۲۱۴ باب صلوٰة العيدين)[1]

✳ ✳

---

[1] وفي الهندية: وتؤخر صلوٰة عيد الفطر الى الغد اذا منعهم من اقامتها عذر بأن غم عليهم الهلال و شهد عند الامام بعد الزوال او قبله بحيث لا يمكن جمع الناس قبل الزوال او صلاها في يوم غيم فظهر انها وقعت بعد الزوال ولا تؤخر الى بعد الغد والامام لو صلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لا يقضيها من فاتته خرج الوقت او لم يخرج واذا حدث عذر يمنع من الصلوٰة في يوم الاضحىٰ صلاها من الغد وبعد الغد ولا يصليها بعد ذلك، ثم العذر ههنا لنفي الكراهة حتى لو اخروها الى ثلاثة ايام من غير عذر جازت الصلوٰة وقد اساؤا وفي الفطر للجواز حتى لو اخروها الى الغد من غير عذر لا يجوز۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۵۲ الباب السابع عشر في صلوٰة العيد)
ومثله في الطحطاوي حاشيه مراقي الفلاح ص۴۳۹ باب صلوٰة العيدين۔

- عید کے دن عورتوں، مریضوں اور مسافروں کے لیے بھی نماز عید سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہے[10]
- عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا مسنون ہے البتہ معذوروں کے لیے مساجد میں نماز عید ادا کرنا جائز ہے[11]
- نماز عید کا با جماعت ہونا شرط ہے لہٰذا اگر کسی وجہ سے نماز عید کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا تو تنہا نماز عید ادا نہیں کر سکتا اسی طرح اگر کسی کی نماز عید کسی وجہ سے فاسد ہو گئی ہو تو اس کی قضا واجب نہیں ہے[12]
- اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ پڑھی جا سکے تو دوسرے دن نماز عید پڑھ لیں[13]
- اگر کسی کی واجب زائد تکبیریں چھوٹ گئی ہوں اور وہ امام کے ساتھ قیام میں آ کر شریک ہو تو نیت باندھ لینے کے بعد وہ سب سے پہلے تینوں زائد تکبیریں کہے خواہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو یا نہ کی ہو[14]
- ایک شخص نماز کی دوسری رکعت کے رکوع میں آ کر شریک ہوا تو ایسے موقع پر اگر اسے یقین ہو کہ تینوں تکبیریں کہہ کر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے گا تو وہ پہلے کھڑے ہو کر تینوں تکبیریں کہے اس کے بعد رکوع میں شریک ہو جائے۔ اگر ایسے شخص کو رکوع چھوٹ جانے کا خوف ہو تو وہ رکوع میں شریک ہو جائے اور سبحان ربی العظیم کی بجائے رکوع ہی میں زائد تکبیریں کہے مگر رکوع میں ہاتھ نہ اٹھائے[15]
- اگر تینوں تکبیریں پوری کہنے سے پہلے امام صاحب رکوع سے سر اٹھا لیں تو وہ بھی امام کی اقتدا میں کھڑا ہو جائے جتنی زائد تکبیریں رہ گئی ہیں وہ معاف ہوں گی[16]
- اگر کسی کی ایک رکعت نماز عید جاتی رہی ہے تو اس کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت ادا کرے سب سے پہلے قرأت کرے اس کے بعد زائد تکبیریں کہہ کر رکوع میں چلا جائے[17]
- اگر امام صاحب رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہنا بھول جائے اور رکوع کی حالت میں انہیں وہ تکبیریں یاد آئیں تو وہ حالت رکوع ہی میں یہ تکبیریں کہہ لیں قیام کی طرف نہ لوٹیں تاہم اگر غلطی سے امام صاحب کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر انہوں نے یہ زائد تکبیریں کہیں تو یہ صورت بھی جائز ہے نماز فاسد نہیں ہو گی[18]
- ہجوم کی کثرت کی وجہ سے عیدین کی نماز میں سجدہ سہو معاف ہے[19]
- عیدین کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت مؤکدہ ہے لیکن اگر امام کسی مجبوری کی وجہ سے کھڑا

نہ ہو سکے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز ہے۔[1]

مستحب یہ ہے کہ جو شخص عید کی نماز پڑھائے وہی خطبہ بھی پڑھے۔ تاہم اگر امام کو کوئی شرعی عذر پیش آجائے تو دوسرا شخص بھی خطبہ دے سکتا ہے۔[1]

مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز طویل ہو اور خطبہ مختصر ہو یعنی پوری نماز سے کم وقت میں خطبہ ختم ہو جائے۔[2]

صدقۃ الفطر صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی وزن کے سکے ہوں یا زیور ہوں یا مال و جائیداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اس وزن کے برابر اشرفیاں یا زیور ہو۔ یہ شرط نہیں کہ اس مال پر سال گذر چکا ہو۔ اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ۵۲½ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۃ فطر واجب نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقۃ فطر ادا کرے اور اپنی نابالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے بھی۔[3]

صدقۃ فطر ایک آدمی کا بوزن انگریزی پونے دو سیر گندم ہے یا اس کی قیمت۔ اور جو غریب ہیں اپنے عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۃ فطر دیا جائے تو درست ہے اور اگر ایک آدمی کا صدقۃ فطر کئی محتاجوں کو دیا جائے تو بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ جس نے کسی عذر یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۃ فطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار کا مال رکھتا ہو۔ صدقۃ فطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔ صدقۃ فطر مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں لگانا بھی درست نہیں۔

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: تجب صلوٰۃ العید علی کل من تجب علیہ صلوٰۃ الجمعۃ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۵۱ باب العیدین)

[2] ندب یوم الفطر أکلہ حلواً وتراً قبل خروجہ الی صلاتھا واستیاکہ واغتسالہ وتطیبہ ولبسہ احسن ثیابہ ولو غیر ابیض .... ثم خروجہ الی الجبانۃ۔
(رد المحتار علی صدر الدر المختار ج۲ ص۱۶۸ باب العیدین)

۳ جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا۔
(بہشتی زیور ص۱۰۱ عیدین کی نماز کا بیان)

۴ لما قال العلامة ابوبکر الحداد الیمنیؒ: ولا یکبر فی طریق المصلی عند ابی حنیفۃؒ یعنی جهرًا اما سرًا فمستحب وهذا فی یوم الفطر لان لا اصل فی الشرع الاخفاء۔
(الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۱۲ باب العیدین)

۵ لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یتنفل قبلها مطلقًا ..... وکذا لا یتنفل بعدها فی مصلاها وان تنفل بعدها فی البیت جاز۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد۲ ص۱۶۹ باب العیدین)

۶ قال العلامة الحصکفیؒ: ویصلی الامام بهم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وهی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۷۲ باب العیدین)

۷ وفی الهندیة: ویستحب ان یستفتح الخطبة الاولی بتسع تکبیرات تتری والثانیة بسبع۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۵۰ باب العیدین)

۸ ویسن خطبتان ..... بجلسة بینهما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۷۸ باب العیدین)

۹ وہ عورتیں اور لوگ جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھیں ان کو قبل نماز عید کے کوئی نفل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (بہشتی زیور ص۸۸ حصہ یازدہم)

۱۰ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والسنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی بناء علی ان صلوة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۱۴ باب العیدین)

۱۱ وفی الهندیة: ولو صلاها مع بالجماعة وفاتت بعض الناس لا یقضیها من فاتته خرج الوقت او لم یخرج۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۵۲ باب العیدین)

۱۲ قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: وان فاتت مع الامام وتؤخر بعذر الی الغد فقط۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۶۲ باب صلوة العیدین)

۱۳ لما فی الهندیة: ولو انتهی رجل الی الامام فی الرکوع فی العیدین فانه یکبر للافتتاح قائمًا فان امکنه ان یأتی بالتکبیرات ویدرک الرکوع فعل ویکبر علی رأی نفسه وان لم یمکنه رکع واشتغل بالتکبیرات ولا یرفع یدیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۵۱ (الباب السابع عشر فی صلوة العیدین)۔

کتاب
الجنائز

اپنا حق وصول کر سکتی ہے۔ تاہم اگر کہیں عورت کی نافرمانی کی وجہ سے خاوند نے اس کو نفقہ سے محروم کر رکھا ہو تو پھر عورت کو نافرمانی کی وجہ سے اس کا یہ حق باقی نہیں رہتا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ان ھند بنت عتبة قالت یا رسول اللہ ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منہ وھو لا یعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۲۹۰ کتاب النکاح)[1]

ایک بیوی سے زیادہ محبت رکھنا دوسری بیویوں کی حق تلفی نہیں

سوال:- اگر ایک آدمی کی تین یا چار بیویاں ہوں اور ان میں کسی ایک کی طرف اس کا قلبی میلان اور اس کے ساتھ محبت زیادہ ہو تو کیا اس سے دوسری بیویوں کی حق تلفی لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- تین یا چار بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی وجہ سے قلبی محبت زیادہ ہو اور دیگر حقوق میں سب کے ساتھ برابری اور عدل کرتا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، شریعت مطہرہ کی نظر میں خاوند ایسے حقوق کا مکلف ہے جو اس کے دائرہ اختیار میں ہوں جبکہ ایک سے زیادہ بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ قلبی محبت اس کی قدرت سے باہر ہے۔

قال فی الھندیة: ومما یجب علی الازواج للنساء العدل والتسویة بینھن فیما یملکہ والبیتوتة عندھا للصحبة والمؤانسة لا فیما لا یملک وھو الحب والجماع۔
(الفتاوی الھندیة ج۱ ص۳۴۰ الباب سابع عشر فی النفقات)[2]

---

[1] قال فی الھندیة: فی کل موضع کان للقاضی أن یقضی لھا بالنفقة فلھا ان تأخذ من مال الزوج ما یکفیھا بالمعروف بغیر قضاء۔
(الفتاوی الھندیة ج۱ ص۵۵۵ الباب السابع عشر فی النفقات)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۶۶—۱۴۷ باب النفقة۔

[2] قال الشیخ الکاسانی رحمہ اللہ: وروی عن ابی قلابة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعدل بین نسائہ فی القسمة ویقول اللھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تؤاخذنی فیما تملک ولا املک۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ باب النفقات)
ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۲۰۲ کتاب النکاح۔ باب النفقات۔

بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے

سوال: اگر بیوی خاوند کے اقارب وماں باپ کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اور اپنے رہنے کے لیے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرے تو کیا خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرے؟

الجواب:- اگر بیوی کسی وجہ سے خاوند کے عزیز و اقارب کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو تو خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے لیے علیحدہ جگہ کا انتظام کرے یہ ضروری نہیں کہ کسی علیحدہ جگہ میں مکان بنانے کی تکلیف کرے بلکہ گھر کے اندر ہی اگر کوئی ایسا کمرہ بیوی کے لیے ہو جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہ ہو تو پھر بھی اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله: ولکن إنما يجب لها مسكن في بيت خالٍ عن أهله سوى طفله الذي لا يفهم الجماع وأمته وأم ولده ما عن غيره۔ (رد المحتار على الدر المختار ج۲ ص۶۱۹)[1]

خاوند بیوی کی رضامندی کے بغیر اسے کسی دوسرے ملک میں ساتھ نہیں لے جا سکتا

سوال:- ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح ہو گیا۔ یہ لڑکا کسی دوسرے ملک میں رہتا ہے اور وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے جبکہ لڑکی اور اس کے والدین یہ نہیں چاہتے کہ لڑکی اس کے ساتھ دوسرے ملک چلی جائے تو کیا خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے طاقت استعمال کرے؟

الجواب:- اگر لڑکی اور اس کے والدین راضی نہ ہوں تو لڑکا لڑکی کو جبراً اپنے ساتھ کسی دوسرے ملک نہیں لے جا سکتا۔

قال في الهندية: وكثير من المشائخ على أنه ليس للزوج أن يسافر بها في زماننا

---

[1] قال ابن نجيم: أي الإسكان للزوجة على زوجها لأن السكنى من كفايتها فتجب لها كالنفقة وقد أوجبها تعالى مقرونا بالنفقة كما أوجب النفقة بقوله تعالى: أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم - أي من طاقتكم مما تطيقونه ملكاً أو إجارة أو عارية إجماعاً وإذا وجبت حقاً لها ليس له أن يشرك غيرها فيه لأنها تتضرر به..... ولو كان الخلاء مشتركاً بعد أن يكون له غلق يخصه وليس لها أن تطالبه بمسكن آخر. (البحر الرائق ج۴ ص۱۹۳، ۱۹۴ باب النفقة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۵۵۶ الباب السابع في النفقات۔

بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ شادی کے بعد بیماری کے دوران لڑکی کے والدین اس کے علاج معالجہ پر جو خرچ کریں تو کیا وہ یہ خرچہ خاوند سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ بیماری و مرض کے علاج کا خرچہ شرعاً خاوند کے ذمہ نہیں تاہم اگر خاوند تبرع کرے تو باعث اجر ہے۔

قال فی الہندیۃ: فلا یجب الدواء للمرض ولا اجرۃ الطبیب ولا الفصاد ولا الحجامۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۴۹ الباب السابع عشر فی النفقات)۔[1]

حاملہ بیوی سے جماع کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا بیوی سے حالت حمل میں جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ضرر اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو حاملہ بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔

قال فی الہندیۃ: وأما اذا أقر الزوج أن الحبل منہ فالنکاح صحیح بالاتفاق وھو غیر ممنوع من وطئھا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۴۶ الباب السابع عشر فی النفقات)۔[2]

نابالغ بیوی سے جماع کرنا

سوال:۔ کیا خاوند اپنی نابالغ بیوی سے جماع کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے لیے عمر کی کوئی خاص قید نہیں بلکہ جب بھی منکوحہ میں جماع کے لیے قوت برداشت پیدا ہو اور اس سے جماع کرنے سے کسی بیماری کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی حالت میں نابالغ بیوی کے ساتھ جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر بیوی کی حالت ایسی ہو کہ بالغ ہونے کے باوجود اس کی صحت جماع

---

[1] قال ابن عابدین رحمہ اللہ: وعلیہ ما تقطع بہ الفتاوی لا الدواء للمرض ولا اجرۃ الطبیب ولا الفصاد ولا الحجام۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۴۴ باب النفقۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۸۸ باب النفقۃ۔

[2] قال ابن نجیم: أما التزوج الزانی بہا (الحاملۃ) فجائز اتفاقاً وتستحق النفقۃ عند الکل وحل وطؤھا عند الکل کما فی النہایۃ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۸۱ باب النفقۃ)
ومثلہ فی رد المحتار ج۲ ص۶۳۳ باب النفقۃ۔

نہ جانتے ہیں وقت ہو بلکہ جماع کرنے کی وجہ سے امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں منکوحہ کے بالغ ہونے کے باوجود ان سے جماع جائز نہیں۔

قال في الهندية: وأكثر المشائخ على أنه لا عبرة للسن في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة إن كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال ولا يخاف عليها المرض من ذلك كان للزوج أن يدخل بها وإن لم تبلغ تسع سنين وإن كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع ويخاف عليها المرض لا يحل للزوج أن يدخل بها وإن كبر سنها. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع في الأولياء في النكاح)[۱]

حالت حیض میں منکوحہ سے جماع کے علاوہ استمتاع کرنا

سوال:- حالت حیض میں خاوند اپنی بیوی سے جماع تو نہیں کرسکتا لیکن اس کے علاوہ استمتاع کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- حیض ونفاس کی حالت میں خاوند کے لیے اپنی بیوی سے جماع کرنا ناجائز اور حرام ہے لیکن اس کے علاوہ مافوق الازار استمتاع میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر استمتاع سے جماع تک نوبت پہنچنے کا احتمال ہو تو اس سے بھی بچنا چاہیے، جبکہ وقوع فی الزنا سے بچنے کے لیے مافوق الازار استمتاع کا طریقہ اپنانا زیادہ محتاط ہے۔

قال في الهندية: وله أن يقبلها ويضاجعها ويستمتع بجميع بدنها ما خلا ما بين السرة والركبة عند أبي حنيفة وأبي يوسف. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۹ الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس)[۲]

بیوی سے استمنا بالید کرانا

سوال:- اگر بیوی حیض ونفاس یا دیگر امراض کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو اور خاوند کو جماع کی ضرورت ہو تو کیا وہ بیوی کے ہاتھ

۱؎ قال ابن نجیم: وفي الخلاصة وأكثر المشائخ على أنه لا عبرة للسن فيهما وإنما المعتبر الطاقة. (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۰ باب الأولياء والأكفاء)

ومثله في رد المحتار ج۲ ص۳۲۹ و ص۳۶۶ باب الأولياء والأكفاء۔

۲؎ قال ابن نجیم: ويمنع الحيض قربان زوجها ما تحت الإزار ... وحرمتها مجمع عليها لقوله تعالى: ولا تقربوهن حتى يطهرن ..... وأما الاستمتاع بما فوقه فجائز ... فمذهب أبي حنيفة وأبي يوسف والشافعي ومالك يحرم عليه ما بين السرة والركبة وهو المراد بما تحت الإزار. (البحر الرائق ج۱ ص۱۹۷)

ومثله في بدائع الصنائع ج۱ ص۴۴ كتاب الحيض۔

کتاب
الطلاق

الطلاق مرتان فامساك
بمعروف او تسريح
باحسان

باب شرائط الطلاق

(طلاق کی شرائط اور اسکے احکام و مسائل)

نکاح سے پہلے دی گئی طلاق کالعدم ہے

سوال:- ایک شخص نے خطبہ کے بعد نکاح سے قبل اپنے خسر کو خط لکھا کہ آپ کی بیٹی مجھ سے آزاد ہے اور مجھ پر طلاق ہے، کیا اس کے بعد ان دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے؟

الجواب:- چونکہ طلاق قبل النکاح کالعدم ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:- فلغا قوله لاجنبية ان تزوجت زينب فانت طالق فنكحها فزارت

وقال لعدم الملک والاضافة اليه. (الدرالمختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۴ كتاب الطلاق باب التعليق مراده به المعلق بشرط) لـه

طلاق میں اضافت ضروری ہے

سوال:- ایک شخص کو طلاق دینے پر مجبور کرتے ہوئے ڈرایا دھمکایا گیا جس سے وہ شخص حواس باختہ ہو گیا اور طلاق دیتے وقت بیوی کا نام لیکر اس کے باپ کی بجائے دادا کی طرف نسبت کی، کیا ولد کے نام میں غلطی سے طلاق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- طلاق پر تلفظ کرتے وقت اکراہ مؤثر نہیں اس لیے جبر واکراہ کے باوجود طلاق واقع ہو جاتی ہے، خاوند عموماً اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں باپ کی طرف نسبت نہ کرنے کے باوجود صرف عورت کا نام لینے سے طلاق واقع ہو جائے گی، ایسا ہی باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کرنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، بنا بریں طلاق کے واقع

لـه وقال العلامة ابن نجيمؒ: فلو قال لاجنبية ان تزوجت زينب فانت طالق فنكحها فزارت لم تطلق لانه حين صدر لم يصح جعله ايقاعاً لعدم المحل۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۶ كتاب التعليق، تحت قوله فلو قال لاجنبية)

ومثله في فتح القدير ج ۳ ص ۱۱۱ كتاب الطلاق، باب الايمان في الطلاق۔

ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : لو قال امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلاثاً وقال لم اعن امرأتی یصدق ویفہم منہ انہ لو لم یقل ذٰلک تطلق امرأتہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا وقال: بخلاف ما لو ذکر اسمہا او اسم ابیہا او امہا او ولدہا ...... فقد صرحوا بانہا تطلق وانہ لو قال لم اعن امرأتی لا یصدق قضاءً اذا کانت امرأتہ کما وصف۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۶ باب الصریح کتاب الطلاق)[1]

بیوی کو ڈرانے دھمکانے کیلئے طلاق کا لفظ کہنا

سوال:۔ کسی شخص نے بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے طلاق کا لفظ استعمال کیا جبکہ اسکی نیت طلاق کی نہ تھی تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے لفظ صریح میں نیت و ارادہ کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے اس لیے جب بھی عورت کو یہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

قال النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام: ثلاث جدہن جد وہزلہن جد النکاح والطلاق والعتاق۔ (نصب الرایۃ ج۳ ص۲۹۳ کتاب الایمان)[2]

طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے

سوال:۔ والد نے نابالغ بیٹے کا کسی بالغ لڑکی سے نکاح کر دیا اب دونوں خاندانوں کے تعلقات اس حد تک خراب ہو گئے ہیں کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے

---

[1] وقال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: ولکن لو لم ینسبہا الیٰ ابیہا و نما نسبہا الیٰ امہا او ولدہا فطلق۔ وقال: فقال ذٰلک وہو یعلم نسب امرأتہ او لا یعلم طلقت امرأتہ ولا یصدق قضاءً وفیما بینہ وبین اللّٰہ تعالیٰ لا یقع ان کان یعرف نسبہا وان کان لایعرف یقع دیانۃً۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۵۳، ۲۵۴ کتاب الطلاق)

ومثلہ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق۔

[2] وقال العلامۃ الحصکفیؒ: او ہازلاً لا یقصد حقیقۃ کلامہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۴ کتاب الطلاق، مطلب فی المسائل التی تصح مع الاکراہ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۴ کتاب الطلاق۔

ایسی صورت کیا نابالغ لڑکا طلاق دے گا یا اس کا والد اس کی طرف سے طلاق دے کر عورت کو فارغ کرے گا؟

الجواب :۔ ایسی صورت میں نابالغ خاوند خود طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے اور نہ یہ لڑکا اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے والد نابالغ بیٹے کا نکاح تو خود کرا سکتا ہے لیکن اس کی طرف سے طلاق دینے کی اجازت نہیں رکھتا ۔ ایسی حالت میں عورت خاوند کے بلوغ کا انتظار کرے گی ، البتہ اگر کہیں عصمت نفس یا نان نفقہ کا مسئلہ درپیش ہو تو مجبور عورت حاکم وقت کی وساطت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کر سکتی ہے ۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ولا یقع الطلاق الصبی ولو مراهقاً ۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۲ کتاب الطلاق)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے : الطلاق لمن اخذ بالساق ۔

(ابن ماجة ص۱۵۲ ابواب الطلاق) [1]

بالغہ کو دی گئی طلاق کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے نابالغ لڑکی سے نکاح کیا اور ابھی وہ نابالغ تھی کہ اس نے طلاق بھی دے دی ، کیا اس نابالغ لڑکی پر طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ وقوع طلاق میں منکوحہ کا اعتبار ہے چاہے منکوحہ بالغ ہو یا نابالغ ، اس لیے نابالغ لڑکی پر طلاق کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں لڑکی مطلقہ ہو جائے گی ۔

قال العلامة ابن همامؒ : فی بیان شرائط الطلاق ، وفی الزوجة ان تکون منکوحة ۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۳۴۱ کتاب الطلاق تحت شرطه) [2]

---

[1] وفی الهندیة : ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق ، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)

ومِثْلُهُ فی الهدایة مع فتح القدیر ج۳ ص۳۴۳ کتاب الطلاق ۔

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ : ومحله (ای الطلاق) المنکوحة ۔

(تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۲۳۷ کتاب الطلاق مطلب طلاق الدور)

ومِثْلُهُ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۳۵ کتاب الطلاق ۔

مجنون کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص مجنون ہو اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے چونکہ مجنون عقل کی نعمت سے محروم ہوتا ہے اس لیے مجنون اگر طلاق دیدے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما فی الهندیة: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون۔[1]

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)

بے وقوف کی طلاق کا حکم

سوال:۔ کسی شخص میں بالغ ہونے کے بعد کوئی تبدیلی رونما ہوئی بلکہ شروع ہی سے سادہ اور بھولا بھالا چلا آرہا ہے، والدین نے اس کی شادی کر دی، دنیا کے جس کام پر اس کو لگایا جائے تو بڑی محنت سے وہ کام کرتا ہے لیکن دنیا کے کسی بھی رسم و رواج سے واقف نہیں، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے میں عام لوگوں کی طرح ہے، کیا ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص سفیہ ہے اور اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کے تصرفات شرعاً معتبر ہیں، البتہ جو شخص فاسد التدبیر ہو اور اس کی باتوں کا انداز ایسا ہو کہ کبھی وہ بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو ایسا شخص معتوہ ہے جس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما فی الهندیة: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والمعتوه لا یقع طلاقه۔ ایضاً۔[2]

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)

بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص حواس باختہ ہو کر ایسی کیفیت میں طلاق دے کہ اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں یہاں تک کہ اس کو رات و دن کی تمیز بھی نہ ہو، تو کیا ایسے شخص کی دی گئی طلاق واقع

---

[1] قال العلامة صدر الشریعة: لا طلاق صبی و مجنون ونائم۔ (شرح الوقایة ج ۲ ص کتاب الطلاق باب ایقاع الطلاق)
وبمثله فی فتح القدیر ج ۳ ص [illegible] کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق۔

[2] وقال العلامة ابن عابدین: [illegible] الفرق بینهما ان المعتوه هو قلیل الفهم مختلط الکلام فاسد التدبیر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۴ کتاب الطلاق)
وبمثله فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الطلاق۔

الجواب :- طلاق دیتے وقت عقل وحواس کی موجودگی ضروری ہے اگر کسی شخص کے حواس بیہوشی کی وجہ سے ختم ہوجائیں تو اس حالت میں دی ہوئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: لا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده والمجنون والمدهوش قال في القاموس: دهش الرجل تحیّر ودهش بالبناء للمفعول فهو مدهوش وأدهشه الله. الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۳ کتاب الطلاق، مطلب طلاق المدهوش) [1]

معتوہ کی طلاق کا حکم

سوال :- جس شخص کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں غلط سلط اور بےجوڑ باتیں کرتا ہو اگر ایسا شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس کی طلاق واقع ہوجائے گی؟

الجواب :- طلاق دینے کے لیے عاقل بالغ ہونا ضروری ہے، صورت مسئولہ کے مطابق ایسے شخص کو فقہاء کرام "معتوہ" کہتے ہیں جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: ولا یقع طلاق الصبي والمعتوه. (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ کتاب الطلاق، تحت مطلب في الحشیشة والافیون.... الخ) [2]

وسوسہ کی بیماری میں مبتلا شخص کی طلاق کا حکم

سوال :- ایک شخص جو وسوسہ کی بیماری میں مبتلا ہو اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں ہمیشہ تردد رہتا ہو اور بسا اوقات کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق معلق کرتا ہو پھر اس کو طلاق معلق کرنے میں بھی وسوسہ اور شک پیدا ہوجاتا ہے کبھی تو یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے طلاق دی ہے اور کبھی طلاق نہ دینے کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے جبکہ یقینی طور پر اس کو معلوم نہیں کہ اس نے طلاق دی ہے یا نہیں، تو ایسے شخص کی طلاق کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- طلاق کے وقوع کے لیے باقاعدہ قطع اور یقین ضروری ہے جب تک

---

[1] وفي الهندية: ولا یقع طلاق الصبي وإن کان یعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمی علیه والمدهوش. (الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)
ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

[2] وفي الهندية: وکذا المعتوه لا یقع طلاقه. (الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)
ومثله في فتح القدیر شرح الهداية ج۳ ص۳۴۳ فصل ولا یقع طلاق الصبي ...الخ۔

اس کو یقین نہ ہو تو شک اور وسوسہ کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لو شک اطلق ام لا۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۹۱ باب طلاق غیر المدخول بہا) لہ

نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال:۔ کیا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نشہ کی حالت میں اگرچہ انسان حواس کھو بیٹھتا ہے لیکن نشہ بذات خود چونکہ غیر مشروع فعل ہے اس لیے اس سے طلاق زجراً واقع ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل... ولو عبداً او مکرھاً او سکران (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۳ کتاب الطلاق، مطلب فی المکرہ) ؎ہ

غصہ کی حالت میں طلاق دینا

سوال:۔ کیا غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق عموماً غصہ کی حالت میں دی جاتی ہے اس لیے غصہ کا ہونا طلاق پر اثر انداز نہیں ہوتا، تاہم اگر غصہ کی کیفیت اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کو کلام سمجھنے کی طاقت نہ رہے تو مدہوش کے حکم میں ہو کر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فالذی یظہر لی ان کلاً من المدہوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الہذیان واختلاط الجد بالہزل کما ھو المفتی بہ فی السکران۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۷ تحت مطلب طلاق المدہوش کتاب الطلاق) ؎ہ

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: سئل فی رجل اذا شک انہ طلق امرأتہ ام لا فہل لا یقع علیہ الطلاق

الجواب نعم لا یقع الطلاق۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ج۱ ص۲۶ کتاب الطلاق)

؎ہ قال العلامۃ ابن الہمامؒ: وطلاق السکران واقع۔ (فتح القدیر ج۳ ص۳۴۵ فصل ویقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلاً بالغاً ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم)

ومثلہ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۴۶ کتاب الطلاق۔

؎ہ قال العلامۃ ابن ہمامؒ: ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والمبرسم والمغمی علیہ والمدہوش کذلک۔ (فتح القدیر ج۳ ص۳۴۴ کتاب الطلاق، فصل ویقع طلاق کل زوج ...الخ

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۸ کتاب الطلاق۔

غافل کی طلاق کا حکم

سوال:- اگر ایک شخص نے کسی وجہ سے اپنے والد کو نکاح کرلینے کی اجازت دی ہو مگر بعد میں وہ اپنی اجازت بھول گیا جبکہ والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا تو اس شخص نے اپنی اجازت کے بھول جانے پر لاعلمی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ میری بیوی کو طلاق ہو تو کیا اس کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- ایسا شخص غافل کے حکم میں داخل ہے اس لیے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: او ظن بانه التكلم بغير الطلاق فجرى على لسانه الطلاق او تلفظ به غير عالم بمعناه او غافلا او ساهيا او بالفاظ مصحفة يقع قضاء فقط بخلاف الهازل واللاعب فانه يقع قضاء وديانة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۴ كتاب الطلاق) [1]

حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا

سوال:- عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه انه طلق امرأته وهي حائض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مره فليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد ذلك وان شاء طلق قبل ان يمس فتلك العدة التي امر الله ان تطلق لها النساء۔
([illegible] ج۲ ص[illegible] كتاب الطلاق، باب الطلاق في الحيض)

مذکورہ بالا حدیث شریف کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عبداللہ سے کہہ دو کہ وہ بیوی سے رجوع کرلے۔ اس واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حالت حیض میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو اس کے لیے رجوع کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- وقوع طلاق کے لیے حیض مانع نہیں اس لیے اگر خاوند بیوی کو حیض کی حالت میں

---

[1] وقال العلامة ابن نجيم المصريؒ: وافاد ان طلاق الهازل واللاعب والمخطئ واقع كما قدمناه لكنه في القضاء واما فيما بينه وبين الله تعالى فلا يقع على المخطئ۔
(البحر الرائق ج۳ ص۲۶۴ باب الطلاق اي الفاظه في اقسامه)
ومثله في فتح القدير شرح الهداية ج۳ ص۳۴۲ كتاب الطلاق۔

طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے تاہم حیض کی حالت میں چونکہ میاں بیوی کے درمیان عارضی دوری موجود رہتی ہے اس لیے حیض کی حالت میں طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ عارضی بُعد طلاق کا محرک بن کر ایک گھر کو اجاڑ دے۔ حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ میں ممانعت میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔

عن عبد الله بن عمر انه طلق امرأته وهي حائض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مره فليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد ذلك وان شاء طلق۔ (ابو داؤد ج ۱ ص۲۹۵ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

ورنہ حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کرنے کے حکم سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق تو واقع ہو گئی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم فرمایا تھا۔

وقال الحصکفیؒ:- والبدعی ثلاث متفرقة او ثنتان بمرة او مرتين في طهر واحد لا رجعة فيه او واحدة في طهر وطئت فيه او واحدة في حيض ...... الخ
(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص۲۳۲ کتاب الطلاق وابحاث الطلاق البدعي) ومثلہ ۱؎

طلاق کے لیے گواہ ضروری نہیں

سوال:- اگر ایک شخص بیوی کو گواہوں کے بغیر طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:- طلاق کا دارومدار خاوند کے تلفظ پر ہے۔ طلاق کا وقوع گواہوں کی موجودگی پر موقوف نہیں بغیر گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

وقال العلامة الحصکفیؒ: لان رکن الطلاق هو اللفظ او ما يقوم مقامه۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۲۳۰ کتاب الطلاق۔ باب الصریح) ۲؎

۱؎ وفی الهندیة: والبدعی من حیث الوقت ان یطلق المدخول بها وهي من ذوات الاقراء في حالة الحيض۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۴۹ کتاب الطلاق)
ومثلہ فی فتح القدیر شرح الهدایة ج ۳ ص۳۲۹ کتاب الطلاق۔ باب طلاق السنة۔

۲؎ وقال الامام الکاسانیؒ: فرکن الطلاق هو اللفظ الذی جعل دلالة على معنى الطلاق لغة ..... وما يقوم مقام اللفظ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۹۸ فصل فی بیان رکن الطلاق)
ومثلہ فی فتح القدیر ج ۳ ص۳۲۵ کتاب الطلاق۔

حمل مانع وقوعِ طلاق نہیں

سوال :- اگر طلاق دیتے وقت منکوحہ حاملہ ہو تو کیا حمل کی موجودگی سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- منکوحہ کا حاملہ ہونا وقوعِ طلاق کیلئے مانع نہیں جس طرح غیر حاملہ منکوحہ پر طلاق واقع ہوسکتی ہے اسی طرح حاملہ بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے تاہم حاملہ مطلقہ کی عدت وضعِ حمل ہوگی۔ لقولہ تعالیٰ : واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ (الطلاق ۴) لہ

حالتِ نفاس میں طلاق دینا

سوال :- کیا عورت کو نفاس کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے؟ اور ایسی حالت میں عدت کیا رہے گی ؟

الجواب :- حیض کی طرح نفاس کی حالت میں طلاق دینا اگرچہ صحیح نہیں لیکن بہرحال طلاق واقع ہوجاتی ہے تاہم جب حالتِ نفاس میں طلاق دی جائے تو یہ ایام عدت میں شمار نہیں ہونگے بلکہ مستقل تین حیض عدت شمار ہوں گے۔

لماقال العلامۃ الحصکفیؒ : والنفاس کالحیض۔ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ باب الحیض) ٢ه

جھوٹی گواہی کی بنیاد پر طلاق کا ثبوت

سوال :- اگر ایک عورت جھوٹے گواہوں کا سہارا لے کر حاکم کی عدالت سے طلاق کی ڈگری حاصل کرے جبکہ خاوند طلاق دینے سے بالکل بے خبر ہو کیا ایسی جھوٹی گواہی کی بنیاد پر عورت آزادی کے زعم میں عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- حقیقتِ حال کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ، قاضی صرف گواہوں پر اعتماد کرکے فیصلہ کرتا ہے اس لیے حاکم یا قاضی کو جب گواہوں کے جھوٹ کا علم نہ ہوا اور ان کے ظاہر پر اعتماد کرکے فیصلہ کرے تو اس سے طلاق ثابت ہو کر عورت مطلقہ متصور ہوگی تاہم قاضی کو گواہی قبول

لہ قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ : وان کانت حاملاً فعدتھا ان تضع حملھا (الھدایۃ ج ۲ ص۴۲۳ باب العدۃ)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۲ فصل فی مقادیر العدۃ الحیض … الخ۔

٢ه وقال العلامۃ ابن نجیمؒ : ولذا کان منع منہ فیہ لتطویل العدۃ علیھا کان النفاس کالحیض۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۳۴ کتاب الطلاق)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۹ کتاب الطلاق مطلب تفسیر طلاق ورکنہ وشرطہ۔

کرتے وقت احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

لما فی الهندية: وكذلك لو قضى بالطلاق بشهادة الزور مع علمها حل لها التزوج بآخر بعد العدة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۲ الباب الثالث في بيان المحرمات القسم التاسع المحرمات بالطلقات) لـه

طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرانا

سوال: ایک شخص سے زبردستی طلاق نامہ لکھوایا گیا، زبان پر تلفظ نہ کرنے کے باوجود اس نے دستخط بھی کر دیئے، کیا اس حالت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جبر واکراہ سے طلاق پر تلفظ کروانے میں زبردستی مؤثر نہیں، ایسی حالت میں مکرہ کی طلاق تو واقع ہوگی البتہ تحریری طلاق میں نیت کا اعتبار ہے، اس لیے تو جبری طور پر طلاق لکھوانے میں جب زبردستی ہو تو نیت نہ ہونے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: وفي البحر ان المراد الاكراه على التلفظ بالطلاق فلو أكره على ان يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق. (رد المحتار ج۲ ص۴۲۶ كتاب الطلاق، مطلب في الاكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق) ـه

جبراً طلاق کا حکم

سوال: اگر ایک شخص پر جبر واکراہ کر کے طلاق دلوائی جائے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب: صورت مسئولہ کے مطابق احناف کے نزدیک مکرہ (جس پر جبر واکراہ کیا جائے)

ـه وفي تعليقات العلامة عبد الحكيمؒ: ولو قضى بطلاقها بشهادة الزور مع علمها بذلك تعتد وحل لها التزوج بآخر بعد العدة. وقال ابن عابدينؒ: قوله وبقولهما يفتى قال الكمال وقول الامام اوجه واستدل له بدلالة الاجماع. (رد المحتار ج۲ ص۴۱۳ باب المحرمات مطلب فيما لو ادعى الحل ... الخ)

ومثله في فتح القدير على الهداية ج۳ ص۱۵۵ فصل في بيان المحرمات.

ـه قال العلامة قاضيخانؒ: رجل أكره بالضرب او الحبس على ان يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق... الخ

(الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۷۲ فصل في الطلاق بالكتابة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۳۷۹ الفصل السادس في الطلاق بالكتابة.

طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ... ولو عبداً او مکرھاً۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۷۹ کتاب الطلاق)[1]

بطورِ استہزاء دی ہوئی طلاق کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو بغیر نیت کے استہزاءً طلاق دی اور یہ طلاق اس نے بار بار دہرائی تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صریح الفاظِ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں، محض لفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے اگر کسی شخص نے بطورِ استہزاء بھی بیوی کو طلاق دی تو پھر بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر متعدد بار یوں اقدام کیا تو متعدد طلاق واقع ہوں گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بخلاف الهازل واللاعب فانه یقع قضاءً ودیانةً لان الشارع جعل هزله به جدا۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ کتاب الطلاق، مطلب فی [illegible])[2]

کنکریاں پھینکنے کا اعتبار نہیں بلکہ الفاظِ طلاق معتبر ہیں

سوال: ایک شخص نے بیوی کو ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے البتہ ہاتھ میں تین پتھر لے کر پھینکے ہیں، کیا ایسی حالت میں الفاظ کا اعتبار ہے کہ جس سے بیوی پر ایک طلاق واقع ہو یا کنکریوں کا اعتبار کر کے تین طلاق معتبر ہوں گی؟

الجواب: طلاق کے وقوع میں بنیادی حیثیت الفاظ کی ہے، پتھر پھینکنا بذاتِ خود کوئی طلاق

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمه الله: وطلاق السکران واقع۔ (الهدایة مع فتح القدیر ج۳ ص[illegible] باب الطلاق)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه۔

[2] وفی الهندیة: وفی واقعات الناطفی رجل قال لامرأته انت طالق [illegible] تقع ثلاث لانه قال انت طالق احد عشر کذا فی التاتارخانیة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۶ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

وفیه ایضاً: وطلاق اللاعب والهازل به واقع۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)

ومثله فی شرح الوقایة ج۲ ص۶۸ کتاب الطلاق۔

نہیں، اس لیے اگر کسی نے بیوی کی طرف صرف پتھر پھینکے اور زبان پر کسی لفظ سے باز رہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ زبان پر تلفظ کرتے وقت پتھر پھینکنے سے مافی الضمیر کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے اس لیے اگر تین پتھر پھینکتے ہوئے "طلاق ہے" کہہ دیا تو تین کی نیت کرتے ہوئے تین طلاق واقع ہوسکتی ہیں ورنہ ایک طلاق واقع ہوکر منکوحہ قابلِ رجوع ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ولکن لو القی ثلاثة احجار الیها ولم یذکر لفظ الطلاق ونوی بها الطلاق الثلث لم یقع لعدم الرکن وهو اللفظ والنیة انما تعمل فی الملفوظ او ما یقوم مقامه۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۹۵ کتاب الطلاق [illegible])

اشارہ سے طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو ہاتھ سے اشارہ کرکے طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ جبکہ زبان سے کچھ نہ کہے؟

الجواب:۔ اشارہ سے اس وقت طلاق واقع ہوتی ہے جب انسان بات کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ورنہ تکلم پر قدرت کے باوجود صرف اشارہ کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: ویقع طلاق الاخرس بالاشارة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق الباب الثانی، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه) [1]

---

[1] وفی الهندیة: ولو قالت لزوجها طلقنی فاشار بثلاث اصابع واراد بذلك ثلاث تطلیقات لا یقع ما لم یقل بلسانه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۷ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

قال الحصکفی: انت طالق هکذا مشیرا بالاصابع المنشورة وقع بعدده۔ وفیه: ولو لم یقل هکذا یقع واحدة .... ای بأن قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانه فانها تطلق واحدة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۳۴ کتاب الطلاق)

ومثل هذا فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۳ ص۳۸۶ فصل فی تشبیه الطلاق ووصفه۔

ومثله ذلك فی التاتارخانیة ج۳ ص۳۹۸ کتاب الطلاق۔

[2] قال الحصکفی: ویقع طلاق الاخرس بالاشارة یرید به الذی ولد وهو اخرس او طرأ علیه ذلك ودام حتی صارت اشارته مفهومة والا لم تعتبر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۹ کتاب الطلاق مطلب [illegible])

ومثله فی الخانیة علی هامش الهندیة ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابة۔

ہازل کی طلاق کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے کہا کہ تجھ پر طلاق ہے جبکہ اس کا ارادہ طلاق دینے کا قطعی نہیں تھا تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صریح طلاق کے الفاظ میں نیت و ارادہ کا ہونا ضروری نہیں، ارادہ نہ ہونے کے باوجود مزاح میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس میں عدد کا ذکر نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں تین طلاق دی تو منکوحہ مغلظہ ہوگی۔[1]

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل ---- ولو هازلا (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۹ کتاب الطلاق۔ مطلب فی المسائل التی تقع مع الاکراه)

طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال: اگر کسی شخص نے طلاق پر جھوٹی قسم اس طرح کھائی کہ اگر میں فلاں کام کے بارے میں جھوٹ بولوں یا یہ کہ اگر بولوں تو میری بیوی مجھ پر طلاق ہے، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے جھوٹ بولا تھا اور وہ کام اس کی قسم سے پہلے متحقق ہو چکا تھا، اب اس شخص پر اس کی بیوی طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس شخص پر بیوی طلاق ہے، البتہ اگر اس نے یہ الفاظ ایک مرتبہ کہے ہوں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر تین دفعہ تکرار کیا ہو تو پھر تین طلاق واقع ہوں گی۔[2]

[2] لما فی الهندیة: وما احلف بالطلاق والعتاق وما اشبه ذلک فما یکون علی امر فی المستقبل فهو کالیمین المعقودة وما یکون علی الماضی فلا یتحقق اللغو والغموس ولکن اذا کان یعلم خلافه وقت الحلف یعلم ان الطلاق واقع۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۵۲ کتاب الایمان، فی الباب الاول)

---

[1] قال ابن نجیمؒ رحمه الله تعالی: ان یکون جاداً فیقع طلاق الهازل به واللاعب لقوله علیه السلام: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد۔ الخ (البحر الرائق ج۳ ص۲۴۲ کتاب الطلاق تحت قوله: ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ)

ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۳۴۳ کتاب الطلاق۔ فصل فی ایقاع الطلاق۔

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ: ان حلف علی کاذب عمداً کوالله ما فعلت کذا عالماً بفعله ... ویأثم بها فتلزمه التوبة وتأثیمها ... وقال العلامة الحصکفیؒ تحت هذا القول: لا مؤاخذة فیها الا فی ثلاث طلاق وعتاق ونذر الاشباه۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۴۵ کتاب الایمان۔ مطلب فی حکم الحلف بغیره تعالی)

ومثله فی الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۲۴۵ کتاب الایمان۔ فی الفصل الاول۔

طلاق کا وقوع ثبوت کا محتاج ہے

سوال:- ایک شخص کی ساس دعویٰ کرتی ہے کہ تم نے بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن خاوند انکار کر رہا ہے، تو کیا ساس کے کہنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:- اگر خاوند طلاق کا اقرار کرتا ہو تو کسی دوسرے کے ملنے کے بغیر ہی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن جہاں کہیں خاوند طلاق سے منکر ہو تو وہاں پر ساس کا بیان ناکافی ہے، ایسی صورت میں طلاق تب ثابت ہوگی جب باقاعدہ دو گواہ پیش کئے جائیں، تاہم جہاں کہیں عورت کو یقین ہو کہ خاوند نے اس کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو اور خاوند انکاری ہو تو عورت کسی ذریعہ (خلع) سے خاوند سے فراغت حاصل کر سکتی ہے۔

كما في الهندية: سئل شيخ الاسلام ابو القاسم رحمه الله تعالىٰ عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثاً ولا تقدر ان تمنع نفسها منه هل يسعها ان تقتله قال لها ان تقتله ـ
(الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۴۸۳ كتاب الطلاق الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة وما يتصل به فصل فيما تحل به المطلقة) له

طلاق کے ثبوت کے لیے ایک گواہ ناکافی ہے

سوال:- اگر خاوند پر عورت یا کسی اجنبی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ تم نے بیوی کو طلاق دی ہے اور ایک شخص اس کی گواہی دے رہا ہے جبکہ خاوند اس کا انکار کر رہا ہو تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:- ایسی حالت میں اگر مدعی طلاق کے پاس دو گواہ ہوں اور وہ گواہی دیں تو طلاق ثابت ہوگی، صرف ایک گواہ طلاق کے ثبوت کے لیے ناکافی ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان مالاً او غيره كنكاح

له قال العلامة الحصكفي رحمه الله: سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها الا بقتله لها قتله ـ وقال العلامة ابن عابدينؒ: قال في المحيط وينبغي لها ان تفتدي بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته ـ (رد المحتار على الدر المختار ج۲ ص۵۹۰ باب الرجعة. وفي مطلب الاقدام على النكاح اقرار بمضي العدة)
ومثله في الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۲۱ كتاب الطلاق ومسائل الحلل وغيرها ـ

و طلاق رجلان او رجل وامرأتان. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۷۸ کتاب الشہادات) بلفظہ

بذریعہ ڈاک بھیجی گئی طلاق کا حکم

سوال: اگر ایک شخص بغیر گواہ کے بیوی کو ڈاک کے ذریعہ طلاق بھیج دیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے وقوع کے لیے گواہوں کا ہونا شرط نہیں جیسا کہ زبانی طور پر طلاق دے سکتا ہے تو تحریری طور پر بھی طلاق دینے کے لیے کوئی امر مانع نہیں لہٰذا بغیر گواہوں کے بذریعہ ڈاک ارسال کی گئی طلاق سے بھی بیوی مطلقہ ہو جائے گی۔

لما فی الہندیة: رجل استکتب من رجل آخر الی امرأته کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فأخذه وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به الی امرأته فأتاها الکتاب وأقر الزوج انه کتابه فان الطلاق یقع علیها۔

(الفتاوی الہندیة ج ۱ ص ۳۷۹ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) [1]

طلاق نامہ پر لاعلمی میں دستخط کرنا

سوال: اگر کسی شخص نے لاعلمی کی حالت میں طلاق نامہ پر دستخط کئے تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق بالکتابت میں نیت و ارادہ ضروری ہے اس لیے طلاق نامہ پر لاعلمی کی صورت میں دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما فی الہندیة: کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع به الطلاق اذا لم یقر انه کتابه۔

(الفتاوی الہندیة ج ۱ ص ۳۷۹ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) [2]

---

[1] وفی الہندیة: ویشترط فیها شهادة رجلین او رجل وامرأتین سواء کان الحق مالا او غیر مال کالنکاح والطلاق۔ (الفتاوی الہندیة ج ۳ ص ۴۵۱ کتاب الشہادات۔ فی الباب الاول)

ومثله فی فتح القدیر ج ۴ ص ۱۵۵ کتاب الاحکام۔

[1] قال العلامة ابن ہمام: ولو کتب الصحیح الی امرأته بطلاقها ثم انکر الکتاب وقامت علیه البینة انه کتبه بیده فرق بینهما فی القضاء واما فیما بینه وبین الله تعالی ان کان لم ینو به الطلاق فهی امرأته۔ (فتح القدیر شرح الہدایة ج ۳ ص ۶۳ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول)

ومثله فی رد المحتار ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الطلاق۔ وفی مطلب الطلاق۔

[2] قال العلامة ابن عابدین: کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق ما لم یقر انه کتابه۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۴۷ کتاب الطلاق، مطلب فی الطلاق بالکتابة)

ومثله فی الخانیة ج ۱ ص ۴۷۲ کتاب الطلاق فی ایقاع الطلاق بالکتاب۔

مرضِ سرسام میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! سرسام ایک ایسی بیماری ہے کہ اس میں مریض پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ اس سے دیوانوں کی سی حرکات سرزد ہوتی ہیں، اگر اس مرض میں مبتلا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: سرسام زدہ شخص کے افعال و اعمال کا حکم مجنون اور معتوہ جیسا ہے اس کی طلاق باتفاقِ علماء واقع نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کوئی ایسی حالت میں بیوی کو طلاق دے تو بیوی مطلقہ نہ ہوگی۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان یکون عاقلاً حقیقةً او تقدیراً فلا یقع طلاق المجنون والصبی الذی لا یعقل لان العقل شرط اهلیة التصرف لان به یعرف کون التصرف مصلحة۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۹۹ فصل شرائط الرکن)[۱]

خواب کی حالت میں دی گئی طلاق لغو ہے

سوال: اگر کوئی شخص خواب (نیند) کی حالت میں اپنی بیوی کا نام لے کر کہے کہ ہندہ کو طلاق طلاق طلاق ہے تو کیا اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: نیند میں انسان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آتا بلکہ اس کو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس لیے یہ شخص شرعاً معذور ہے اور اس کی دی ہوئی طلاق لغو ہے، اس سے بیوی مطلقہ نہیں ہوگی۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: ومنها ان لا یکون معتوهاً ولا مدهوشاً ولا مبرسماً ولا مغمی علیه ولا نائماً فلا یقع طلاق هؤلاء لما قلنا فی المجنون۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۰۰ فصل شرائط الرکن)[۲]

---

[۱] قال العلامة ابن الهمامؒ: قوله لا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والنائم والمعتوه والمبرسم... لکن مسلوب من کمال الشرعیة التصرفات لانتفاء الاهلیة ... (فتح القدیر ج۳ ص۳۴۲ فصل ویقع طلاق کل زوج۔ الخ)
ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۴۲۲ کتاب الطلاق مطلب فی تعریف السکران۔

[۲] قال العلامة الحصکفیؒ: لا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده ... والصبی والمعتوه من العته وهو اختلال فی العقل والمبرسم من البرسام والمغمی علیه۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۳ کتاب الطلاق)
ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۳۴۲ فصل ویقع طلاق کل زوج۔ الخ

طلاق الصریح والکنایۃ

(طلاق صریح وکنایہ کے احکام ومسائل)

"تم طلاق ہو" میں تین طلاق کی نیت کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "تم طلاق ہو" اور اس میں اس کی نیت تین طلاق کی ہو تو کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی یا ایک؟

الجواب:۔ صریح الفاظ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں اسلئے "تم طلاق ہو" سے صرف ایک طلاق واقع ہوئی، تین طلاق کی نیت کرنا اس میں لغو ہے۔[1]

لما فی الھندیۃ: کانت طالق ومطلقۃ وطلقتک تقع واحدۃ رجعیۃ وان نوی الاکثر او الابانۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق، باب ثانی فی ایقاع الطلاق)[2]

سوچ وفکر کے عالم میں طلاق کا لفظ ادا کرنا

سوال:۔ ایک شخص سوچ وفکر میں گم تھا اس کی کوشش تھی کہ زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے لیکن اچانک اس کی زبان سے نکل گیا کہ "جاؤ میں نے تجھ کو طلاق دے دی" تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر سوچ وفکر سے مجبور ہو کر ان الفاظ سے مراد بیوی کو طلاق دینا ہو تو صریح طلاق میں واقع ہو گی کیونکہ اس کا ارادہ اور نیت ضروری نہیں، تاہم اگر یہ تلفظ کسی واقعہ کی حکایت ہو جو اس کے ذہن میں کسی فرضی واقعہ کا پیش خیمہ ہو یا نفس الامر کے کسی واقعہ کی حکایت ہو تو حکایت کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی۔

لما فی الھندیۃ: رجل قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتہا

---

[1] قال ابوالحسن علی المرغینانیؒ: فصریح ھو کانت طالق ومطلقۃ وطلقتک فھذا یقع بہ الطلاق الرجعی ولا یقع بہ الا واحدۃ وان نوی الاکثر۔ ملخصٌ۔

(الھدایۃ ج۲ ص۳۵۵ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، کذا فی بقایۃ)

[2] ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۹ کتاب الطلاق باب الصریح۔

تم طلاق ہو تھا ہے کہ اضافت کی موجودگی میں اس سے تین طلاق واقع ہوں گی لیکن جب اضافت نہ ہو صرف یہ ہو کہ ایک دو تین تم طلاق ہو یا تم طلاق ہو ایک دو تین ایسی حالت میں تم طلاق ہو' مستقل جملہ مبتدا وخبر ہو کر عدد سے بظاہر اس کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا اس لیے عدد لغو ہو کر ایک طلاق واقع ہوگی تاہم اگر یوں کہا کہ تم ایک دو تین طلاق یا تم طلاق ایک دو تین ہو تو اس سے بھی لازمی طور پر تین طلاق واقع ہوں گی۔

والدليل على ما قلنا ما قال العلامة الحصكفيؒ: والعدد انما يقع بعدد قرن به لا بقبله عند ذكر العدد وعند عدمه الوقوع بالصيغة. الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۲۰۵ كتاب الطلاق ، مطلب الطلاق يقع بعدد قرن به)[1]

بیوی کے نام کی جگہ دوسرا نام لیکر طلاق دینا

سوال :۔ اگر ایک شخص نے کسی مصلحت کے لیے بیوی کے اصل نام کی جگہ دوسرے نام سے یاد کر کے طلاق دی ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر بیوی کی طرف اشارہ نہ ہو تو تعارف اور تعین کے لیے نام کا سہارا لیا جاتا ہے یہ تب ہو سکتا ہے کہ نام درست ہو جب اصل نام کو چھوڑ کر دوسرے نام سے یاد کیا جائے تو بیوی مطلقہ نہیں ہوگی تاہم اگر اس شخص کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی ہو تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

وفی الهندية : ولو قال امرأته الحبشية طالق وله امرأة ليست بحبشية لا يقع عليها وعلى هذا اذا سمى بغير اسمها ولا نية له فی طلاق امرأته۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۵۸ كتاب الطلاق ، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق)[2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاریؒ : رجل قال لامرأته تو ایکی وتو اسه وقال نوی سه ۔ قال ابو القاسم الصفارؒ لا يقع شئ ۔ وقال صدر الشهيدؒ يقع اذا نوى وبه يفتى ۔ (خلاصة الفتاوى ج۲ ص۹۱ كتاب الطلاق الفصل الثانی فی الكنايات جنس آخر)

ومثله فی البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۱۲۹ كتاب الطلاق مسائل الايقاع بلا قصد ولا اضافة ـ

[2] قال العلامة ابن همامؒ : ولو قال امرأة فلانة بنت فلان طالق وسماها بغير اسمها لا تطلق امرأته الا بالنية ـ (فتح القدير شرح الهداية ج۳ ص۳۲۵ كتاب الطلاق باب ايقاع الطلاق)

ومثله فی رد المحتار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۳ كتاب الطلاق مطلب فيما لو قال امرأته طالق الخ

دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے

سوال:۔ بیوی کو دو دفعہ طلاق دینے کے بعد خاوند رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح طلاق جب تک تین دفعہ استعمال نہ ہو تو ایک یا دو دفعہ لفظ طلاق صریح کے استعمال کرنے کی صورت میں خاوند بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے ایسی حالت میں صرف رجوع ہی کافی ہے۔

لما فی الهندية: ولو قال انت طالق الطلاق وقال عنيت بقولي طالق واحدة وبقولي الطلاق اخرى يصدق فتقع رجعيتان ان كانت مدخولا بها۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ كتاب الطلاق باب الثاني في ايقاع الطلاق۔ الفصل الاول الطلاق الصريح)[1]

دو طلاق کے بعد رجوع کرکے دوبارہ طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو دو طلاق دیں اور پھر رجوع کر لیا لیکن کچھ مدت کے بعد میاں بیوی کے درمیان پھر اختلافات پیدا ہو گئے تو خاوند نے پھر طلاقیں دے دیں تو کیا خاوند اب بھی رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دو طلاق کے بعد رجوع مفید ہے اور اس سے میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں لیکن دو طلاق دینے کے بعد خاوند کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ جاتا ہے جو وہ کسی وقت بھی انفرادی طور پر استعمال کر سکتا ہے، صورت مسئولہ میں خاوند کا رجوع کرنے کے بعد پھر طلاقیں دینے میں ایک طلاق کے لیے محل کی موجودگی کی وجہ سے یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو کر خاوند کے لیے حلالہ کے بغیر جائز نہیں اور باقی پانچ طلاقیں محل نہ ہونے کی وجہ سے لغو متصور ہوں گی۔

قال الحصكفي: ولا ينكح مطلقة من نكاح صحيح نافذ بها اي بالثلث حتى يطأها غيره۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۳۷ كتاب الطلاق باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة)

[1] قال العلامة الزيلعي: كقوله انت طالق انت طالق فيقع رجعيتان اذا كانت مدخولا بها۔ (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۲ ص ۱۹۹ كتاب الطلاق)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۵۳ كتاب الطلاق باب الصريح مطلب في قول البحر ان الصريح يحتاج ج الخ

[2] لما في الهندية: واذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة وبعد انقضائها وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ كتاب الطلاق الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به)

طلاق بائن کے اثرات

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی ہے اور اس پر سات آٹھ مہینے گذر گئے ہیں اب اگر وہ دوبارہ میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا چاہیں تو ان کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب: طلاق بائن میں تجدید نکاح ضروری ہے خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد میں ہو، طلاق بائن میں رجوع کرنا ناکافی ہے، بصورت مسئولہ میں یہ مرد وزن دوبارہ نکاح کر کے ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الهندية: وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۷۲ كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة وما يتصل به، فصل فيما تحل به المطلقة)[1]

لفظ "ہاں" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال: میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر کشیدگی پیدا ہوگئی، بیوی نے خاوند سے کہا بے غیرت مجھے طلاق دے دو، خاوند نے زمین سے پتھر اٹھا کر بیوی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "ہاں"۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: خاوند کے یہ الفاظ "ہاں" یا بیوی کی طرف پتھر پھینکنا نہ طلاق صریح ہے اور نہ طلاق کنایہ ہے، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما في الهندية: ولو قالت أنا طالق فقال نعم طلقت ولو قالت في جواب طلقني لا تطلق وإن نوى. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۵۵ مطلب في الطلاق بالواو أو بغيره وقوع باتفاق الائمة)[2]

طلاق کی حکایت کا بیان کرنا

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پھر اس طلاق کی حکایت کسی مجلس میں اس طرح بیان کیا کہ میں نے اس کو طلاق دی ہے، کیا اس حکایت سے دوسری طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة المرغيناني: وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها لأن حل المحلية باق. (الهداية ج۲ ص۳۹۸ كتاب الطلاق، باب الرجعة)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۴۹ كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فيما تحل به المطلقة.

[2] وقال الشيخ ابي البركات: ولو قالت طلقني فقال نعم لا وإن نوى. ج۳ ص۱۷۱ كتاب الطلاق، قسمة فصل الأول في صريح الطلاق، نوع آخر في الفاظه

الجواب :۔ پہلی طلاق کی حکایت سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی صرف ایک طلاق متصور ہوگی ۔

لما فی الھندیۃ : رجل قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتھا او قال قلت ھی طالق فھی واحدۃ فی القضاء کذا فی البدائع ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ا ص۳۵۸ مطلب اذا کرر الطلاق علی المرأۃ المدخول بھا ونوی الاخبار) لہ

طلاق کی قسم کھانا

سوال :۔ ایک شخص نے قسم کھا کر کہا کہ اگر میں نے سگریٹ نوشی کی تو میری بیوی کو طلاق ہوگی تو اس طرح قسم کھانے کے بعد سگریٹ نوشی کرنے سے نکاح پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

الجواب :۔ مذکورہ قسم کھانے کی صورت میں حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی لہٰذا سگریٹ نوشی کے بعد رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے ۔

قال العلامۃ المرغینانی : قولہ انت طالق ومطلق وطلقتک فھذا یقع بہ الطلاق الرجعی ۔ (الھدایۃ ج ۲ ص۳۵۸ کتاب الطلاق ، باب ایقاع الطلاق) لہ

بیوی پر "ناجائز طلاق ہوگی" سے طلاق کا حکم

سوال :۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی پر ایسی طلاق ہوگی جو ناجائز ہو تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی ؟

الجواب :۔ حانث ہونے کی صورت میں اس شخص کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالفعل یا بالقول کرنے کی گنجائش موجود ہے ۔

قال العلامۃ سراج الدینؒ : ولو قال انت طالق ما لا یجوز علیک من الطلاق

لہ قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ : ولو قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتھا الخ لان کلامہ انصرف الی الاخبار الخ ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۱۰۲ فصل واما النیۃ فی احد نوعی الطلاق)

لہ وفی الھندیۃ : ھو کانت طالق ومطلقۃ وطلقتک وتقع واحدۃ رجعیۃ ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ا ص۳۵۴ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق وفیہ سبعۃ فصول)

ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۴۳۹ کتاب الطلاق باب الصریح ۔

طلقت واحدۃ۔ (الفتاوی السراجیۃ ص۲۴ کتاب الطلاق، باب عدد الطلاق)[1]

دو بیویوں میں سے ایک کو مبہم طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں اس نے اُن سے کہا تم میں سے ایک طلاق ہے، تو اس سے کون سی عورت مطلقہ تصور ہوگی؟

الجواب:۔ طلاق کا وقوع یقینی ہے تاہم تعیین کا اختیار خاوند کو حاصل ہے کہ دونوں میں سے جس کو چاہے مطلقہ قرار دے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو قال امرأتی طالق وله امرأتان او ثلاث تطلق واحدۃ منهن وله خیار التعیین۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۱۹ باب طلاق غیر المدخول بها، مطلب فیما لو قال امرأته طالق وله امرأتان او اکثر تطلق واحدۃ)[2]

معاہدہ کی خلاف ورزی پر مشروط طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر چند افراد کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے ایک تحریر لکھیں جس میں یہ ہو کہ ہم میں سے جو بھی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس کی بیوی اس پر تین طلاق سے طلاق ہوگی، بعد ازاں بعض لوگوں کے مشورے سے طلاق کا لفظ قطع کر دیا گیا اور دستخط کرتے وقت طلاق کی شرط معاہدہ میں شامل نہیں تھی، تو کیا معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے کوئی تحریر لکھنا درحقیقت ایک مشورہ ہے اس لئے

---

[1] وفی الخانیۃ: ولو قال لامرأته انت طالق ما لا یجوز علیک من الطلاق او ما لا یقع او علی انی بالخیار ثلاثۃ ایام تقع واحدۃ۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۳۵۵ الفصل الثالث فی تشبیه الطلاق ووصفه)

ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۳۹ کتاب الطلاق۔

[2] وفی الهندیۃ: ولو قال امرأته طالق وله امرأتان کلتاهما معروفتان کان له ان یصرف الطلاق الی ایتهما شاء۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

ومثله فی خلاصۃ الفتاوی ج۲ ص۷۸ کتاب الطلاق، فصل اول، جنس آخر۔

صورتِ مسئولہ میں طلاق اس وقت نافذ العمل ہوگی جب اس پر دستخط ہو کر ثبت ہو جائیں اور اس صورت جب اصل معاہدہ میں طلاق کا ذکر نہیں تو خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: وإن لم تقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاءً ولا ديانةً وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۴۷ کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة)[1]

غیر مدخول بہا کو طلاق دینا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو نکاح کے بعد قبل الدخول طلاق دے دی ہو بعد ازاں وہ اُسے پھر نکاح میں لانے کا خواہشمند ہو تو ایسی صورت میں اسے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے ملک نکاح ضروری ہے اس لیے قبل الدخول بھی طلاق واقع ہونے کے لیے کوئی امر مانع نہیں ہے تاہم اگر تین طلاق متفرق دی ہوں یا صرف ایک طلاق دی ہو تو ایسی حالت میں ایک طلاق سے منکوحہ جدا ہو کر دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لیے صرف تجدید نکاح کافی ہوگی۔ البتہ اگر بیک وقت تین طلاق دی ہوں تو پھر منکوحہ مغلظہ کے حکم میں رہے گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: قال لزوجته غير المدخول بها أنت طالق ثلاثاً وقعن وإن فرق بانت بالأولى ولم تقع الثانية بخلاف الموطوءة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۲۹۲ کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بها)[2]

طلاقِ ثلاثہ کے بیک وقت واقع ہونے کی تحقیق

سوال:۔ زید کا اپنی بیوی سے گھریلو تعلقات میں کشیدگی کی وجہ سے دونوں

---

[1] وفي الهندية: وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق، باب الثاني، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة)

[2] وفي الهندية: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن عليها فإن فرق الطلاق بانت بالأولى ولم تقع الثانية والثالثة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۷۳ کتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول)

ومثله في الهداية على صدر فتح القدير ج۳ ص۳۹۱ کتاب الطلاق، فصل في تشبيه الطلاق ووصفه۔

قد علمت ارجعها۔ (رواہ ابوداؤد) اس حدیث میں ہے کہ ابورکانہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اس کو یعنی بیوی کو تین بار کی طلاق دے دی ہے، حضورؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے تم رجوع کر لو۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں کچھ زائد الفاظ سے روایت فرمایا ہے کہ طلق ابورکانۃ امرأتہ فی مجلس واحد ثلاثاً فحزن علیہا فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہا واحدۃ۔ ابورکانۃ۔ چنانچہ ابورکانہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر بیوی سے رجوع کر لیا۔ یہ مسئلہ بڑا طویل ہے اس مسلک پر حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قائم ہیں اور تابعین و تبع تابعین میں سے حافظ قاسم، امام جعفر صادق، امام باقر، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ ہیں۔

سائل یہ واضح ہو کہ دین کے معاملہ میں تنگی نہیں۔ امام اعظمؒ کے مسلک میں یہ بات شامل ہے کہ کوئی شخص نقصان سے بچنے کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ حاصل کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے، چنانچہ سبیل السلام ص۱۳۵ پر علامہ صنعانیؒ نے طویل بحث فرمائی ہے۔ اس کی تشریح کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اختصار یہ ہے کہ مسئلہ درست ہے کہ اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ دیا جائے تو اس شخص پر کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ان میں سے کسی پر عمل کرے کوئی ممنوع نہیں ہے۔ اس لیے ان حالات میں سائل کو فتویٰ دیا جاتا ہے کہ وہ حدیث شریف اور صحابہ کرامؓ و ائمہ عظامؒ کے اقوال کے مطابق اپنی بیوی سے دو گواہوں کے سامنے رجوع کرے اور اپنے گھر میں لے جائے اور اسے بسائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہو کہ موجودہ عائلی قوانین کے مطابق ایسی صورت میں سرے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوئی اس لیے فوری طور پر رجوع کر لیا جائے اور سائل دل میں ذرہ برابر بھی ملال پیدا نہ کرے۔ والسلام

یہاں تک تو اس عالم صاحب کا جواب تھا لیکن اس کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں جو کہ قابل توجہ ہیں:۔

(۱) صورت مسئولہ میں کون سی طلاق واقع ہوگی؟ وقوع طلاق ثلاثہ کے بارہ میں ائمہ اربعہؒ کا کیا مسلک ہے؟

(۲) حدیث شریف: عن محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعاً۔ (الحدیث) کا محدثین کے نزدیک صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور

کیا اس حدیث سے عدم وقوع طلاق ثلاثہ کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

(۳) مذکورہ جواب میں ابو داؤد شریف کی رکانہ والی حدیث تحریر کی گئی ہے تو کیا یہ حدیث قابل حجت اور قابل عمل ہے یا نہیں؟

(۴) صورت مسئولہ کے مذکورہ جواب میں امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر شہوانی اور نفسانی خواہشات کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) مذکورہ جواب میں مجیب نے موجودہ شکل عائلی قوانین پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۶) امام نووی رحمۃ اللہ کی تحقیق کے خلاف طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کرنے سے کیا تضلیل اکابر کا الزام آتا ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا سوالوں کے بالوضاحت جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب (من دار الافتاء دار العلوم حقانیہ) بعد ان امور کی طرف توجہ دینے سے قبل اصل مسئلہ کے بارے میں اتنا عرض ہے کہ حرام کا لفظ طلاق کنائی ہے اور کنائی طلاق سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا زید کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو۔ علامہ شامیؒ نے "بحث طلاق کنائی" میں تصریح کی ہے کہ لفظ حرام عرفاً چونکہ طلاق ہی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگرچہ اس میں نیت نہ بھی کی گئی ہو اور دوسرا و تیسرا لفظ حرام لغو ہے کیونکہ بائن طلاق سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور جب پہلی دفعہ حرام کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو پھر حرام حرام کہنا لغو ہے اس سے زائد طلاق واقع نہ ہوگی۔ لہٰذا اس عورت کو عدت میں یا بعد از عدت دونوں حالتوں میں تجدید نکاح کے ذریعہ سے دوبارہ اپنے نکاح میں لا سکتا ہے۔ وضاحت: رجوع ہی کافی نہیں ہے تاوقتیکہ بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح نہ کیا جائے۔ یہ اس وقت کہ جب زید نے حرام کے لفظ سے تین طلاقوں کی نیت نہ کی ہو اور اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کر لی ہو تو اس صورت میں پھر مغلظہ ہوگی جو حلالہ کے بغیر اس کے لیے ہرگز جائز نہ ہوگی۔ آپ نے جو چھ سوالات پوچھے ہیں ان کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں۔

(۱) صورت مسئولہ میں بائن طلاق واقع ہو گئی ہے نہ کہ رجعی، اور عورت کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لیے رجوع کافی نہیں بلکہ تجدید نکاح بالرضا ضروری ہوگی، طلاق ثلاثہ کے بارے

میں ائمہ اربعہؒ کا مسلک یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ خواہ دفعۃً واحدۃً دی جائیں یا متفرقاً ایک ہی طہر میں ہوں یا متفرق اطہار میں تمام صورتوں میں تین طلاق ہی واقع ہوں گی نہ کہ ایک امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

(۲) حدیث مذکور کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاق دینا خواہ متفرقاً تین دفعہ الفاظ طلاق کہہ دے یا ایک ہی دفعہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہہ دے یہ سب بدعی طلاق ہیں اور اس طرح طلاق دینا گناہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین طلاق واقع نہ ہوں گی بلکہ طلاق تو تین واقع ہوں گی اور چونکہ اس طرح طلاق دینا شرعی طریقہ طلاق کے خلاف ہے اس لیے اس طرح طلاق دینے والے گنہگار رہیں گے۔ اس کی نظیر وہ واقعہ ہے جو مسلم وغیرہ کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طرح طلاق دینے پر سرزنش کر کے رجوع کا حکم فرمایا لیکن طلاق کو معتبر قرار دیا (مسلم) اسی طرح ایک دوسرے شخص نے اپنی بیوی کو مثلاً تین طلاق دے دی تو حضور انورؐ نے فرمایا، عصیت ربک وبانت منک امرأتک۔ (دارقطنی بحوالہ مشکوٰۃ) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل اگرچہ معصیت اور گناہ ہے مگر طلاق تینوں ہی واقع ہوں گی۔ جو لوگ محمود ابن لبیدؓ کی حدیث سے عدم وقوع طلاق پر استدلال کرتے ہیں ان کا یہ استدلال غلط ہے اور عدم وقوع طلاق کا ثبوت اس سے نہیں ملتا اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاً تین طلاق دینا گناہ ضرور ہے لیکن گناہ سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ زہر کا پیالہ پینا گناہ ہے مگر موت کا اثر ضرور کرے گا۔ اسی طرح یہ طلاق اگرچہ بدعی ہے مگر ضرور واقع ہوگی۔

(۳) رکانہؓ والی حدیث میں دو قسم کے الفاظ مروی ہیں۔ ایک یہ کہ "طلق امرأتہ ثلاثاً" دوسری قسم کے الفاظ یہ ہیں کہ "انہ طلق امرأتہ البتۃ فقال لہ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آللہ ما اردت الا واحدۃ فقال آللہ ما اردت الا واحدۃ" پہلی روایت کو جس میں طلق امرأتہ ثلاثاً کے الفاظ ہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں "واما الروایۃ التی رواھا المخالفون ان رکانۃ طلق ثلاثاً فجعلھا النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام واحدۃ فروایۃ ضعیفۃ عن قوم مجھولین"

بانّا الصحيح منها ما قدمنا انه طلقها البتة (شرح نووی مسلم ص ۴۷۶ ج ۱) ابوداؤد نے بھی طلقہا
البتۃ والی روایت کو طلقہا ثلاثاً کی روایت سے اصح قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:
وهذا اصح من حديث ابن جريج ان ركانة طلق امرأته ثلاثا الخ۔ اس کی وجہ یہ
بیان کرتے ہیں کہ طلقہا البتۃ والی حدیث کے روای رکانہ کے اہل بیت اور اولاد ہیں
اور ظاہر ہے کہ اجنبی لوگوں کی بہ نسبت رکانہ کے واقعہ طلاق کا علم ان کے اہل بیت اور
اولاد کو زیادہ ہوگا۔ فرماتے ہیں: وحديث نافع بن عجير وعبد الله بن علي
بن يزيد بن ركانة عن ابيه عن جده ان ركانة طلق امرأته البتة فردها
النبي عليه الصلوة والسلام اصح من حديث ابن جريج لانهم ولد الرجل
واهل بيته وهم اعلم به۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۰) اس سے معلوم ہوا کہ رکانہ نے
نے طلاق البتۃ کے الفاظ سے طلاق دی تھی نہ کہ ثلاث یا طلاق کے الفاظ سے اور
چونکہ البتۃ کنائی طلاق کا لفظ ہے اس میں تین کی نیت بھی ہو سکتی ہے، تو خطرہ تھا کہ رکانہ
نے تین کی نیت سے یہ الفاظ کہہ دیے ہوں اور اس تقدیر پر بیوی اس کے نکاح میں
نہیں آسکتی تھی۔ اس لیے اس کی نیت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے حضور اکرم
علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: آللہ ما اردت الا واحدة۔ جب آپ کو رکانہ کے
جواب آللہ ما اردت الا واحدة سے اطمینان حاصل ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
نکاح جدید سے اس کو بیوی واپس کردی۔ چنانچہ فردھا کے معنی بیان کرتے ہوئے محدثین
لکھتے ہیں: قلت معنى قوله فردها اليه يعني بالنكاح لانها مطلقة بتطليقة واحدة
بائنة۔ (فتح القدير) لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رکانہ نے تین طلاق دی تھیں اور انہی
کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک رجعی طلاق قرار دیا یہ غلط محض ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ
دینے کے مترادف ہے۔

(۴) خواہشات نفسانی کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہو یا کسی دوسرے امام
کا اس کا چھوڑنا گناہ عظیم اور خطرۂ سلب ایمان ہے۔ کما صرح به العلامة الطحطاوی
تبعا لمشائخهم لان هذا ترك الدين لاجل هوى النفس وهو مذموم جدا۔

(۵) عائلی قوانین میں جو دفعات نکاح و طلاق کے بارے میں رکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر
دفعات کو ہر مکتب فکر کے علماء نے قرآن و حدیث کے صریح خلاف قرار دیا ہے لہٰذا جو شخص

ایسی دفعات پر مشتمل عائلی قوانین پر زور لا کر چلنے کی تلقین کر رہا ہے وہ لوگوں کو قرآن و حدیث کے خلاف ورزی کی تلقین کر رہا ہے تو کسی طرح بھی ایک عالم دین بلکہ ایک مومن کے شایانِ شان نہیں ہے۔ ایسے قوانین کے مصنفین اور واضعین کے بارے میں قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (سورۃ البقرۃ) آجکل کے قانون سازوں کی حالت ان لوگوں کی حالت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

(۶) طلاق ثلاثہ کو واحد شمار کر لینے سے اگر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تضلیل لازم نہ بھی آتی ہو مگر تخطیہ تو ضرور لازم آتا ہے اور یہ بھی کچھ کم درجہ کا جرم نہیں ہے جن حضرات کی امامت اور پیشوائیت پر امت کا سوادِ اعظم متفق ہو ان کا تخطیہ کرنے والے کو کس منطق کی رو سے حق بجانب تصور کیا جائے گا حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے" اتبعوا السواد الاعظم۔ (الحدیث) نیز ان تمام ائمہ اربعہ کا فیصلہ اجماعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خلیفہ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہے جن کے متعلق ارشاد نبوی" بخاری میں بصراحت آ چکا ہے کہ وہ ملہم او محدث فی ھذہ الامۃ ہیں۔ یہ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جنہوں نے یکجائی طلاق ثلاثہ کو تین ہی شمار کیا ہے اور کسی صحابی یا تابعی نے ان کے اس فیصلہ کی خلاف ... سے نہیں دی ہے۔ تو ان کے اس فیصلہ کی حیثیت تو ایک گونہ اجماع کی ہے جس سے بعد میں آنے والوں کے لیے خلاف کرنے کا کوئی حق معقول سے ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے فیصلوں کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔

لہٰذا ائمہ اربعہ اور امت کے سوادِ اعظم کے اجماعی فیصلہ کے مقابلہ میں ایک یا دو عالم یا امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کی ذاتی رائے اور اجتہاد میں وہ وزن ہرگز نہیں ہو سکتا ہے جو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور امت کے سوادِ اعظم کے متفقہ فیصلہ میں ہے اور فیصلہ بھی وہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جیسے علم اور حدیث خلیفۂ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہو۔ لہ

لہ وقد ذکر ھذہ المسئلۃ العلامۃ ابن الھمام الحنفیؒ: وقد اثبت انہ یقع ثلاثا تطلیقات بلفظ واحد وھو قولہ: وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث۔" وایضاً قال: وقد اثبتنا النقل عن اکثرھم صریحاً بایقاع الثلاث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ھذا قلنا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحد واحدۃ لم ینفذ حکمہ لانہ لا یسوغ الاجتہاد فیہ فھو خلاف لا اختلاف۔" (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص ۳۳۰ کتاب الطلاق)

حضرت ابن ہمامؒ کے مذکورہ بالا قول سے ثابت ہوا کہ ایک لفظ سے تین طلاق کے وقوع پر صحابہ کرامؓ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں اور صحابہ کرامؓ کے اجماع پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔

اور ملک العلماء امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں صرف شیعوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کیا ہے آپ کے ساتھ کسی صحابی نے اس فیصلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوا ہے، وہ فرماتے ہیں: واما حکم طلاق البدعۃ فھو انہ واقع عند عامۃ العلماء وقال بعض الناس انہ لا یقع وھو مذھب الشیعۃ۔ وقال الحکم۔ وروینا عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان لا یؤتی برجل قد طلق امرأتہ ثلاثاً الا اوجعہ ضرباً واجاز ذلک علیہ وکانت قضایاہ بمحضر من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فیکون اجماعاً منھم علی ذلک۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۹۶ کتاب الطلاق)

بہر تقدیر یہ مسئلہ امت اسلامیہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے سلف و خلف جن میں جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین بھی ہیں ان تمام کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایک لفظ "طلاق ثلاثۃ" سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اب اگر کوئی اس اجماع سے ایک دو یا کچھ زیادہ افراد کا خلاف اس اجماع پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ قاضی شوکانیؒ نے یہی فرمایا ہے کہ داؤد ظاہریؒ کی مخالفت سے اس مسئلہ میں اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (دیکھئے شرح بلوغ المرام ص ...)

اور علامہ احمد بن محمد القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طلاقوں کو ایک سمجھنے والوں کے مذہب کے متعلق فرمایا ہے " بانہ مذھب شاذ فلا یعمل بہ اذ ھو منکر۔"

(ارشاد الساری ج ۸ ص ۱۵۱ طبع فی المصر)

طلاق دیتے وقت منہ بند کرنے کا حکم

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ایک دو تین ان الفاظ کے کہنے کے بعد فوراً کسی دوسرے شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر منہ بند کر دیا اس کے بعد اس نے کسی چیز پر تلفظ نہیں کیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی کیونکہ اس نے طلاق پر تلفظ نہیں کیا نہ صریح پر اور نہ کنائی پر بلکہ اس نے صرف عدد پر تلفظ کیا ہے اور صرف عدد نہ صریح طلاق ہے اور نہ کنائی، طلاق میں عدد کا وہاں اعتبار ہوگا جب طلاق کے بعد متصلاً ذکر کیا جائے۔

قال العلامة قاضی خانؒ: قالت المرأة لزوجها طلقنی فقال الزوج ان شئت الث مرة لا یقع شئی.. (الخانیة ج ۲ ص ۲ کتاب الطلاق) [1]

تم میرے گھر سے نکل جاؤ" کے الفاظ کے طلاق پر اثرات

سوال :- اگر خاوند بیوی کو لڑائی جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ اور یہ الفاظ وہ بار بار دہرائے تو اس سے بیوی پر کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب :- یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں اس سے نیت یا دلالت حال کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی، تاہم جھگڑے کے وقت چونکہ دلالت حال موجود ہے اس لیے بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگی جو تجدید نکاح سے ختم ہو جائے گی۔

قال التمرتاشیؒ، فنحو اخرجی واذہبی وقومی...ففی حالة الرضا تتوقف الاقسام علی نیته...الخ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۴ باب الکنایات) [2]

ماں باپ کے پاس چلی جاؤ" کہنے سے نکاح پر اثرات کا حکم

سوال :- خاوند نے بیوی سے جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ "جاؤ ماں باپ کے پاس چلی جاؤ" کیا اس سے نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

---

[1] الجواب :- جب تک شوہر الفاظ طلاق نہ کہے ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہوگی۔ (امداد المفتین ج ۲ ص ۶۲ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامة قاضی خانؒ، قوله اخرجی اذهبی...لا یقع الطلاق الا بالنیة وان کان فی حال مذاکرة الطلاق کان مصدقا...الخ (الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۴۶۸ فصل فی الکنایات والمدلولات) — ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات

الجواب: مذکورہ الفاظ کو عربی میں "الحقی باھلک" سے تعبیر کی جاتی ہے، فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں یہ طلاق کنائی ہے جس پر تلفظ کرتے وقت نیت کرنے سے طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

قال العلامة قاضی خانؒ: وعن ابی یوسف رحمه الله تعالی فی الاملاء زاد ثلاثة الحقی باھلک الخمسة اربعة اخری لا املك لك علیك لا سبیل لی علیك خلیت سبیلك الحقی باھلك الخ
(الفتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۴۶۶ فصل فی الکنایات والمدلولات)[1]

"میری بیوی نہیں" کہنے سے طلاق نہیں ہوگی

سوال: ایک شخص نے حاکم کے سامنے یہ کہا کہ "میری بیوی نہیں ہے" حالانکہ اس کے گھر میں اس کی بیوی ہے، کیا ان الفاظ سے اس شخص کا نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: چونکہ یہ الفاظ طلاق کے نہیں اس لیے ان سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولو سئل الك امرأة فقال لا لا تطلق اتفاقا وان نوی۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۱ باب الصریح)[2]

بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا قصد کیا لیکن اب تک زبانی کچھ نہیں کہا ہے لیکن اس نے ارادہ کے بعد یہ کہا کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرے، کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة صدر الشریعةؒ: وکنایته ما لم یوضع له واحتمله وغیره فلا تطلق الا بنیته او دلالة الحال وفیه. الحقی باھلك تقع واحدة بائنة ان نواها۔ ملخصاً۔
(شرح الوقایة ج۲ ص۸۶ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)
ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص[illegible] باب الکنایات۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وقوله لا عند سؤاله بقوله الك امرأة وقوله لا حاجة لی فیك کما فی البدائع ففی هذه الالفاظ لا یقع وان نوی۔
(البحر الرائق ج۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)
ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۴۰۳ باب ایقاع الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول۔

الجواب: بیوی سے یہ کہنا کہ "تو مجھ سے آزاد ہے" ان الفاظ کو عربی زبان میں "سرحتک" سے تعبیر کی جاتی ہے جو عرف میں طلاق رجعی میں استعمال ہوتے ہیں اس لیے ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: فاذا قال سرحتک یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة ایضاً. (رد المحتار ج۲ ص۵۰۳ باب الکنایات)[1]

"تو مجھ سے جدا ہے" کا حکم

سوال: ایک شخص نے غصہ کی حالت میں بیوی سے یہ کہا کہ "تو مجھ سے جدا ہے جیسا کہ یہ چیز میرے ہاتھ میں ہے" اور اس چیز کو ہاتھ سے پھینک دے، اس سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: "تو مجھ سے جدا ہے" کے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال ہوتے ہیں اس لیے ان سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

وفی الهندیة: ولو قال لها انت بائن ثم قال لها انت بائن لا یقع الا طلقة واحدة بائنة لانه یمکن جعله خبراً عن الاول وهو صادق فیه فلا حاجة الی جعله انشاء، وفیه: واحتج ابو یوسف بخلیة وبریة، خلیت سبیلک فارقتک۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

"تو مجھ پر حرام ہے" کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں تین دفعہ یہ کہا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: منکوحہ کو یہ کہنا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" طلاق کنائی ہے جس سے طلاق کا وقوع

---

[1] وفی الهندیة: ولو قال الرجل لامرأته تراچنگ باز داشتم او بہشتم او یلہ کردم ترا... فهذا کله تفسیر قوله طلقتک عرفاً حتی یکون رجعیاً ویقع بدون النیة۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۹۹ الفصل الثانی فی الکنایات جنس آخر فی الفارسی۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: حتی ان الرجل لو قال لامرأته انت بائن ولم ینو شیئاً یقع الطلاق ولا ینوی۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۳۰۳ کتاب الطلاق، باب الکنایات نوع منه فی قوله انت حرام علی)

نیت پر موقوف ہے اس لیے اگر خاوند نے تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین طلاق واقع ہوں گی اور اگر تین کی نیت نہ ہو صرف یہ ارادہ ہو کہ اس بیوی کو ایک طلاق دیتا ہوں تو پھر طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر متعدد بار یہ لفظ استعمال کئے جائیں اور ان سے طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہو کر دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ اس کا ذکر لغو ہے گا کیونکہ عورت ایک دفعہ طلاق بائن سے جدا ہو جاتی ہے دوسری یا تیسری دفعہ کے الفاظ کے لیے کوئی محل باقی نہیں رہتا بہر حال اس میں نیت یا مذاکرہ طلاق کے بغیر طلاق کا وقوع ممکن نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: لأن البائن لا يلحق البائن. وايضا قال: قلت لكن عبارة البزازية لو قال لامرأته انت علی حرام ونوى الثلاث في احدها والواحدة في الاخرى صحت نيته عند الامام وعليه الفتوى. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۸۲ باب الكنايات)

"میں نے اسے چھوڑ دیا ہے" کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق یہ کہا کہ "میں نے اُسے چھوڑ دیا ہے" ان الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ اپنی بیوی کے متعلق یوں کہنا کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے" یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں نیت کی موجودگی میں ان سے طلاق بائن واقع ہوگی لیکن ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرف کے حوالے سے طلاق رجعی میں شمار کیا ہے جس سے نیت کے بغیر بھی طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

قال ابن عابدينؒ: فاذا قال سرحتك يقع به الرجعي مع ان اصله كناية. ايضا الخ

(رد المحتار ج۲ ص۴۹۹ باب الكنايات)[1]

---

[1] قال العلامة ابو الليث السمرقنديؒ: وفي الفتاوى لو قال لامرأته انت حرة من عملي ولم يرد طلاقا ولكن لم ينو طلاقا لا يقع الطلاق. (تكملة البحر الرائق على هامش البحر الرائق ج۳ ص۳۲۹ باب الكنايات في الطلاق)

ومثله في البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۱۸۱ الفصل الثاني في الكنايات وغيرها من الاقوال.

[2] وفي الهندية: ولو قال الرجل لامرأته تو ليتك بازداشتم او بهشتم او يله كردم ترا فهذا كله تفسير قوله طلقتك عرفا حتى يكون رجعيا ويكون بدون النية.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۷۹ الفصل السابع في الطلاق بالالفاظ الفارسية)

ومثله في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۴۶۹ فصل في الكنايات وغيرها من الالفاظ.

وہ مجھے نہیں چاہیئے، کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال کر بعد میں یہ کہا کہ وہ مجھے نہیں چاہیئے، کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے جائیں۔

لما فی الہندیۃ: ولو قال لا حاجۃ لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات) لـه

تم چاروں طرف جا سکتی ہو، سے طلاق کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا "تیرے لیے چاروں راستے کھلے ہیں جس طرف چاہو جا سکتی ہو" شریعت مقدسہ میں ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں نیت کے ہوتے ہوئے اس سے طلاق واقع ہوگی اور بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الہندیۃ: رجل قال لامرأتہ اربعۃ طرق علیک مفتوحۃ لا یقع بھذا شیء وان نوی الا اذا قال خذی ای طریق شئت وقال نویت الطلاق۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۳۷۶ الفصل الخامس فی الکنایات) لـه

لـه وقال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: ولو قال لا حاجۃ لی فیک لا یقع الطلاق وان نوی لان عدم الحاجۃ لا یدل علی عدم الزوجیۃ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۱۰۱، فصل واما الکنایات واما القسم الثالث)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص۳۲۳ باب الکنایات فی الطلاق۔

لـه وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ولا یقع باربعۃ طرق علیک مفتوحۃ وان نوی ما لم یقل خذی ای طریق شئت۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص۱۵، باب الکنایات)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص۳۲۳ باب الکنایات فی الطلاق۔

اس کتیا کی بچی کو طلاق

سوال: اگر کوئی شخص گھریلو تنازعہ میں اپنی بیوی کو یوں الفاظ کہے کہ اس خنزیر کی بچی کو طلاق، اس کتیا کی بچی کو طلاق، اس کتیا کو طلاق، اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کرتا ہو، اس طریقے سے کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب: طلاق میں بیوی کو متعین کرنے کے لیے نفس اشارہ کافی ہے باقی اس کے بعد ذکر شدہ صفات کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور عورت بغیر حلالہ شرعی کے شوہر کے لیے حلال نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: قال لامرأته هذه الکلبة طالق طلقت. قال ابن عابدینؒ: لا تعتبر الصفة والتسمیة مع الاشارة. (رد المحتار ج۲ ص۴۹۳ فی آخر باب طلاق غیر المدخول بها)[1]

بلا قصد و ارادہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی شخص بلا قصد و ارادہ یوں کہے کہ میری بیوی کو طلاق، طلاق، طلاق ہو، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے الفاظ صریح ہیں جسے نفاذ میں ارادہ اور قصد کی کوئی ضرورت نہیں بلا ارادہ بھی واقع ہو جاتی ہے اگرچہ اس شخص کی نیت طلاق کی نہ رہی ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاق قضاءً واقع ہو چکی ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً او مکرهاً او هازلاً ...... او مخطئاً بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق. (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۶ کتاب الطلاق قبیل مطلب فی طلاق المدهوش)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: قال لامرأته هذه الکلبة طالق طلقت. قال السید احمد الطحطاویؒ تحت قوله هذه لانه لو [illegible] ولم یقل منه الی عهد الاشارة فلا تطلق لان الکلبة غیر محل للطلاق. (طحطاوی حاشیة الدر المختار ج۲ ص۱۳۳ باب طلاق غیر المدخول بها)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید الانصاریؒ: وطلاق اللاعب والهازل وطلاق الرجل الذی اراد ان یتکلم فجری علی لسانه بالطلاق واقع. الخ
(خلاصة الفتاوی ج۲ ص۸۵ کتاب الطلاق)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه۔

طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاق ثلاثہ واقع ہونے کا حکم

سوال: جناب محترم مفتی صاحب! میرا سوال یہ ہے کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ کلثوم جان دختر سراج احمد ساکن آلہ ای تحصیل و ضلع سری پور کو مورخہ ۱۴/۳/۱۹۸۷ء کو اس وقت تحریری طلاق روانہ کی جب وہ اپنی ایک عزیزہ کی فوتیدگی پر تعزیت کے لیے کراچی گئی ہوئی تھی۔ معمولی سی بات پر میں نے وہ قدم اٹھایا جس کے متعلق کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنی تحریر میں یہ الفاظ تحریر کیے کہ "میں کلثوم جان دختر سراج احمد کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں" اور ساتھ ہی میں نے حق مہر کا چیک بھی بذریعہ رجسٹری مسماۃ مذکورہ کو ارسال کر دیا۔

جناب محترم! بعد ازاں مجھے اس بات کا بے حد افسوس اور صدمہ ہوا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ اس دن سے آج تک سخت پریشان ہوں۔ جس وقت میں طلاق نامہ لکھ رہا تھا اس وقت میں کمرے میں بالکل تنہا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے مندرجہ بالا الفاظ کیوں اور کیسے تحریر کیے اور میرا قلم رک کیوں نہیں گیا۔

جناب محترم! میں سمجھتا ہوں کہ طلاق دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے لیکن سمجھنے کے باوجود نہ جانے ایسے کیسے ہوگیا؟ میں صدق دل سے اس فعل کی معافی خدا تعالیٰ سے مانگ رہا ہوں اور مغفرت کی امید ہے، خدا تعالیٰ ضرور معاف فرمائیں گے۔

جناب محترم! میں نے علاقہ میں اپنے علاقہ کے علماء دین سے رابطہ کیا کہ شاید اس مسئلہ کا کوئی مثبت حل قرآن و سنت اور احادیث نبوی کی روشنی میں بلا حلالہ و تجدید نکاح ہو سکے۔ علماء کرام نے میرے اس مسئلہ کا مثبت حل نکالا جس سے مجھے تسلی ہوئی۔ لیکن پھر بھی میں آپ جیسے عظیم مفکر اور عالم دین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ مزید تسلی کے لیے آپ قرآن و سنت اور احادیث نبوی کی روشنی میں جواب سے جس قدر جلد ہو سکے نواز دیں۔ شکریہ
علاقہ کے علماء کرام کے جواب اور تصدیق و تائید کی فوٹو کاپی بھی ارسال خدمت ہے۔

الجواب: صورت مذکورہ میں از روئے قرآن و حدیث و اجماع امت تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں، اگرچہ ایک ہی مجلس میں تینوں طلاقیں دینا خلاف سنت اور گناہ ہے لیکن جب دے دیں تو تینوں طلاق کے واقع ہونے میں تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک کوئی شبہ نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور تمام امت محمدیہ کا بھی مذہب ہے۔ اب بجز حلالہ شرعی کے کوئی چارہ کار نہیں۔ ارشاد قرآنی ہے: فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (الآیۃ)

وقال الامام النووی فی شرح مسلم : وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالک وابوحنیفۃ واحمد وجماہیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث واحتج الجمہور بقولہ تعالیٰ : وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ (الآیۃ) لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا قالوا معناہ ان المطلق قد یحدث لہ ندم فلا یمکنہ تدارکہ لوقوع البینونۃ فلو کانت الثلاث لم یقع لم یقع طلاقہ ھذا الا رجعیا فلا یندم ۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۷ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث)

قال الشامی : وذھب جمہور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع الثلاث ۔ قال فی الفتح بعد سوق الاحادیث الدالۃ علیہ وھذا یعارض ما تقدم واما امضاء عمر الثلث علیہم مع عدم مخالفۃ الصحابۃ لہ وعلمہ بانہا کانت واحدۃ فلا یمکن الا وقد ثبت النقل عن اکثرھم صریحا بایقاع الثلث ولم یظہر لہم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ھذا قلنا لو حکم حاکم بانہا واحدۃ لم ینفذ حکمہ الخ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۹ کتاب الطلاق)

قرآن و حدیث اور فقہاء کرام کی عبارتوں کی رُو سے آپ کی منکوحہ مطلقہ ثلاثہ بغیر حلالہ آپ کے لیے حلال نہیں ہے۔ جن لوگوں نے بحکم صحبت رجعت کا عدت میں کہا یا وہ عدم وقوع طلاق کے قائل ہوئے وہ مخالف ہیں حکم خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

حلالہ کی صورت یہ ہے کہ آپ کی مطلقہ بعد گزارنے عدت تین حیض کے کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ شخص اس سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے اور وہ اس کی عدت گزار کر خاوند اوّل کے نکاح میں آسکتی ہے۔ اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند طلاق نہ دے گا تو اس کا ایک حیلہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اس شرط پر اس سے نکاح کرے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اس کو اختیار ہو، پس جب وہ خاوند ایک مرتبہ اس سے جماع کر چکے تو یہ عورت اپنے اوپر از خود طلاق واقع کر سکتی ہے اور بعد گزارنے عدت کے خاوند اول کے نکاح میں آسکتی ہے۔

اگر بالفرض حلالہ ساقط کرنے کے لیے آپ غیر مقلد بن جائیں تو بھی حلالہ ساقط نہیں ہو سکتا

کئی دفعہ یہ کہنا کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے طلاق مغلظہ کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب!

میں بہت آس اُمید سے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں امید ہے آپ ضرور میری راہنمائی کریں گے
میری شادی کو ۲۵ سال ہو چکے ہیں، دو بیٹے ہیں جن کی عمریں بالترتیب چودہ اور تیرہ سال ہیں۔
میں یہاں ابوظہبی میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوں، میرا مسئلہ کچھ اس طرح سے ہے کہ:

(۱) شادی کے شروع کے سالوں میں میرے شوہر نے مجھ پر پابندی لگائی کہ "اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کئے تو میری طرف سے تمہیں طلاق ہے" لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے کیونکہ مجھے یہ بال پسند نہیں تھے۔

(۲) ۱۹۹۲ء میں میرے شوہر نے یہاں ایک فلپائنی عورت سے تعلق قائم کرلیا اور اس کی اکثر راتیں اس عورت کے ساتھ گزرنے لگیں، مجھے جب پتہ چلا تو میں نے اس بات پر ان سے جھگڑا کیا، بہت زیادہ لڑائی ہوئی تو انہوں نے مجھے متعدد بار کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

(۳) ۱۹۹۴ء میں میرے شوہر کی یہاں سے نوکری ختم ہوگئی تو انہوں نے اس فلپائنی عورت کو اپنے ساتھ ہی فلیٹ میں بلالیا اور اس کے ساتھ رہنے لگے، میں اور میرے بچے دوسرے کمرے میں ہوتے تھے اور وہ فلپائنی عورت جس کا نام میری وک (MERRY VICK) کیونکہ وہ کرسچن تھی وہ لوگ بیڈروم میں ہوتے تھے، ہر عورت کی طرح یہ بات میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی، اگرچہ ہمارے درمیان جسمانی تعلقات ختم ہوچکے تھے پھر بھی ذہن میں یہ بات تھی کہ رشتے کی ایک ڈور تو باقی ہے۔ ایک دن اسی عورت کی وجہ سے ہمارے درمیان پھر لڑائی ہوئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپ نے اس عورت کو بغیر نکاح کے رکھا ہوا ہے جو کہ بہت بڑا گناہ ہے، تو انہوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں مرد ہوں جو چاہوں کروں، تم کون ہوتی ہو مجھے منع کرنے یا روکنے والی؟ میں نے جواب دیا کہ آخر میں تمہاری بیوی ہوں میرا تم سے رشتہ ہے، اس نے کہا کہ اگر تم اس رشتے پر اکڑتی ہو تو جاؤ میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کئی لوگوں سے کہا کہ چونکہ میری بیوی میرے ذاتی معاملات میں دخل دیتی ہے، اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، وہ میرے ساتھ لڑائی کرتی ہے وغیرہ۔

(۴) اس لڑائی کے کچھ دنوں بعد میرا بیٹا بیمار ہوگیا تو میں نے اسے کہا کہ بچہ بیمار ہے اسے ہسپتال لے کر جانا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں، میری طرف سے تم

تم آزاد ہو جو چاہے کرو مجھے بچے کی پرواہ نہیں ہے۔ میں نہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بچے میرے نہیں تیرے ہیں۔

جناب مفتی صاحب! ۱۹۹۳ء سے آزمین کی کو ویزہ یہاں سے ختم ہو گیا اور وہ واپس پاکستان چلا گیا کیونکہ اس وقت تک نیا تو عورت تیری ورک سے بھی اس کا دل بھر چکا تھا۔ یہاں سے جانے کے بعد اس نے ہم لوگوں سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھا لیکن کہیں نہ کہیں سے خبر ملتی رہی کہ وہ پاکستان جا کر کسی دوسری عورت کی زلفوں کا اسیر ہو گیا ہے اور شادی کرنا ہے مجبوراً ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

اب تقریباً چھ سال کے بعد وہ لوٹ آیا ہے کیونکہ اسے کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔ اب وہ یہاں کر مجھے کہتا ہے کہ میں بچوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ہمارا رشتہ ختم نہیں ہوا تم میرے بچوں کی ماں ہو۔ مجھے پاکستان میں ایک مولوی نے کہا ہے کہ تم اپنی بیوی سے تجدید نکاح کر سکتے ہو۔ اس لیے اب تم میرے ساتھ ان بچوں کی خاطر ہو کر رہو۔ میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا وغیرہ وغیرہ۔

جناب مفتی صاحب! میں جانتی ہوں کہ یہ زندگی عارضی ہے اور میں اب کوئی غلط کام کر کے اپنی آخرت خراب کرنا نہیں چاہتی۔ اس لیے آپ سے رجوع کر رہی ہوں کہ اس مسئلے میں میری راہنمائی فرمائیں کہ شریعت مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ براہ مہربانی اپنا فیصلہ ایک الگ صفحے پر تحریر کریں تاکہ میں اس کے وکیل کو دکھا سکوں۔ شکریہ! آپ کو اس کی جزائے خیر دے گا۔ میں جواب کی شدت سے منتظر رہوں گی۔ پریشان حال: مسز تمنا زوجہ [illegible]

الجواب: بیت اسلام میں حلال اور جائز اشیاء میں سے مبغوض ترین شے طلاق ہے کہ اس سے وہ عظیم رشتہ جو میاں بیوی کے مابین ہوتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں حقیقت و مذاق دونوں برابر ہیں بلکہ اگر شوہر کی زبان سے ان الفاظ کا تلفظ ہو جاتا ہے تو عورت مطلقہ ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ الفاظ صریح یا لفظ طلاق بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لیے شوہر کو ان الفاظ کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے۔

صورت مسئولہ کے مطالعہ اور غور سے دیکھنے کے بعد دو قسم کی طلاق کا ثبوت ملتا ہے (۱) طلاق معلق کا جو کہ شادی کے شروع سالوں میں ...... کہ اگر تم نے اپنی آخری زبان سے بات صاف کہے تو تمہیں طلاق ہے۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسی طلاق کا حکم یہ ہے کہ

جس شرط کے ساتھ اس طلاق کو معلق کیا گیا ہو اس کے پورا ہونے کے بعد بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہاں یہ شرط پوری ہو چکی ہے جس پر آپ کے یہ الفاظ "بلکہ اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کیے" دلالت کرتے ہیں لہٰذا آپ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے۔

(۲) دوسری طلاق مؤجزہ: ایک طلاق مؤجزہ تو رقم ۱ کے ان الفاظ "کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے معلوم ہوتی ہے اور دوسری رقم ۳ ۲۰۰۱ء کے الفاظ "میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے معلوم ہوتا۔ اس دوسری قسم کی دو طلاق بھی صریح ہیں اس لیے واقع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اگر بصورت مسئولہ کے مطابق تمام واقعات درست ہوں اور شوہر نے وہ الفاظ بعینہ اسی طرح کہے ہوں جو آپ کے خط میں تفصیلاً مذکور ہیں تو بنا بریں آپ کا خاوند بیوی کا رشتہ طلاق مغلظہ کے ساتھ ختم ہو چکا ہے اب آپ اس کی بیوی نہیں۔ میں اگرچہ بچوں کی ماں ضرور ہیں لیکن ایک بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ اکٹھے رہنا بغیر حلالۂ شرعی کے ناجائز و حرام ہے۔ اور اگر کسی مولوی صاحب نے آپ کے شوہر کو بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کا کہا ہو تو یہ شرعاً غلط ہے اس کے قول پر عمل کرنا آپ کے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

لقولہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا ...... فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (البقرۃ آیت ۲۳۰) [1]

تمہاری بیوی پر طلاق ہو کے جواب میں "ہاں" کہنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! کسی دوست کے ساتھ کسی موضوع پر میری بات چیت ہو رہی تھی اس نے باتوں کے درمیان مجھ سے کسی بات کے متعلق پوچھا اور کہا کہ آپ پر آپ کی بیوی تین طلاق پر طلاق ہو کہ جھوٹ نہ بولو گے۔ جواب میں میں نے صرف ہاں کہا، اور پھر میں نے وہ جھوٹ بات کہہ دی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح میری بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟ تفصیل سے لکھے جائیں تاکہ

---

[1] الفتاوى الهندية: من قال لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق يتعلق الطلاق بالدخول۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۲ كتاب الطلاق)

میرے واسطے ڈگری و شرعی مسئلہ بتائیے ؟

الجواب: عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے جب اپنے دوست کے خط کشیدہ الفاظ کہنے پر "ہاں" کہا تو سائل ہی حالف بن گیا یعنی اس نے اپنی بیوی پر تین طلاق واقع ہونے کو جھوٹ کہنے سے مشروط کر دیا اور جب اس نے گفتگو میں جھوٹی بات کہی تو اس کی بیوی پر شرط موجود ہونے کی وجہ سے تین طلاق واقع ہو کر مطلقہ مغلظہ ہو چکی ہے اور اب وہ حلالہ شرعی کے بغیر اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

درمختار میں ہے: ولو قال علیک عهد الله ان فعلت کذا فقال نعم فالحالف المجیب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار جلد ۳ ص ۵۲ کتاب الطلاق)

وفی الشامیة: وقال محمد بن علی ... ان نوی الیمین حالفة ونعم او الاستدامة اخلفه الی المخاطب فلا یمکن ان یکون الحالف غیره۔ (جلد ۳ ص ۵۲)

وفی الدر المختار: قیل له ان کنت فعلت کذا فامرأتک طالق فقال نعم وقد کان فعل طلقت۔ وفی الاشباه القاعدة الحادیة عشر السؤال معاد فی الجواب قال امرأة زید طالق او عبده حر او علیه المشی الی بیت الله ان فعل کذا فقال زید نعم کان حالفا الخ

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۵ کتاب الطلاق)

باب تعلیق وتفویض الطلاق

(طلاق معلق ومفوض کے مسائل واحکام)

طلاق کو کسی کام سے معلق کرنا

سوال:- اگر کسی شخص نے اس طرح قسم کھائی کہ اگر میں گھر جانے سے پہلے مکہ مکرمہ نہ جاؤں تو مجھ پر بیوی طلاق ہے، پھر وہ شخص مکہ مکرمہ جانے سے پہلے ہی گھر چلا گیا، تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں گھر کو مکہ مکرمہ جانے پر موقوف کرکے قسم اٹھائی گئی ہے لہٰذا جب یہ شخص مکہ جانے سے پہلے گھر چلا جائے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگی، چونکہ مکہ مکرمہ جانا امر ممکن ہے اس لیے مانع وسائل کے فقدان کی وجہ سے حنث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندیة: وان اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا۔ (الفتاوى الهندیة ج ۱ ص ۴۲۰ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیرها)[1]

کسی کو قتل کرنے پر طلاق معلق کرنا

سوال:- ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ اگر میں نے تم کو قتل نہ کیا تو میری بیوی پر طلاق ہوگی، بعد میں اس شخص نے قتل سے اجتناب کیا ہے، اندریں صورت اس کی بیوی پر طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- طلاق کو عدم قتل سے معلق کرنا ممکن الوقوع ہے اس لیے یہ قسم اپنی جگہ میں منعقد ہے تاہم اس شخص پر فی الفور حنث لازم نہیں جس سے اس شخص پر بیوی طلاق ہو، البتہ اگر متعلقہ شخص اپنی موت مر جائے یا قسم کھانے والا اس کو قتل کرنے کے بغیر مر جائے تو ایسی حالت میں اس کی بیوی اس پر طلاق ہوگی، بظاہر الفاظ قسم میں طلاق کی تعداد کا ذکر نہیں اس لیے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: لو حلف لیفعلنه بر بمرة۔ وقال العلامة ابن عابدین تحت هذا القول: وان لم یفعل لا یحکم بوقوع الحنث حتی یقع الیأس

---

[1] وقال العلامة برهان الدین المرغینانی: وان اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط۔
(الهدایة ج ۲ ص ۳۸۵ باب الایمان فی الطلاق)
ومثله فی بدائع الصنائع ج ۳ ص [illegible] کتاب الایمان۔

عن الفعل وذلك بموت الحالف او بفوت محل الفعل۔ (ردالمحتار ج ۳ ص۱۴۳
باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك مطلب)

جان بچانے کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:- ایک شخص نے جان کی خلاصی کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم اٹھائی اور یوں کہا کہ طلاق پر قسم ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں، جبکہ حقیقت میں وہ سچا نہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- ایسے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال نہیں ہوتے اس لیے ان سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ ان الفاظ سے قسم منعقد ہوتی ہے۔

لما في الهندية: وفي الفتاوى لو قال سوگند خورم بطلاق ليس بشيء لانه اذا لم يقل رفوه يعينا بالطلاق۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۵۹ الباب الثاني فيما يكون يمينا وما لا يكون يمينا۔
الفصل الاول في تحليف الظلمة وفيما ينوي الحالف غير ما ينوي المستحلف مطلب)

نکاح سے قبل طلاق معلق کرنے کا حکم

سوال:- کسی لڑکے کے لیے اس کے والدین نے ایک گھر میں رشتہ کرنا چاہا لیکن لڑکی والوں کے ناجائز مطالبات کی وجہ سے لڑکے نے کہا کہ اگر اس نے اس لڑکی سے نکاح کیا تو یہ مجھ پر طلاق ہوگی۔ تو کیا نکاح ہونے کے بعد یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا اس پر طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں چونکہ طلاق کو نکاح سے معلق کیا گیا ہے اس لیے نکاح ہوجانے کے بعد لڑکی پر طلاق واقع ہوگی لیکن قسم میں طلاق کا چونکہ ایک دفعہ ذکر ہے اس لیے دوبارہ نکاح کرنے کے بعد لڑکی اس کے نکاح میں آسکتی ہے، تاہم اگر ایجاب وقبول دوبارہ ہو تو۔

---

[1] قال العلامة المرغيناني: ومن حلف ليفعلن كذا ففعله مرة واحدة بر في يمينه لان الملتزم فعل واحد غير عين اذ المقام مقام الاثبات فيبر بأي فعل فعله وانما يحنث بوقوع اليأس عنه وذلك بموته او بفوت محل الفعل۔ (الهداية ج ۲ ص ۴۹۱ باب اليمين في تقاضي الدراهم)

ومثله في الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۲۹ الباب الحادي عشر في اليمين في الضرب۔

[2] قال العلامة قاضي خان: ولو قال سوگند خورم بطلاق كه اين كار نكنم لا يكون يميناً۔
(فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ۲ ص ۵ فصل في الفاظ اليمين بالفارسية)

ومثله في الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۲۴۲ كتاب الايمان، نوع اشكل فيما يكون يمينا)

پہلی بار ایجاب سے نکاح ہوکر طلاق واقع ہوگی دوسری یا تیسری بار ایجاب و قبول سے دوبارہ نکاح منعقد ہوگا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وشرطه الملك ... او الاضافة اليه كان نكحتك فانت طالق۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۳ باب التعليق) ۱ه

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

سوال: ایک شخص نے کسی کام کے کرنے سے تین طلاق معلق کی ہیں ابھی تک تو حنث کا موقع نہیں آیا لیکن ہے کسی وقت حنث واقع ہو کر عورت مطلقہ مغلظہ بن جائے، ایسی حالت میں اس خطرہ سے بچنے کیلئے اس شخص کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب: طلاق معلق کی صورت میں شرط کی موجودگی میں طلاق کا واقع ہونا ایک ضروری امر ہے تاہم اس سے بچنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے کہ یہ شخص بیوی کو طلاق بائن دے کر رہا ہونے دے اور عدت گزرنے کے بعد جب عورت اس کے نکاح سے نکل جائے تو آزادی کی حالت میں یہ شخص وہ کام کرے جس سے طلاق معلق کی ہے، چونکہ اس وقت عورت اس کی ملک میں نہ ہونے کی وجہ سے طلاق غیر مؤثر رہے گی، اور ایک دفعہ حانث ہونے سے یمین پورا ہوکر دوبارہ کرنے سے حنث لازم نہیں آتا، اس لیے جب دوبارہ نکاح کرے تو بھی متعلقہ کام کرنے سے حنث لازم نہیں آئے گا۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: لو حلف لا تخرج امرأته الا باذنه فخرجت بعد الطلاق وانقضاء العدة لم تطلق وبطلت اليمين بالبينونة حتى لو تزوجها ثانيا ثم خرجت بلا اذنه لم يحنث (رد المحتار ج۲ ص۴۳۵ باب التعليق مطلب بنفسه ...) ۲ه

۱ه قال العلامة المرغينانيؒ: واذا اضاف الطلاق الى النكاح وقع عقيب النكاح مثل ان يقول لامرأة ان تزوجتك فانت طالق او كل امرأة اتزوجها فهي طالق۔
(الهداية ج۲ ص۳۸۵ باب الايمان في الطلاق)

ومثله في الهندية ج۱ ص۴۲۰ فصل ثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرها۔

۲ه قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وحيلة من علق الثلاث بدخول الدار ان يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۳۵ باب التعليق۔ مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط)

ومثله في الهندية ج۱ ص۴۲۱ الباب الرابع في الطلاق بالشرط۔ الفصل الاول في الفاظ الشرط۔

میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی

سوال :- ایک شخص نے بیوی سے کہا اگر میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی، اب وہ خود تو گھر نہیں گیا لیکن کسی دوسرے شخص نے اسے اٹھا کر جبراً گھر میں داخل کر دیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- شخص مذکور کی مرضی کے بغیر اسے اٹھا کر جبراً گھر میں لانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الہندیۃ: فلان فحمله انسان فادخله بغیر امرہ لم یحنث سواء کان راضیا بذلک بقلبه او ساخطا وسواء کان قادراً علی الامتناع او لم یکن۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۲ ص ۶۵ الباب الثالث فی الیمین علی الدخول والسکنی)[1]

کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کیلئے طلاق پر قسم کھانا

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کے لیے کہا کہ اگر تو اس وقت فلاں کے گھر گئی تو تجھ پر طلاق ہے، اب اگر اس کی بیوی اسی وقت یا اس کے بعد اس گھر گئی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئولہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوج کا قول اسی مجلس سے خاص ہے اگر بیوی اس مجلس سے اٹھ کر فلاں کے گھر چلی گئی تو طلاق ہے اور اگر اس مجلس کے بعد اس گھر گئی تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال المرغینانی: ولو ارادت المرأة الخروج فقال ان خرجت فانت طالق فجلست ثم خرجت لم یحنث وکذلک اذا اراد ضرب عبده فقال له آخر ان ضربته فعبدی حر فترکه ثم ضربه وهذه تسمی یمین فور تفرد ابو حنیفة باظهاره الخ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۴۸۴ باب الیمین فی الخروج والاتیان والرکوب وغیر ذلک)[2]

[1] وقال قاضیخان: ولو حلف ان لا یدخل ... وان احتمله انسان وادخله فیها بغیر امره ان کان لا یقدر علی الامتناع لا یحنث فی قولهم وان کان یقدر ولم یمتنع وهو راض بقلبه اختلفوا فیه والصحیح انه لا یحنث۔ (فتاوی قاضیخان ج ۱ ص ۳۱۸ فصل فی الدخول کتاب الایمان) ___ ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۴۵ الفصل الثانی عشر فی الیمین فی الدخول۔

[2] وقال ابن نجیم: امرأة تهیأت للخروج فحلف لا تخرج فجلست ساعة ثم خرجت لا یحنث لان قصده ان یمنعها من الخروج الذی تهیأت له فکأنه قال ان خرجت الساعة وهذه من افراد یمین الفور ... (البحر الرائق ج ۴ ص ۳۲۱ باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والاتیان وغیرها) ___ ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۴۶ کتاب الایمان الفصل الثانی عشر فی الیمین فی الدخول۔

طلاق کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر ساتھ ہی متصلاً یہ کہے "ان شاء اللہ تعالیٰ" کیا اس طرح یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جب طلاق دینے کے بعد متصل ان شاء اللہ تعالیٰ کہا جائے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: واذا قال الرجل لامرأتہ انت طالق ان شاء اللہ متصلاً لم یقع الطلاق۔ (الھدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج۳ صفحہ ۱۴۱ کتاب الایمان فی الطلاق) [1]

اگر فلاں کام کیا تو طلاق ہوں گا

سوال: کسی شخص نے قسم اٹھاتے ہوئے یوں کہا "اگر اس نے فلاں کام کیا تو طلاق ہوں گا" کیا اس کام کے کرنے پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق عرف میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے بیوی کو طلاق دی ہو اس لیے مذکورہ الفاظ کہنے کے بارے میں مستقل جزئیہ نہیں ملا لیکن عام قواعد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وقد تعورف فی عرفنا فی الحلف الطلاق یلزمنی لا افعل کذا یرید ان فعلتہ لزم الطلاق ووقع فیجب ان یجری علیھم لانہ صار بمنزلۃ قولہ ان فعلت فانت طالق، وکذا تعارف اھل الارياف الحلف بقولہ علی الطلاق لا افعل۔ الخ

(ردّ المحتار علیٰ الدر المختار ج۲ صفحہ ۴۹۹ باب الصریح) [2]

طلاق کے لیے کسی اور کو حق دینا

سوال: ... اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو اس طرح دیا کہ میں نے اس کو طلاق کا حق دیا ہوش و حواس ...

---

[1] قال العلامۃ التمرتاشیؒ: وقولہ لھا انت طالق ان شاء اللہ تعالیٰ متصلاً مسموعاً لا یقع۔
(تنویر الابصار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ صفحہ ۵۳۸ باب التعلیق)
ومثلہ فی کنز الدقائق ج۱ صفحہ ۱۲۲ باب التعلیق۔

[2] وقال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی فتح القدیر وقد تعورف فی عرفنا فی الحلف الطلاق یلزمنی لا افعل کذا یرید ان فعلتہ لزم الطلاق ووقع فوجب ان یجری علیھم ... الخ
(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ صفحہ ۲۵۱ باب الطلاق)
ومثلہ فی فتح القدیر ج۳ صفحہ ۳۳ کتاب الایمان فی الطلاق۔

برضا و رغبت بلا کسی جبر و اکراہ کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو تفویض کرتا ہوں، اس پر اس کے دستخط اور گواہ بھی موجود ہوں، کیا اس کے بعد والد بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: طلاق میں مطلقاً توکیل درست ہے[1] اس لیے اگر بیٹے نے باپ کو طلاق دینے کے اختیارات دیئے ہوں تو والد کسی وقت بھی ان اختیارات کو استعمال کر کے اپنے بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے تاہم بیٹا کسی وقت بھی اس سے رجوع کر سکتا ہے جس کے بعد والد کو طلاق دینے کا حق باقی نہیں رہے گا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: واما طلقي ضرتك او قوله لاجنبي طلق امرأتي فيصح رجوعه منه ولم يتقيد بالمجلس لانه توكيل محض۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۳ ص۳۱۳ باب تفويض الطلاق) [1]

بیوی کو طلاق کا حق دینا

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق کا حق سونپتے ہوئے کہا طلقی نفسك تو کیا اس اختیار سے عورت تین طلاق بھی استعمال کر سکتی ہے، کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ شوہر کی طرف سے بیوی کو اختیار کلی حاصل ہے لہٰذا اگر عورت تین طلاق استعمال کرنی چاہے تو بھی درست ہے بشرطیکہ شوہر نے تین کی نیت کی ہو ورنہ ایک طلاق کا اختیار تو عورت کو حاصل ہے ہی۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: قال لها طلقي نفسك هذا تفويض بالصريح ولا يحتاج الى النية والواقع به رجعي وتصح فيه نية الثلاث۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۳ ص۳۱۵ باب تفويض الطلاق) [2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ما يدل على جواز الوكالة في الطلاق وصحته مانصه۔ وفي المحيط: سئل شمس الاسلام عمن قال لغيره طلق امرأتي فقال ذلك الغير احكم لك فقال ان كان الحكم لي طلقتها ... الخ

(خلاصة الفتاوى ج۲ ص۱۰۵ كتاب الطلاق، جنس آخر في التوكيل ... الخ)

[2] وفي الهندية: قال لها طلقي نفسك سواء كانت لها ان غضبت او رضيت ان تطلق نفسها۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۰۲ الفصل الاول في المشيئة)

باب تفریق مفقود الخبر ونحوہ

(مفقود الخبر وغیرہ کی تفریق کے مسائل)

مفقود الخبر کی بیوی کا نکاح ثانی کرنا

سوال:- ایک بالغ لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی کہ اس کا خاوند لاپتہ ہو گیا جس پر آٹھ سال گزر گئے ہیں، تمام ذرائع ابلاغ اور دستیاب وسائل سے اس کی تلاش کی گئی تاہم اس کی موت وحیات کا پتہ نہ چل سکا، لڑکی جوان ہے اور لڑکی کی کوئی سرپرست بھی نہیں، کیا شریعت میں اس کیلئے فسخ نکاح کی کوئی صورت ہے تاکہ وہ کسی دوسری جگہ نکاح کرے۔

الجواب:- زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں فقہ حنفی کی جزئیات پر عمل کرنا مشکل ہے کیونکہ مدت دراز تک بیوی کیلئے خاوند کا انتظار کرنا متعدد معاشی اور اخلاقی مسائل کا موجب بن سکتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے امام مالکؒ کے مذہب کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ آسانی کی صورت پیدا کی ہے کیونکہ بوقت ضرورت دوسرے فقہاء کے مذہب پر عمل کرنا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالکؒ فی هذه المسئلة للضرورة ثم رأیت ما یعضده بعینه۔ ذکره محشی مسکین عن السید الحمویؒ ورأیت فی نظیر هذه المسئلة فی زوجة المفقود حیث قیل انه یفتی بقول مالک انها تعتد عدة الوفاة بعد مضی اربع سنین۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۳ ص۴۹ باب العدة)

وقال فی موضع اٰخر: وذکر الفقیه ابواللیثؒ فی تأسیس النظائر انه اذا لم یوجد فی مذهب الامام قول فی مسئلة یرجع الی مذهب مالکؒ لانه اقرب المذاهب الیه۔
(رد المحتار علی الدر المختار ج۳ ص۲۹۳)

وقال فی مذهب مالکؒ زوجة المفقود: وقال فی الدر المنتقی ولیس بأولیٰ لقول القهستانی لو افتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما اظن انتهی قال: وقد قال فی البزازیة الفتوی فی زماننا علیٰ قول مالکؒ۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۹۵ کتاب المفقود، مطلب فی الافتاء بمذهب مالکؒ فی زوجة المفقود)

اسلئے ایسی حالت میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے چونکہ فقہاء احناف

نے اس پر عمل کی گنجائش پیدا کی ہے اس لیے یہ فقہ حنفی ہی کا حکم شمار ہوگا۔

پس جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو اور چار سال اس کے لاپتہ ہونے پر گذر جائیں اور اس کی حیات و ممات کے بارے میں کوئی معلومات نہ ہوں تو اب اگر عورت خاوند کے انتظار میں بیٹھی رہے تو اس کو نان و نفقہ کا مسئلہ درپیش ہوگا۔ اگر اخراجات کا مسئلہ کہیں سے حل ہو جائے لیکن غیر خاوند کے بیٹھے ہیں کسی بے راہروی کے شکار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں اپنے آپ کو کسی امتحان میں ڈالنے کے بجائے سلامتی کی صورت تلاش کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ عورت اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ نکاح کر سکے۔

ایسی عورت کو علماء کرام یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ چار سال تک انتظار کرنے کے بعد کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ لے جائے، عدالت ایک سال تک ممکنہ ذرائع سے اس کے خاوند کو تلاش کرے، اگر خاوند کہیں مل جائے یا اس کی موت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو تو فبہا ونعمت، ورنہ ایک سال کی تحقیق کے بعد متعلقہ عدالت خاوند کی عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری صادر کرے گی جو عورت کے حق میں طلاق بائن شمار ہوگی جس کی رو سے عدت گزارنے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح۔ اسی حالت میں اگر خاوند کہیں سے آ جائے تو عدالت کا فیصلہ اس کے آنے سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ بیوی دوسرے خاوند کے پاس رہے گی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس مسئلہ کے بارے میں یوں روشنی ڈالتے ہیں: "مفقود کو باتفاق ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارہ میں اس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے جب تک اسکے ہم عمر و ہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں، جس وقت بستی میں اسکے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اس وقت اسکی موت کا حکم کیا جاتا ہے یعنی قاضی اسکی موت کا حکم دیدیتا ہے اور اس کی میراث وغیرہ تقسیم کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ اس پر ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا اتفاق ہے۔ کہ خصوصیت حنفیہ نے اور امام اعظم اور امام شافعیؒ اور بہت سے دوسرے مجتہدین نے زوجہ مفقود میں بھی یہی حکم باقی رکھا ہے جب تک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اس وقت تک وہ زندہ ہے اور حسب قواعد اس کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک زوجہ مفقود اس کے ہم عمر لوگوں کے ختم ہونے سے پیشتر بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے یعنی جبکہ

اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت و موت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص جو معرکۂ جنگ میں گم ہو گیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا ہو جس میں موت کا گمان غالب ہے یا سمندر میں سفر کیا ہو اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو۔ اس قسم کی صورتوں میں (اتنا) انتظار کر کے موت کا حکم دے دیا جاوے گا کہ جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہو جانے کا غالب ظن ہو جاوے اور اس حکم بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدت وفات گذار کر نکاح کر لینا جائز ہوگا۔

کما فی الشامیة تحت قول الدر (واختار الزیلعی تفویضه الی الامام) قال فی الفتح فأی وقت رأی المصلحة حکم بموته (الی ان قال) ومقتضاه انه یجتهد ویحکم بالقرائن الظاهرة الدالة علی موته وعلی هذا یبتنی ما فی جامع الفتاوی حیث قال واذا فقد فی المهلكة فموته غالب فیحکم به کما اذا فقد وقت الملاقات مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب هلاکه او کان سفره فی البحر وما اشبه ذلك حکم بموته لانه الغالب فی هذه الحالات وان کان احتماله ثابتا واحتمال موته ناشئ عن دلیل لا احتمال حیاته لان هذا الاحتمال کاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدارا ما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فیه نقل عن القنیة انتهی ما فی جامع الفتاوی وافتی به بعض مشائخنا وقال انه افتی به قاضی زاده صاحب بحر الفتاوی لكن لا یخفی انه لا بد من مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقاة العدو او سفر البحر ونحوه۔
(رد المحتار ص ۳۶۳ ج ۳ مطلب فی الافتاء بمذهب مالك فی زوجة المفقود)

اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں زوجۂ مفقود کے واسطے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ مفقود کے تمام قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کرے اور بعد ازاں عورت عدت وفات گذار کر نکاح کرے۔

لیکن امام مالکؒ نے چند شرائط کے ساتھ (جن کی تفصیل عنقریب آتی ہے) ہر حالت میں (یعنی ہلاک کا ظن ہو یا نہ ہو) مفقود کی بیوی کو حکم حاکم کے بعد چار سال انتظار کر کے عدت گذرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے اور امام احمدؒ نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے۔ (کما فی المغنی ج ۹ ص ۱۳۳)

اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہاء حنفیہؒ میں سے بعض متاخرین نے وقت کی نزاکت اور ضرورت پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں امام مالکؒ

استدلال کی عبارت خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اب سوالات اور جوابات اردو میں یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

سوالات

کیا فرماتے ہیں علمائے مالکیہ مسائل ذیل میں کہ:۔

(اوّل) جو شخص مفقود الخبر ہو گیا ہو اور باوجود تحقیق و تفتیش کے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا، اس کی زوجہ کے لیے حق ہے کہ وہ کسی طرح اپنے کو اس کی زوجیت سے نکال کر دوسرا نکاح کر سکے؟ اگر یہ حق ہے تو کیا اس کو کچھ مدت انتظار کرنے کی ضرورت ہے یا بلا مہلت اس کو اختیار دے دیا جائے گا؟

(دوم) اگر مہلت دی جاوے گی تو اس کی ابتدا کب سے شمار ہو گی؟ مرافعہ اور مخاصمہ کے وقت سے یا گم ہونے کے وقت سے یا حکم حاکم کے بعد سے؟

(سوم) کیا زوجۂ مفقود فسخ نکاح میں خود مختار ہے یا قضاءِ قاضی شرط ہے اور صورت فسخ کی کیا ہو گی؟

(چہارم) اگر قضائے قاضی شرط ہے تو کیا قاضی پر بھی یہ بات لازم ہے کہ پہلے مفقود کی خود تفتیش و تلاش کرے، جب اس کو مایوسی ہو جائے اس وقت زوجہ کو کوئی مہلت وغیرہ دے یا عورت اور اس کے اولیاء کا تلاش کر لینا کافی ہے؟

(پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے ہندوستان وغیرہ تو یہاں اس کی کیا صورت کی جائے؟

(ششم) مفقود کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں یکساں ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو پھر ہندوستان جیسے ممالک جن میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ دار الاسلام سمجھے جاویں گے یا دار الحرب؟ (اجیبونا اجرکم اللہ تعالیٰ)

جوابات

(جواب سوال اوّل) زوجۂ مفقود کے لیے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دار الاسلام میں صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے اور بذریعہ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اور اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے یعنی شہرتِ عام کی بنا پر بھی شہادت دی جا سکتی ہے۔ کما فی المنتقیٰ للباجی المالکی ص ۲۰۳ ج ۵ کتاب الاقضیۃ (فرع) واما النکاح ففی العتبیۃ عن سحنون قال جل اصحابنا یقولون فی النکاح اذا انتشر خبرہ فی الجیران ان فلانا تزوج فلانۃ

وسمع الزفات فله ان یشهد ان فلانة زوجة فلان الخ) اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود
ولاپتہ ہونا ثابت کرے بعد ازاں قاضی خود بھی اس مفقود کی تفتیش و تلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے
مایوسی ہو جائے تو عورت کو چار سال مزید انتظار کا حکم کرے پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود
کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا، اور نیز ان چار سال کے
ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار
ہوگا۔ اور اب چار سال گذرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدت وفات
کے لیے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں بلکہ فقط قاضی کا صرف اول بار بوقت تاجیل
ضروری ہے کما صرح بذلک فی شرح الدردیر (ص ۲۸۰ ج ۲) حیث قال الخلیل فیؤجل
الحر اربع سنین (الی قوله) ثم اعتدت عدة الوفاة وسقطت بها النفقة ولا یحتاج
فیها الاذن (وتلک المدة مرجعه لاذن من الحاکم لان اذنه حصل بضرب الاجل
اولاً اھ۔ ویأتی فی الروایة السابعة من فتوی العلامة محی طیب بن اسحٰق مفتی
المالکیة بالمدینة المنورة مگر احتیاطاً اس میں ہے کہ جب وہ چار سال جو قاضی نے مقرر کیے
تھے ختم ہو چکیں تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کر لیا جائے تاکہ مذہب
حنفیہ کی حتی الوسع رعایت ہو جائے لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کو دوبارہ مراجعہ دشوار ہو وہاں بغیر مراجعہ
دشوار ہو وہاں بغیر مراجعہ ثانی کے بھی عمل کرنے میں مضائقہ نہیں۔

یہ حکم مذکور تو دارالاسلام میں تھا اور دار الحرب میں زوجۂ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک

ـــه کیونکہ ان کے نزدیک مفقود کے تمام ہم عمروں کے ختم ہو جانے پر بھی حکم بالموت حاصل کرنا شرط ہے۔ کما فی
شرح الدردیر للخلیفة انه انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فلم ینضم الیه اقتضاء ۱۲
لیکن یہ جو ہے کہ ان مختلف آثار واقعات کے ہونے کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ عورت کو
دوبارہ درخواست پر بھی مفقود کا حکم کرکے عدت وفات گذارنے کا حکم دیا تھا۔ اور مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے
مذہب کا اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا فیصلہ ہے پھر نہ معلوم اس جزو میں کیوں خلاف کرتے ہیں
نیز حنفیہ کو قاضی کی طرف سے سال بھر کی مہلت ملنے کے باوجود بھی زوجۂ عنین کو اس سال کے گذر
جانے پر دوبارہ درخواست دینی پڑتی ہے اس میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ بھی متفق ہیں پھر معلوم
نہیں انہوں نے عنین اور مفقود میں کیا فرق کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لیے اس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ کما فی الرواية الثانية من فتوى العلامة سعيد بن صديق مفتي المالكية بالمدينة الطاهرة زادها الله تعالى شرفاً واجلالاً۔ (اور بعض حضرات نے اس کی مدت یعنی عمر کے لحاظ سے تعیین بھی کر دی ہے جس میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک نوے برس بعض کے نزدیک پچھتر برس بعض کے نزدیک ستر برس وغیر ذالک۔ (ولكن الاولى ان يفوض الى رأى اهل الخبرة واهل العلم بحاله من صحته وسقمه وقوته وضعفه) مگر اشہب نے جو کہ امام مالکؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں اور فقہاء مالکیہ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں) دار الحرب میں بھی زوجۂ مفقود الخبر کا وہی حکم لکھا ہے جو دار الاسلام میں گذر چکا ہے کما ذکرہ ابن رشد فی مقدماته (ص ۱۵۱ ج ۲)

حيث قال واما المفقود في بلاد الحرب فحكمه حكم الاسير لا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته او يأتي عليه من الزمان ما لا يحيى الى مثله في قول اصحابنا كلهم حاشا اشهب فانه حكم له بحكم المفقود في المال والزوجة جميعاً اھ۔

(جواب سوال دوم) حاکم جو چار سال انتظار کے لیے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے کی جاوے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جائے اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہو گا۔ کما فی اول الفتوى من العلامة سعيد بن صديق المالكي ويؤيده باوضح وجه في الرواية العشرين عن العلامة الموصوف۔

(جواب سوال سوم) زوجۂ مفقود کی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے خود کافی نہیں بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے۔ کما هو مصرح في الرواية العشرين من الائمة المالكية رحمه الله۔ اور صورت مرافعہ اور فسخ کی سوال اول کے جواب میں گذر چکی ہے۔

(جواب سوال چہارم) ہاں قاضی پر یہ بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اس کے اولیاء کی تفتیش وآں کے بیان پر اکتفاء نہ کرے بلکہ خود قاضی بھی تلاش کرائے اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی و حاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجا جاوے۔ کما فی شرح الدردیر ص ۲۹۹ من حين العجز عن خبره بالبحث عنه في الاماكن التي يظن ذهابه اليها من البلدان بان يرسل الحاكم رسولاً بكتاب لحاكم تلك الاماكن مشتملاً على صفة الرجل وحرفته

وفیه یفتش عنه فیها اھ اور جس جگہ جانے کا گمان غالب نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط کو کافی
سمجھے تو وہاں خطوط بھیج کر تحقیق کرے اور اخبارات میں شائع کر دینے سے خبر ملنے کی امید ہو تو یہ بھی
کرے۔ الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہد بلیغ کرے کما لایخفی اور جب تلاش کے بعد
پتہ ملنے سے مایوس ہو جائے اس وقت مذکورۃ الصدر طریق پر چار سال مزید انتظار کا حکم دے۔ کذا فی
الروایۃ المعتبرین عن فتوی العلامۃ سعید بن صدیق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ المنورۃ
(زادها اللہ شرفاً) اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ
عورت کے ذمہ ہے اور بعض نے کہا کہ بیت المال کے ذمہ ہے اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ
اگر زوجہ کے پاس مال ہو تو مصارف تفتیش اس کے ذمہ ہوں گے کذا فی الہدایۃ المنصوص عن
فتوی العلامۃ المذکور عـه اھ ملخصاً اور جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ اگر ان مواقع میں
حکومت مصارف برداشت کرے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں سے چندہ کر لیا جائے۔

(جواب سوال نہم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ
ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے
معاملات کے تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں
تو ان کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کا قائم مقام ہو جاتا ہے جیسا کہ اس جزو دوم کے مقدمہ میں مفصل گذر
چکا ہے اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو
تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کر کے حسب بیان مذکور
تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہو جائے گا
لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گذر چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

تتمہ ھذا الجواب اگر زوجہ مفقود ایسی جگہ چلی جاوے جہاں قاضی شرعی یا
مسلمان حاکم موجود ہو اور وہ اس کے پاس مقدمہ دائر کرے
تو اس کا فیصلہ بھی زوجہ مفقود کے لیے کافی ہے۔ فانها اذا دخلت فی بلد یقتضی دخلت

عـه وعن القول الثالث اعدل الاقاویل عندنا واللہ تعالی اعلم ۱۲ منہ

عـه افسوس ہے کہ علامہ موصوف اس فتوے کی اشاعت سے قبل ہی رحلت فرما گئے انا للہ و
انا الیہ راجعون۔ ۱۲ منہ

وجواب سوال ششم: مفقود کا حکم دارالحرب اور دارالاسلام میں مختلف ہے جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا ہے۔

مگر علمائے مالکیہ کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان و مصر و شام وغیرہ ممالک کہ جن میں باوجود حکومت کافر مسلط ہو جانے کے شعائر اسلام ہنوز قائم ہیں ان سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دارالاسلام میں ہے بلکہ جس دارالحرب میں شعائر اسلام بھی موجود نہ ہوں مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہو تو اس دارالحرب میں بھی مفقود کا وہی حکم ہے جو دارالاسلام میں ہے پس اصل بنا امکان تفتیش ہے۔ اس لیے ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اُس کا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور زوجہ مفقود کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدت وفات گذار کر نکاح ثانی کا اختیار دیا جاوے گا کما فی الرسالۃ الخامسۃ للعلامۃ الفاطمی اشیم اعر۔ وا لخامسۃ والعشرین للعلامۃ الطیب رحمہ اللہ۔

نامرد شخص کی بیوی کی علیحدگی کا مسئلہ

سوال: ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح کر لیا۔ رخصتی کے بعد عورت کو معلوم ہوا کہ خاوند حقوق زوجیت کی ادائیگی پر قادر نہیں۔ اب یہ عورت اگر خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو از روئے شرع اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:- جس عورت کا خاوند پیدائشی طور پر یا کسی ضعف و کمزوری یا کسی بیماری کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو فقہاء کی اصطلاح میں اس شخص کو عنین کہا جاتا ہے ایسے شخص کیلئے بہتر یہی ہے کہ جب اس کو اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے یہاں تک کہ کبھی ایک دفعہ بھی جماع پر اس کو قدرت حاصل نہ رہی ہو، علاج و معالجہ سے بھی اس کو قوت کی بحالی ممکن نظر نہیں آتی ہو تو یہ شخص خود عورت کو طلاق دے کر فارغ کر دے تاکہ عورت عدت گذارنے کے بعد باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کر کے سکون و اطمینان کی زندگی گذار سکے۔ اسی حالت میں اگر ایک دفعہ بھی خلوت صحیحہ ہوئی ہو تو خاوند کو حق مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔

اگر خاوند با عزت طریقے سے عورت کو آزاد کرنے پر تیار نہ ہو تو پھر عورت مجبور ہو کر اپنا مقدمہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں لے جا سکتی ہے۔ حاکم وقت تحقیق کے بعد اپنے صوابدیدی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری دے سکتا

ہے جو عورت کے حق میں طلاق بائن متصور ہوگی اور وہ عدتِ طلاق گزارنے کے بعد آزاد ہوکر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ لیکن یہ اقدام بھی چند شرائط پر مبنی ہے چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان شرائط کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔ کما فی الہندیۃ: ان علمت المرأۃ وقت النکاح انہ عنین لایصل الی النساء لا یکون لہا حق الخصومۃ۔ وفی الدر المختار: تزوج الاولی او امرأۃ اخری عالمۃ بحالہ لاخیار لہا علی المذہب المفتی بہ۔ بحر عن المحیط خلافا لتصحیح الخانیۃ۔ (فتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۲۴ باب الثانی عشر فی العنین)

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو اور اگر ایک مرتبہ جماع کرچکا ہے اور پھر عنین ہوگیا تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ کما فی الدر المختار: فلو جبّ بعد الوصول الیہا۔ (ج ۲ ص ۸۱۳ باب العنین) [illegible] قال الشامی: قولہ مرۃ وما زاد علیہا فہو مستحق دیانۃ لا قضاء بحر عن جامع قاضیخان ویأثم اذا ترک الدیانۃ متعنتا مع القدرۃ علی الوطی۔ (باب العنین ج ۲ ص ۸۱۳ مطلب باب العنین وغیرہ)

تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح عـــہ نہ کی ہو مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ زندگی بسر کروں گی کیونکہ اگر وہ اپنی رضا کی تصریح کرچکی ہو تو پھر اس کو مطالبۂ تفریق کا حق نہیں رہتا، البتہ محض سکوت عـــہ سے اس جگہ رضا نہ

عـــہ یعنی زبان سے کہہ دیا ہو خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے کہ۔ یدل علیہ اطلاق ما لم نقل فی الروایۃ الآتیۃ۔ اور تاجیل سے پیشتر یا بعد تاجیل کما ہو المصرح فی البدائع ونصہ ھذا فالنص ہو نص علی اسقاط الخیار وما یجری مجراہ سواء کان ذلک بعد تخییر القاضی او قبلہ اھ مختصراً ۱۲ منہ

عـــہ بلکہ تقبیل وضاجعت وغیرہ افعال بھی موجب رضا نہیں کما ہو المصرح فی الدر عن الخانیۃ ۱۲ منہ

سمجھی جائے گی۔ لما فی الدر المختار: فلو وجدتہ عنینا ومجبوبا ولو بقیا معہم زمانا لم یبطل حقہا۔ قال الشامی قولہ لم یبطل ای مالم تقل رضیت بالمقام معہ کذا قیدہ فی التاتارخانیۃ عن المحیط۔ (الدر المختار ورد المحتار ج۳ ص۵۹۸ باب العنین وغیرہ۔ مطلب فی ضائع نصوص الفقہ بالا جماع)

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گزرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اُسی مجلس میں تفریق کا اختیار حاصل کرے، پس اگر اس مجلس میں اُس نے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کر لیا یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخاست ہوگئی خواہ اس طرح کہ یہ عورت مجلس سے اٹھ گئی یا اس طرح کہ قاضی مجلس سے کھڑا ہو گیا تو اب اُس کا اختیار باطل ہو گیا اب کسی طرح تفریق نہیں ہو سکتی۔

لما فی الہندیۃ: فان اختارت زوجہا وقامت عن مجلسہا او اقامہا اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار بطل خیارہا وھکذا فی المحیط۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۲۴ الباب الثانی عشر فی العنین)۔

نیز مجلس برخاست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے اور اختیار باطل ہو جاتا ہے، مثلاً عورت کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی، وغیر ذلک مما یدل علی الاعراض اور تبدل مجلس شامی باب تفویض الطلاق سے معلوم ہو سکتی ہے۔ والدلیل علی ان بطلان الخیار لا یختص بقیامہا وقیام القاضی بل کل ما یدل علی الاعراض یبطل الخیار۔ قول الدر حیث قال لو وجد منہا دلیل اعراض بان قامت الخ۔ لان ہذا یدل علی ان القیام ذکر حیث ذکر تمثیلا والمراد مطلق الاعراض، ہذا ما عندنا واللہ اعلم بالصواب۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گزرنے پر عورت کو اختیار دینا اور بعد ازاں اگر خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق کر دینا وغیرہ یہ سب امور جن کا ذکر اوپر مفصل ہو چکا قضائے قاضی کے محتاج ہیں بدون حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں۔

کما فی رد المحتار: ثم لو اختارت تفریقہ ہو ولا عبرۃ بتاجیل غیر قاضی البلدۃ لان ہذا مقدمۃ امر لا یکون الا عند القاضی وھو الفرقۃ فکذا مقدمتہ واولی بجلیۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۹۲۶ باب العنین وغیرہ مطلب فی علۃ قاضی علی۔ حیلہ ناجزہ ص۱۴۴ تا ص۱۴۹)

سزا یافتہ قیدی کی بیوی کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کو کسی جرم کی پاداش میں عدالت کی طرف سے عمر قید کی سزا ہو جائے تو اس کی بیوی کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسے شخص کی بیوی تاحیات صبر کرے گی اس لیے کہ اس شخص پر مفقود کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے یہ مفقود کے حکم میں نہیں۔

لما قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ: یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جس کی موت اور حیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے حیات بھی معلوم ہے لہٰذا یہ مفقود نہیں بلکہ محبوس شمار ہے ۔۔۔۔۔۔ اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں لہٰذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ (امداد الاحکام جلد ۲ ص[illegible] کتاب الطلاق باب المفقود)[1]

مرتد کی بیوی کا حکم

سوال:۔ اگر ایک مسلمان شخص دشمنانِ اسلام کے جال میں پھنس کر مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو ایسی حالت میں اس کی بیوی کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب: خاوند کے مرتد ہو جانے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا عورت عدت گزارنے کے بعد آزاد ہو کر باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

لما فی الہندیۃ: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بغیر طلاق فی الحال۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار)[2]

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: مفقود زید کا حکم دوسرا ہے، جس کو سزا ہوئے ضرور دوامی ہو وہ مفقود الخبر نہیں اور بیوی اس کی دوسرا عقد شوہر کی زندگی میں نہیں کر سکتی، اور مفقود الخبر وہ ہے جس کا نشان و پتہ زندگی و موت کا کچھ معلوم نہ ہوا اس کو ایک وقت مقرر پر شرعاً موت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱۰ ص۴۲۹ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وارتداد احد الزوجین فسخ فلا ینقص عدداً عاجل بلا قضاء۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۳ ص۱۹۳ باب نکاح الکافر مطلب الصبی والمجنون لیس باہل لایقاع طلاق)

ومثلہ فی الہدایۃ ج۲ ص۳۲۰ باب نکاح اہل الشرک۔

متعنت کی زوجہ کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرا نکاح آج سے چھ سال قبل ہوا تھا، دو تین سال گزرنے کے بعد ہمارے گھریلو حالات خراب ہو گئے اور میرے شوہر نے مجھے میرے والدین کے گھر بھیج دیا اور آج تک میری خبر نہیں لی، میں اس مصیبت سے کیسے خلاصی حاصل کر سکتی ہوں؟

الجواب:۔ متقدمین علماء کے ہاں تو اس قسم کے عوارضات کی وجہ سے عدالت یا مسلمان حاکم نکاح فسخ کرنے کا مجاز نہیں لیکن متاخرین علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عورت شرعی عدالت کی طرف رجوع کرے وہ اس کا حل نکالے گی۔

قال الشیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ: صورتِ بالا میں زوج کی حیثیت متعنت کی ہے جس کے بارے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔ الجواب:۔ زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے لیکن اگر باوجود کوشش کے رہائی کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے اور بعد تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو ورنہ تفریق کر دیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کر دے، اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی ضرورت نہیں۔

(الحیلۃ الناجزۃ ص۷۳ حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ) [1]

دیوث سے بیوی کی نجات کا طریقہ

سوال:۔ اگر کوئی شخص دیوث ہو اور وہ اپنی بیوی سے زبردستی زنا کرواتا ہو تو

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ و مفتی ظفیر الدینؒ: ایسی صورت میں کہ شوہر حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا و نفقہ نہیں دیتا اس کو لازم ہے کہ زوجہ کو طلاق دیدے، پس اس کو مجبور کیا جائے اور کہا جائے کہ جس طرح ہو وہ طلاق دے دے، بدون طلاق کے عند الحنفیہ نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ سے زوجین میں تفریق نہیں ہو سکتی ..... بعد کے علماء نے تفریق کی صورت نکالی ہے جو قاضی شرعیت یا شرعی پنچایت کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ (ظفیر)۔ (فتاویٰ دار العلوم ج۹ ص۲۱۲ کتاب الطلاق)

اس عورت کے لیے کیا حکم ہے اور وہ کس طرح خاوند سے نجات حاصل کرے؟

الجواب: ویسے تو ایک مرتبہ نکاح ہو جانے کے بعد عورت بدون طلاق کے شوہر سے آزاد نہ ہوگی لیکن صورت مسئولہ میں یہ عورت شرعی عدالت سے اس بارے میں رجوع کرے یا شرعی پنچایت کے پاس اپنا مقدمہ دائر کرے، عدالت زبردستی شوہر سے طلاق دلوائے گی یا خود نکاح فسخ کرے گی۔

لما قال الشیخ مفتی عزیز الرحمٰنؒ و مفتی ظفیر الدینؒ: اس صورت میں جب تک اس لڑکی کا شوہر طلاق نہ دیوے اور عدت نہ گذر جائے اس وقت تک اس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست نہیں ہے، دارالقضا اور شرعی پنچایت کے ذریعے اس طرح کے مصائب سے عورت کو نکالا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۰ ص ۳۳۲ باب تفریق یسلہ)

مجنون کی بیوی کے فسخ نکاح کا حکم

سوال: ایک شخص نکاح کرنے کے چند سال بعد پاگل ہو گیا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی فرق نہیں آیا، حالت جنون میں وہ بہت کچھ کر جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو بھی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، تو کیا یہ عورت اپنے مجنون خاوند سے اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- بشرط صدق و صحت سوال اگر اس عورت کا شوہر واقعی مجنون و پاگل ہو اور وہ اچھے برے کی تمیز نہیں کر سکتا ہو اور جنون بھی اس حد تک ہو کہ بیوی کا اس کے ساتھ رہنا ممکن نہ ہو اور علاج و معالجہ سے بھی بات نہیں بنتی ہو تو اس عورت کو شرعاً اجازت ہے کہ اگر وہ اپنا نکاح شوہر سے فسخ کروانا چاہتی ہو تو عدالت کی طرف رجوع کرے، عدالت مکمل تحقیقات کے بعد اس کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر سکتی ہے جو اس کے لیے کارآمد ہوگی۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: امام محمدؒ کے نزدیک اس کو حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں درخواست دے کر تفریق کا مطالبہ کرے اور اپنے آپ کو مجنون کی زوجیت سے علیحدہ کرائے بشرطیکہ جنون اس درجہ کا ہو کہ اس کے ساتھ رہنا قدرت سے خارج ہو مثلاً اس سے قتل کا اندیشہ ہو۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص ۴۸ حکم زوجہ مجنون)

باب الایلاء

(ایلاء کے مسائل و احکام)

بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا لیکن چند دن کے بعد یہ شخص اپنی اس بات پر پشیمان ہوا، اب اس کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص چار ماہ تک اپنی قسم پر قائم رہتے ہوئے بیوی کے قریب نہ جائے تو بیوی خود بخود علیحدہ ہو جائے گی جس کی تحلیل کیلئے تجدیدِ نکاح ضروری ہے، لیکن اگر اس مدت کے دوران بیوی کے قریب چلا جائے تو اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: فمن الصريح لو قال والله لا اقربك۔ قال ابن عابدينؒ: أي بلا بيان مدة اشارة الى انه كالموقت بمدة الايلاء لان الاطلاق كالتأبيد۔

(رد المحتار ج ۲ ص۵۹۳ باب الایلاء) [۱]

بیوی کے قریب نہ جانے کی مشروط قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے اپنی سوکن کو راضی نہ کیا تو خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسی حالت میں اگر کئی سال گزر جائیں اور وہ شخص عورت کے قریب نہ جائے اور نہ اس کی بیوی اپنی سوکن کو راضی کرے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں یہ قسم ایلاء کے حکم میں ہے، اگر شرط کی موجودگی کے بغیر خاوند بیوی کے قریب گیا تو حانث ہو کر کفارۂ قسم ادا کرنا واجب ہوگا، اور اگر اس قسم پر چار مہینے گزر گئے اور خاوند اپنی قسم پر قائم رہا تو عورت بوجۂ ایلاء طلاق بائنہ سے جدا ہو جائے گی۔

---

[۱] وفي الهندية: الايلاء منع النفس عن قربان المنكوحة منعا مؤكدا باليمين بالله مطلقا او موقتا باربعة اشهر۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۴۷۶ الباب السابع في الايلاء)

ومثله في الهداية ج ۲ ص۳۹۴ باب الايلاء۔

جس میں دوبارہ تحلیل اور تجدید نکاح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: والمدة اقلها للحرة اربعة اشهر ... ثم قال ففي الحلف بالله
وجبت الكفارة وفي غيره وجب الجزاء وسقط الايلاء لانتهاء اليمين وان لم يقربها بانت بواحدة الخ
وقال العلامة ابن عابدينؒ: تحت هذا القول فلو مضت اربعة اشهر لا يقع الطلاق لانحلال
اليمين بالحنث سواء حلف على اربعة اشهر او اطلق او على الابد۔ وقال كذلك بانت بواحدة
لا حاجة الى ايقاع الطلاق او الحكم بالتفريق۔ (رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۵۹۳ باب الايلاء)[1]

ایلاء میں رجوع کیلئے بیوی کا انکار کرنا

سوال:۔ اگر خاوند ایلاء میں مدت کے اندر رجوع کرنا چاہتا ہو لیکن بیوی اس سے انکار کر رہی ہو تو خاوند کو کیا کرنا چاہیے تاکہ اس کا نکاح بحال رہے؟

الجواب:۔ ایلاء کی مدت کے دوران منکوحہ خاوند کے نکاح میں رہتی ہے ایسی حالت میں اگر خاوند رجوع کرنا چاہے اور عورت انکار کر رہی ہو تو منکوحہ ناشزہ نافرمان کے حکم میں ہے تاہم اس کے انکار سے مذکورہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، اگر خاوند عملی طور پر رجوع سے قاصر ہو تو زبانی طور پر بھی اس کا رجوع کافی ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وكذا لو حبسها او نشوزها فيفيئه قوله بلسانه فئت اليها۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۹ باب الايلاء)[2]

---

[1] وفي الهندية: فان قربها في المدة حنث وتجب الكفارة في الحلف بالله ... وان لم يقربها في المدة بانت بواحدة۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۷۶ الباب السابع في الايلاء)

[2] وفي الهندية: ولو عجز عن جماعها لرتقها او لكونها صغيرة او كانت في مكان لا يعرف ... او ناشزة فيفيئه باللسان بان يقول فئت اليها۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۸۳ الباب السابع في الايلاء، ثم الايلاء على البعض اوجه)
ومثله في تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۲ ص ۲۶۳ باب الرجعة۔

باب اللعان

(لعان کے احکام و مسائل)

لعان کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی پر زنا کا الزام لگا کر والدین کے گھر بھیج دیا، عورت نے عدالت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کر لی، کیا اس کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ از روئے شرع بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں خاوند کیلئے چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے ورنہ اس پر حد قذف جاری کی جائے گی۔ تاہم ایسی حالت میں شریعت میں اس کے لیے خصوصی طور پر صورت قانون موجود ہے اس کو لعان کہا جاتا ہے جس میں خاوند قاضی کی عدالت میں چار بار قسم کھا کر اپنی صداقت ثابت کرے گا اور پانچویں بار یوں کہے گا کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو، اس کے بعد پھر عورت بھی چار بار قسم کھا کر خاوند کی تکذیب اور اپنی صداقت ثابت کرے گی اور پانچویں بار یوں کہے گی کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کا قہر و غضب ہو، اس سے لعان مکمل ہو جائے گا اور قاضی ان کے درمیان تفریق کرے گا۔

اگر عدالتی فیصلہ اس حقیقت کا حامل ہو تو اس سے عورت کو آزادی مل سکتی ہے ورنہ صرف زنا کی تہمت لگنے سے عورت پر ناراضگی کی وجہ سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے سے آزادی حاصل نہیں کر سکتی ہے۔

لما في الهندية: إذا قال لها يا زانية، وأنت زنيت أو رأيتك تزني فإنه يجب اللعان۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۱۵ كتاب الطلاق الباب الحادي عشر في اللعان)

وقال الله تعالى: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

(پ۱۸ سورة النور آیت ۶ تا ۹)

وفي الهندية: وإذا التعنا فرق الحاكم بينهما ولا تقع الفرقة حتى يقضي بالفرقة

على الزوج فيتعارضهما بطلاق. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۱۶ كتاب الطلاق الباب الحادي عشر في اللعان) سه

لعان کے بعد دوبارہ نکاح کرنا

سوال:- لعان کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جانے کے بعد بغیر حلالہ کے میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق قائم ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- لعان کی صورت میں چونکہ تفریق قاضی کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا، البتہ اگر خاوند اپنے آپ کو جھوٹا کہے تو اس پر حد قذف لگا کر پھر ان دونوں کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے۔

قال العلامة المرغيناني: وتكون الفرقة تطليقة بائنة عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله لان فعل القاضي انتسب اليه كما في العنين وهو خاطب اذا كذب نفسه. الخ

(الهداية ج۲ ص۴۲۶ كتاب الطلاق. باب اللعان) سه

لعان کے بعد عدالت کا میاں بیوی میں تفریق کرنا

سوال:- جب میاں بیوی آپس میں لعان کریں تو کیا دونوں کا نکاح خود بخود ختم ہو جائے گا یا حاکم وقت ان میں تفریق کرے گا؟

الجواب:- اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عند المطالبہ دونوں کا آپس میں لعان ضروری ہے، دونوں کا نکاح بسبب لعان خود بخود ختم نہیں ہوگا بلکہ حاکم وقت، قاضی دونوں میں تفریق کرے گا اگرچہ دونوں لعان پر

لہ قال العلامة المرغيناني: واذا التعنا لا تقع الفرقة حتى يفرق القاضي بينهما.

(الهداية ج۲ ص۴۲۹ كتاب الطلاق. باب اللعان)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۴۸۱ باب اللعان قبيل مطلب لو [illegible] على معين.

سه وفي الهندية: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى الفرقة الواقعة في اللعان فرقة بتطليقة بائنة فيزول بها ملك النكاح وتثبت حرمة الاجتماع والتزوج ما دام على حالة اللعان. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۱۶ كتاب الطلاق الباب الحادي عشر في اللعان)

ومثله في البحر الرائق [illegible] ج۴ ص[illegible] باب اللعان. قبيل مطلب في [illegible] على معين.

واضح نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وصفته ما نطق النص الشرعي به من كتاب وسنة فإن التعنا ولو أكثره بانت بتفريق الحاكم فيتوارثان قبل تفريقه الذي وقع اللعان عنده ويفرق وإن لم يرضيا بالفرقة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۴۸۷ باب اللعان)[1]

شوہر کا بیوی پر تہمت زنا سے انکار کرنا

سوال: اگر عورت کسی کے کہنے پر اپنے شوہر کے خلاف تہمت زنا کا دعویٰ کرے کہ میرا شوہر مجھ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے جبکہ شوہر اس بات کا انکار کرتا ہو کہ میں نے کسی کو کوئی ایسی بات نہیں کہی، تو کیا اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان کا حکم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: شرعاً لعان اسے کہا جاتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگائے جو کسی غیر منکوحہ میں موجب حد زنا ہو، جبکہ صورت مسئولہ میں لعان کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ اس میں شرائط لعان موجود ہیں، اس لیے اس میں لعان نہیں ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وسببه قذف الرجل زوجته قذفاً يوجب الحد في الأجنبية ..... فمن قذف بصريح الزنا في دار الإسلام زوجته الحية بنكاح صحيح ...

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۳ ص۴۸۲-۴۸۵ باب اللعان)[2]

دار الکفر میں بیوی پر تہمت زنا سے لعان لازم نہیں آتا

سوال: اگر کوئی شخص دار الکفر مثلاً امریکہ یا لندن میں اپنی بیوی کو

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: تحت قوله وصفته ما نطق به النص: فإن التعنا بانت بتفريق الحاكم ولا تبين قبله: أي الحاكم الذي وقع اللعان عنده لو لم يفرق الحاكم حتى عزل أو مات فالحاكم الثاني يستقبل اللعان عندهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۱۳ باب اللعان)

ومثله في الأحوال الشخصية ص۲۳۷ باب اللعان۔

[2] وقال المفتي عزيز الرحمن رحمه الله: در تحت ایک سوال آپ نے یہی لکھا ہے: حکم لعان دریں صورت بجہت عدم وجود شرائط لعان کردن درست نیست و حکم تفریق نافذ نیست و اگر کسے فتویٰ دادہ است آں صحیح نیست بدلیل نیاوردہ شد۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۲۴۹ باب یازدہم لعان)

پر زنا کی تہمت لگائے اور یہ بھی شوہر سے جدا ہونا چاہتی ہو تو کیا وہ بذریعہ لعان جدائی اختیار کر سکتی ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کا یہ معاملہ دار الاسلام میں ہو دار الکفر میں ایسا نہ ہوگا، چونکہ صورت مسئولہ میں تہمت زنا کا معاملہ دار الکفر میں پیش آیا ہے اس لئے یہاں لعان نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وشرطه ... کون القذف بصریح الزنا وکونه فی دار الاسلام. قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله دار الاسلام (اخرج دار الحرب). (رد المحتار ج۳ ص۴۸۳ باب اللعان)[1]

شبہ زنا موجب لعان نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا شبہ ظاہر کرے پورے یقین سے نہیں کہتا ہو تو کیا عورت کے مطالبہ پر لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ لعان تب ہوگا جب شوہر بیوی پر صریح الفاظ سے زنا کی تہمت لگائے صرف شبہ کی صورت میں لعان نہیں اس لئے صورت مسئولہ میں صرف عورت کے مطالبے پر لعان نہیں کرایا جائے گا۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: فمن قذف بصریح الزنا فی دار الاسلام.
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۴۸۳ باب اللعان)[2]

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمنؒ: (دیوبندی) ایک سوال کے جواب میں فرمایا: لعان کے لئے دار الاسلام ہونا بھی شرط ہے ... کتب فقہ۔ لہٰذا اس ملک میں لعان کی کوئی صورت نہیں ہے اور چونکہ لعان نہیں ہے تو تفریق بھی نہ ہوگی۔
(فتاوی دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۹ باب یازدہم لعان)

[2] وفی الهندیة: سببه قذف الرجل امرأته قذفاً یوجب الحد فی الاجانب فیجب باللعان بین الزوجین کذا فی النهایة ... کذا قال لها یا زانیة او انت زنیت او رأیتک تزنین فانه یجب اللعان.
(الفتاوى الهندیة ج۱ ص۵۱۵ الباب الحادی عشر فی اللعان)
ومثله فی فتاوى دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۸ باب اللعان.

باب الظہار

(ظہار کے مسائل)

ظہار میں تشبیہ ضروری ہے

سوال:۔ ایک شخص کا کسی بات پر اپنی بیوی سے جھگڑا ہوگیا تو اس نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میری ماں خاموش ہو جاؤ" تو ان الفاظ سے اس شخص کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

الجواب: بیوی کو "ماں" جیسے الفاظ سے مخاطب کرنا بنابر تحرم سے بغاوت کے مترادف ہے اس لیے یہ الفاظ فقہاء کے نزدیک مکروہ ہیں، تاہم ادات تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔[1]

لما في الهندية: ولو قال لها انت امي لا يكون مظاهرا وينبغي ان يكون مكروها الخ
(الفتاوى الهندية ج ا ص۵۰۷ كتاب الطلاق، الباب التاسع في الظهار)

اپنی منکوحہ کو بہن کہنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ کو یہ کہہ دیا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" اور پھر متصل ہی یہ کہا کہ "اگر میں نے تیرے ہاتھ کا کھانا کھایا یا چائے پی لی تو تو میری بہن ہے" کیا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ظہار کے مسئلہ میں ادات تشبیہ کا ہونا لازمی ہے چونکہ صورت مسئولہ میں کوئی حرف تشبیہ نہیں ہے اس لیے "تو میری بہن ہے" کہنے سے نکاح پر کوئی برا اثر مرتب نہیں ہوگا تاہم ایسے الفاظ کہنا کراہت سے خالی نہیں، البتہ یہ کہنا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔[2]

لما قال الحصكفي: وان نوى بانت علي مثل امي برا او ظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه وان لم ينو شيئا او حذف الكاف لغا (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۶ باب الظهار مطلب بلا تنبيه) سه

---

[1] قال ابن نجيم: ... انه لا بد في كونه ظهارا من التصريح باداة التشبيه شرعا (البحر الرائق ج۴ ص۹۸ باب الظهار كتاب الطلاق)
ومثله في رد المحتار ج۲ ص۴۲۶ باب الظهار مطلب بلا فات مخمس۔

[2] قال المرغيناني: ولو قال انت علي حرام كامي ونوى ظهارا او طلاقا فهو على ما نوى (الهداية ج۲ ص۳۸۲ كتاب الطلاق باب الظهار)
ومثله في الهندية ج ا ص۵۰۷ كتاب الطلاق، الباب التاسع في الظهار۔

ظہار میں عقل و بلوغ شرط ہے

سوال: کیا طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے یا کہ صبی اور مجنون کا ظہار بھی درست ہوگا؟

الجواب: قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر تصرف کیلئے عاقل و بالغ ہونا شرط ہے تو طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل بالغ ہونا لازمی ہے۔

وفی الہندیۃ: ومن الشرائط ان لا یکون معتوھاً ولا مدھوشاً ولا مبرسماً ومغمی علیہ ولا نائماً فلا یصح ظہار ھؤلاء۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۰۵ الباب التاسع فی الظہار)[1]

ظہار میں بطور کفارہ کیا واجب ہوتا ہے

سوال: اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ سے ظہار کرے تو اس پر بطور کفارہ کیا اور کتنا لازم ہوگا؟

الجواب: ظہار کرنے سے بیوی شوہر پر اس وقت تک حرام ہوجاتی ہے جس وقت تک وہ کفارہ ادا نہ کرے جس کے لیے دو ماہ مسلسل روزے رکھنا یا عدم استطاعت کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جس کے بعد بیوی اس کے لیے حلال ہوجائے گی۔

وفی الہندیۃ: وحکم الظہار حرمۃ الوطء والدواعی الی غایۃ الکفارۃ۔
(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۰۵ باب الظہار)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابو بکر الکاسانی: منہا ان یکون عاقلاً اما حقیقۃ او تقدیراً فلا یصح ظہار المجنون والصبی الذی لا یعقل لان حکم الحرمۃ وخطاب التحریم لا یتناول من لا یعقل۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۲۳۲ فصل الشرائط فانواع بعضہا)

[2] قال الشیخ الدکتور وھبۃ الزحیلی: تحریم الوطء بالاتفاق قبل التکفیر وکذا عند الجمہور غیر الشافعیۃ تحریم جمیع انواع الاستمتاع ...... الکفارۃ کما دل القرآن والسنۃ النبویۃ انواع ثلاثۃ: (۱) عتق رقبۃ سالمۃ من العیوب صغیرۃ او کبیرۃ ذکراً ام انثی (۲) صیام شہرین متتابعین (۳) اطعام ستین مسکیناً یوماً واحداً غداء وعشاء عند الحنفیۃ۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۶۰۱-۶۰۲ المطلب الثالث اثر الظہار، المطلب الرابع کفارۃ الظہار)

تیرے قریب آؤں تو اپنی ماں کے قریب آؤں

سوال: ایک شخص نے غصے میں اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے قریب آیا تو گویا میں اپنی ماں کے قریب آیا، تو کیا ان الفاظ سے ظہار واقع ہوگا یا طلاق؟

الجواب: ظہار میں اداۃ تشبیہ ضروری ہے اور طلاق میں بھی نکاح کے الفاظ کا ہونا ضروری ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ یہ الفاظ ان دونوں میں داخل نہیں اس لیے ظہار یا طلاق واقع نہیں ہوگا۔

وفی الهندية: ولو قال ان وطئتك وطئت امي فلا شيء عليه۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۰۷ الباب التاسع في الظهار) له

اگر میں گھر واپس آؤں تو گویا ماں کے ساتھ زنا کروں

سوال: میاں بیوی کے مابین کسی بات پر تنازعہ ہوا تو شوہر نے چادر پھاڑ کر کہا کہ اگر میں اس گھر میں واپس آؤں تو گویا میں اپنی ماں بہن سے زنا کروں۔ شرعاً ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ یہ شخص مظاہر شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ظہار میں اداۃ تشبیہ ہونا ضروری ہے بغیر اس کے ظہار نہیں ہوگا۔ چونکہ صورت مسئولہ میں اداۃ تشبیہ نہیں لہٰذا اس سے نہ ظہار واقع ہوگا نہ طلاق۔

قال العلامة الحصكفيؒ: تعريفه شرعاً تشبيه المسلم زوجته بمحرم عليه تابيداً۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۹۲۳ باب الظهار) له

له قال المفتی عزیز الرحمنؒ: سوال: زید نے اپنی منکوحہ کو لڑائی اور غصہ کی حالت میں کہہ دیا کہ اگر میں تجھ سے جماع کروں تو گویا اپنی ماں یا بہن سے کروں، ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا ظہار؟

جواب: عالمگیری میں ہے: ولو قال ان وطئتك وطئت امي فلا شيء عليه الخ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق و ظہار کچھ نہیں ہوا۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۲۱۲ کتاب الطلاق)

له قال المفتی عزیز الرحمنؒ: اگر یہ کہا زوجہ کو کہ اگر میں تیرے گھر میں گھسوں تو اپنی ماں سے بدفعلی کروں تو یہ بھی لغو ہے، نہ ظہار ہے نہ طلاق۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۲۱۳ باب الظہار)

ومثله في بدائع الصنائع ج۳ ص۲۲۹ کتاب الظهار۔

بیوی کا خاوند کو بھائی کہنے سے ظہار لازم نہیں آتا

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک دن ٹی وی پروگرام نے "دین و دنیا" پروگرام میں ایک ڈاکٹر صاحب سے یہ سنا کہ اگر عورت اپنے شوہر سے یہ کہہ دے کہ تو میرا بھائی ہے تو اس سے ظہار واقع ہوجاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی شرعاً عورت کے ان الفاظ سے ظہار لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: شریعت اسلامی میں ظہار کا تعلق مرد سے ہے، عورت کے لیے الفاظ کہنے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ: اس صورت میں نکاح قائم ہے عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہوا۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند جلد ۱۰ ص ۲۱۱ باب الظہار) [1]

بار بار ظہار کے الفاظ منہ سے نکالنے کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے ابھی کفارہ ادا نہیں کیا تھا کہ پھر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالے پھر تیسری بار بھی اسی طرح، کیا اس شخص پر تین دفعہ کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا یا ایک بار ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہوجائے گا؟

الجواب: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کئی بار ظہار کے الفاظ کہے اور اس دوران کوئی کفارہ ادا نہیں کیا ہو تو ایک ہی بار کفارہ ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہوجائے گا، اور اگر ایک بار ظہار کرکے کفارہ ادا کر دیا پھر ظہار کیا تو دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہوگا اس سے پہلے ادا کیا گیا کفارہ کفایت نہیں کرے گا۔

ما قال الشیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی: وإذا كرر الظهار من زوجة واحدة فعليه كفارة واحدة إلا إن ظاهر ثم كفر ثم ظاهر بعد الكفارة فعليه كفارة أخرى. (الفتاوى السعدية ج ۲ ص ۵۰۲ باب الظهار)

---

[1] قال الامام ابو بکر الجصاص الرازی: قال اصحابنا لا يصح ظهار المرأة من زوجها وهو قول مالك والثوري والليث والشافعي. (احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۴۲۱ ظہار المرأۃ من زوجها)
ومثله في احكام القرآن للتھانوی ج ۴ ص ... المسئلة الرابعة.

"اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کہنے سے طلاق کا حکم

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کیا ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ ان الفاظ میں اداتِ تشبیہ نہیں ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ظہار نہیں اور طلاق یا قسم کا ہونا خاوند کی نیت پر موقوف ہے، اگر اس نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو کر تجدیدِ نکاح کافی ہے، اور اگر قسم کی نیت تھی تو یہ الفاظ ایلاء میں شمار ہو کر اس میں بھی تجدیدِ نکاح کافی ہے۔

قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وعلم انه لا بد في كونه ظهاراً من التصريح باداة التشبيه شرعاً۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ... باب الظهار)[1]

دس مرتبہ ظہار سے کفارہ کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تم میرے اوپر میری ماں کی طرح دس مرتبہ ہو تو کیا یہ شخص ایک کفارہ دے گا یا دس مرتبہ کفارہ دے گا؟

الجواب: کسی بھی لفظ کی تعداد ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسا اتنی بار اس نے اس لفظ کو تلفظ کیا ہو جیسے کوئی شخص طلاق دیتے وقت لفظ طلاق عدد کا ذکر کرے تو اتنی طلاق واقع ہو جاتی ہیں، لہٰذا یہاں صورتِ مسئولہ میں بھی دس مرتبہ ظہار واقع ہو چکا ہے اس لیے یہ شخص دس بار کفارہ دے گا۔

قال العلامة الحصكفي: ولو قال ان تزوجتك فانت علي كظهر امي مائة مرة فعليه لكل مرة كفارة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۳ ص ... باب الظهار)

---

[1] وقال العلامة ابن الهمام رحمه الله: فعلم انه لا بد في كونه ظهاراً من التصريح باداة التشبيه شرعاً ومثله ان يقول لها يا ابنتي او يا اختي ونحوه وفي ... انت امي ... فان نوى به الطلاق وقع بائناً۔ (فتح القدير شرح الهداية ج ۴ ص ... كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، باب الايلاء)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۱ كتاب الطلاق، باب الايلاء۔

باب الخلع

(خلع کے مسائل و احکام)

صرف خلع کے وعدہ سے عورت آزاد نہیں ہو سکتی

سوال:- ایک شخص اگر جرگہ/پنچایت کے سامنے وعدہ کرے کہ میں فلاں تاریخ تک بیوی سے اتنی رقم لے کر اس کو آزاد کر دوں گا لیکن اب وہ شخص وعدہ پورا نہیں کر رہا کیا اس کا وعدہ خلع متصور ہو کر عورت آزاد ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- خلع میں میاں بیوی کے درمیان باقاعدہ ایجاب و قبول کرنا ضروری ہے صرف خلع کے وعدہ سے عورت کو آزادی نہیں ملتی کیونکہ خلع ایک عقد اور انشاء کا نام ہے۔

قال ابن عابدینؒ: یقال خالعت المرأۃ زوجها مخالعة اذا افتدت منه فخلعها۔

(رد المحتار ج۲ ص۶۰۳ باب الخلع)[1]

اجنبی شخص پر بدلِ خلع کے لزوم کا حکم

سوال:- اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ خلع کرنے پر آمادہ ہو اور اس کے پاس بدلِ خلع نہ ہو اور کوئی دوسرا شخص جو اس عورت کے ساتھ آزادی کے بعد نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ بدلِ خلع کی ذمہ داری اٹھائے تو کیا اس شخص پر بدلِ خلع کی ادائیگی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:- بدلِ خلع کی ادائیگی کی ذمہ داری اگر کوئی اجنبی شخص اٹھائے تو خلع واقع ہو کر عورت بائن ہو جاتی ہے، اور اجنبی شخص پر بدلِ خلع کی ادائیگی لازم ہے تاہم اس کے بعد اس عورت سے نکاح کرنا الگ معاملہ ہے جس کے وجود یا عدمِ وجود پر خلع کا وجود موقوف نہیں۔

---

[1] وفی الهندیة: ولو انه قالت طلقنی بکذا فقال نعم فلیس بشیٔ لانه وعد۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه)

وقال ابن نجیمؒ: وشرعاً علی ما اخترناه ازالة ملك النكاح المتوقفة علی قبولها بلفظ الخلع او ما فی معناه۔ (البحر الرائق ج۴ ص۷۷ باب الخلع)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۴۵ فصل واما الطلاق علی مال فهو فی احکامه کالخلع۔

قال العلامة الحصكفيؒ: فان خلعها الاب من مال ضامنا له۔۔۔ وقال: كالخلع مع الاجنبي۔

قال ابن عابدينؒ: تحت هذا القول: وحاصل الامر فيه انه اذا خاطب الزوج فان اضاف البدل الى نفسه يفيد ضمانه له او ملكه اياه كاخلعها بالف علي او على انى ضامن صح والبدل عليه۔ (الدر المختار مع حاشية رد المحتار ج٣ ص٤٦١ باب الخلع مطلب فى خلع الفضولی) ؎

نافرمان عورت سے خلع کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کی بیوی نافرمان ہو اور والدین کے گھر بیٹھی ہو، بلاوجہ بیٹھی رہتی ہو، خاوند کے بار بار مطالبہ پر اس کے پاس نہ آتی ہو تو اگر خاوند ایسی نافرمان عورت سے خلع کر کے کچھ رقم وصول کرے تو کیا خاوند کے لیے اس رقم کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کی نافرمانی بلاوجہ ہو اور خاوند اس میں قصوروار نہ ہو تو خاوند کے لیے خلع کر کے رقم لینے میں کوئی حرج نہیں، اس حالت میں حق مہر سے زیادہ رقم بھی خلع میں وصول کی جا سکتی ہے، البتہ اگر خاوند کی کسی کمزوری کی وجہ سے بیوی نافرمان ہو تو خاوند کے لیے حق مہر سے زائد رقم لینا اگرچہ قضاءً جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وكره تحريما اخذ شئ ويلحق به الابراء عما لها عليه ان نشز وان نشزت لا، ولو منه نشوز ايضا ولو باكثر مما اعطاها على الاوجه فتح، وصحح الشمني كراهة الزيادة، وتعبير الملتقى لا بأس به يفيد انها تنزيهية۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج٣ ص٤٤٥ باب الخلع) ؎٢

؎ قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: وفي البزازية الكبيرة اذا خلعها ابوها او اجنبي بانفسهما جاز والمال عليهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص٩١ باب الخلع)

ومثله فى فتح القدير ج۴ ص٩٠ باب الخلع

؎٢ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: تحت قوله وكره له اخذ شئ ان نشز وان نشزت لا اى لا يكره له الاخذ اذا كانت هى الكارهة اطلقه فشمل القليل والكثير وان كان اكثر مما اعطاها وهو المذكور فى الجامع الصغير والمذكور فى الاصل كراهة الزيادة على ما اعطاها فينبغى حمله على خلاف الاولى۔

(البحر الرائق ج۴ ص٧٧ باب الخلع)

خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع کرانے کا حق نہیں

سوال:۔ ایک شخص صحت مال کے اعتبار سے نیز دیگر اعتبارات سے بھی معیوب نہیں لیکن اس کی بیوی نے عدالت میں اس کے خلاف خلع کا دعویٰ دائر کر رکھا ہے جبکہ خاوند تفریق پر راضی نہیں، تو کیا قاضی خاوند کی رضامندی کے بغیر تفریق یا خلع کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب خاوند بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا ہو تو اس صورت میں خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع و تفریق کرانے کا حق نہیں، کیونکہ طلاق اور خلع میں رضاء زوج شرط ہے۔

قال العلامة الكاسانيؒ: واما ركنه فهو الايجاب والقبول لانه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(بدائع الصنائع ج۳ ص۱۴۵ كتاب الطلاق۔ فصل في الخلع)

وقال الامام السرخسي رحمه الله: والخلع جائز عند السلطان وغيره لانه عقد يعتمد التراضي كسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض وللزوج ولاية ايقاع الطلاق وله ولاية الالتزام بعوض۔ (المبسوط لشمس الائمة السرخسيؒ ج۶ ص۱۷۳ باب الخلع) اه

بدل خلع کی مقدار

سوال:۔ کیا بدل خلع کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر حق مہر سے زائد مال سے خلع کیا جائے تو خاوند کے لیے اس زائد مال کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدل خلع کے لیے کوئی خاص مقدار متعین نہیں، میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے جس مقدار پر بھی اتفاق ہو تو خلع سے بیوی آزاد ہو جائے گی، تاہم اگر اس طرح سے باہمی جدائی کا سبب خاوند کا معاندانہ رویہ اور انسانیت سوز سلوک ہو تو خاوند کے لیے حق مہر سے زائد رقم لینا مکروہ ہے ورنہ بصورت دیگر ناشزہ و نافرمان عورت سے حق نکاح کے عوض جو مقدار بھی مقرر ہو خاوند کے لیے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما في الهندية: وان كان النشوز منها كرهنا له ان يأخذ منها اكثر مما اعطاها. الهندية: وشرطه (اي الخلع) شرط الطلاق. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن في الخلع وما في حكمه۔ الفصل الاول في شرائط الخلع وحكمه وما يتعلق به)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار باب الخلع۔

اعطاھا...... ولو اخذ الزیادۃ جاز قضاءً۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۸۳ باب الخلع) [1]

ناچاقی کی صورت میں خلع بہتر ہے

سوال:۔ اگر میاں بیوی کی طبیعتوں میں ایک دوسرے سے لگاؤ نہ ہو اور ہر وقت ناچاقی رہتی ہو اور حدود اللہ کی رعایت نہ رکھنے کا قوی اندیشہ ہو اس صورت میں اگر عورت خلع کرنا چاہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب طبائع میں ایک دوسرے سے ہم آہنگی کے بجائے آپس میں نفرت پیدا ہو رہی ہو اور اس سے مختلف معاشرتی اور اخلاقی مسائل پیدا ہو رہے ہوں تو ان حالات میں انتظار رہنے کی بجائے بذریعہ خلع علیحدہ ہو جانا بہتر ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ : فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ۔ (البقرۃ آیت ۔۔۔) [2]

خلع عورت کے قبول پر موقوف ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو کسی رقم کے عوض طلاق دینے پر آمادہ ہو تو اس کے نافذ ہونے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب:۔ کسی نقد رقم یا جائیداد خواہ حق مہر ہو یا اس سے زائد پر خاوند بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اس صورت میں چونکہ عورت مقررہ مال کی خاوند کو ادائیگی کی پابند ہوتی ہے اس لیے اس کی صحت عورت کی قبول پر موقوف ہے، عورت اگر قبول نہ کرے تو خاوند اس سے جبری طور پر مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ عورت خاوند کو مال کے عوض طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے، ایسی طلاق بالمال خلع کے نام سے موسوم ہے جس میں اگر خاوند تین طلاق اکٹھی دے دے تو منکوحہ مُطلقہ مغلظہ کے حکم میں ہوگی ورنہ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

---

[1] وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : نعم یکون اخذ الزیادۃ خلاف الاولیٰ۔
(ردّ المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۶۰۶ باب الخلع)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۴۹۵ باب الخُلع۔

[2] قال المرغینانیؒ: واذا تشاق الزوجان وخافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا بأس بان تفتدی نفسھا منہ بمال یخلعھا بہ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۸۳ کتاب الطلاق باب الخلع)
وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۶ بابُ الخلع۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ... فهو كما في البيع ... فان بعوض ... الايجاب والقبول۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۷۶۱ باب الخلع) ۱

بیٹے کی طرف سے باپ خلع نہیں کرسکتا

سوال: ایک نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا نکاح دونوں کے والدین نے بچپن میں کر دیا تھا اب جبکہ لڑکی بالغ ہو گئی ہے اور لڑکا ابھی تک نابالغ ہے، دونوں میں نااتفاقی پیدا ہو کر لڑکی باپ کے گھر چلی گئی ہے، بعد میں لڑکے کے والد نے لڑکی والوں سے بدل خلع تین سو روپے لیکر خلع کر دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نابالغ لڑکے کی طرف سے باپ نے کیا ہوا خلع درست ہے؟ اور لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نابالغ نہ خود خلع کا اہل ہے اور نہ ہی والد اس کی طرف سے خلع کر سکتا ہے، لڑکی تاحال لڑکے کے نکاح میں ہے لہٰذا کسی دوسری جگہ اس کا نکاح جائز نہیں، لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد صحیح صورتحال سامنے آ سکتی ہے۔

لما في الهندية: خلع الاب على ابنه الصغير لا يصح ولا يتوقف على اجازته. كذا في فتاوى قاضيخان. خلع السكران والمكره جائز وخلع الصبي باطل۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۲۳ الفصل الثالث في الطلاق بالمال) ۲

---

۱ وفي الهندية: ولو اراد الزوج على حرف الجواب فقال خالعتك ثلاثا بالف عند ابي حنيفة يتوقف على قبولها فان قبلت يقع الثلاث ويلزمها الالف وان لم تقبل بطل وعلى قولهما يقع الثلاث بلا شيء كذا في شرح الجامع الصغير لقاضي خان۔
[الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۹۶
الباب الثامن في الخلع]

۲ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وقيد بالاب ... في متن الكنز لانه لو خلع ابنه الصغير لا يصح ولا يتوقف خلع الصغير على اجازة الولي۔
(البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۴ ص ۹۱ باب الخلع)
ومثله في فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ۱ ص ۵۲۲ باب الخلع۔

خلع طلاق بائن کے حکم میں ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! خلع فقہاء احناف کے ہاں طلاق ہے یا فسخ نکاح؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف، اکثر الفقہاء وعلماء کے نزدیک خلع طلاق بائن کے حکم میں ہے جبکہ شوافع اس کو فسخ نکاح میں شمار کرتے ہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وقع طلاق بائن في الخلع رجعي في غيره وقوعاً۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: تحت قوله (بائن في الخلع) لانه من الكنايات الدالة على قطع الوصلة فكان الواقع به بائناً۔ (رد المحتار ج٣ ص٤٩ باب الخلع) [1]

ایجاب خلع کے بعد شوہر کا رجوع صحیح نہیں

سوال: خلع میں شوہر نے ایجاب کیا، ابھی عورت نے قبول نہیں کیا تھا کہ شوہر نے رجوع کے الفاظ کہے مگر اس کے باوجود بھی عورت نے خلع قبول کر لیا تو کیا اس سے خلع لازم ہوگا یا شوہر کا رجوع صحیح ہے؟

الجواب: خلع چونکہ مرد کی جانب سے یمین ہے اور یمین میں شرعاً رجوع نہیں کیا جا سکتا، اس لیے صورت مسئولہ میں شوہر کا رجوع کرنا درست نہیں بلکہ عورت کے قبول کر لینے سے خلع نافذ العمل ہوگا، البتہ اگر ایجاب عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کا رجوع کرنا صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: هو يمين في جانبه لانه تعليق الطلاق بقبولها فلا يصح رجوعه عنه قبل قبولها ولا يصح شرط الخيار له ولا يقتصر على المجلس أي مجلسه ويقتصر قبولها على مجلس علمها وفي جانبها معاوضة بمال فصح رجوعها قبل قبوله وصح شرط الخيار لها۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج٣ باب الخلع) [2]

---

[1] قال الشيخ وهبة الزحيلي: الخلع يقع به طلقة بائنة ولو بدون عوض وهذا في رأي الحنفية والمالكية والشافعية في الجديد وأحمد في رواية۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج٧ ص٤٨٦ البحث الثاني آثار الخلع)

ومثله في الهندية ج١ ص٤٨٨ الباب الثامن في الخلع وما في حكمه۔

[2] قال الشيخ وهبة الزحيلي: وذهب ابو حنيفة الى ان الخلع قبل قبول المرأة يمين من جانب الزوج فلا يصح الرجوع عنه لانه علق طلاقها على قبول المال والتعليق يمين اصطلاحاً ويعتبر معاوضة بمال من جانب الزوجة لانها التزمت بالمال في مقابل افتداء نفسها وتخليصها من الزوج۔

(الفقه الاسلامي وادلته ج٧ ص٤٨٦ البحث الثاني: صفة الخلع)

خلع کے بعد تجدیدِ نکاح صحیح ہے

سوال :۔ ایک شخص نے بیوی کے ساتھ خلع کیا، اب وہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو کیا شرعاً تجدیدِ نکاح سے نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب :۔ احناف کے ہاں چونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے اور طلاقِ بائن کے بعد تجدیدِ نکاح سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ میں صرف خلع ہوا ہو تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والواقع به ولو بلا مال (و) بالطلاق (الصریح علی مال طلاق بائن۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۸ باب الخلع) لہ

صبی و مجنون کا خلع نافذ العمل نہیں

سوال :۔ کیا صبی و مجنون وغیرہ کا خلع صحیح ہے جب وہ اپنی بیوی سے بعوض حقِ مہر یا دیگر اموال کے بدلے خلع کرے؟

الجواب :۔ خلع ایک قسم کی طلاق ہے اس میں ہر اس شرط کا ہونا ضروری ہے جو طلاق کیلئے ضروری ہو، چونکہ صبی و مجنون اور معتوہ کی طلاق شرعاً صحیح نہیں اسلئے ان کا خلع کرنا بھی درست نہیں۔

وفی الهندية: وخلع الصبی باطل والمعتوه والمغمی علیه ومن مرض بمنزلة الصبی فی ذلك هكذا فی المبسوط۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع) لہ

☆ ☆

لہ وفی الهندية: وحكمه وقوع الطلاق البائن كذا فی التبيين۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه)

ومثله فی البحر الرائق ج۴ ص۷۶ باب الخلع۔

لہ قال الشيخ وهبة الزحيلی: يشترط فی المخالع ما يشترط فی المطلق: أهلية الزوج لايقاع الطلاق بأن يكون بالغاً عاقلاً فی رأی الجمهور ..... فكل من لا يصح طلاقه كالصبی والمجنون والمعتوه ومن زال عقله بدهش أو مرض
(الفقه الاسلامی وادلته ج[illegible] ص[illegible] شروط الخلع)

باب العنین

(نامرد کے مسائل و احکام)

زوجۂ عنین کا حکم

سوال :- ایک لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا شادی کے بعد معلوم ہوا لڑکا تو عنین نامرد ہے اور حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی افاقہ نہیں ہوا، لڑکی جوان ہے شرعاً اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگر خاوند کے عنین ہونے کا علم نکاح سے قبل عورت کو نہ ہو تو بیوی کو اسکے نامرد ہونے پر علم حاصل ہونے کے بعد اسکے نکاح میں رہتے ہوئے اگر خاوند ظاہر کرے کہ بیوی کو خاوند نے اسکے ساتھ ایک دفعہ بھی جماع کیا ہو تو پھر قاضی یا مسلمان حاکم کے حکم سے خاوند کو علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، یہ سال میں اگر وہ صحتیاب نہ ہو سکا تو عورت کے مطالبہ پر قاضی یا مسلمان حاکم دونوں کے درمیان تفریق کر کے نکاح فسخ کریگا، اور اگر قاضی یا حاکم فسخ نکاح کے لیے میسر نہ ہوں تو عورت خود بھی اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے جب وہ اپنے نفس کو اس کے نکاح سے علیحدہ کرنے کے لیے اختیار حاصل کرے۔

لما قال ابن عابدینؒ : ویکفی اختیارھا نفسھا ولا یحتاج فی تفریقھما الٰی قضاءٍ قیل وھو الاصل کما فی غایۃ البیان وفی البدائع عن شرح مختصر الطحاوی ان الثانی ای عدم الاحتیاج الی القضاء ظاھر الروایۃ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۶۶ باب العنین مطلب فی طبائع نصوب السنۃ الاربع)۔

یہاں یہ یاد رہے کہ علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت قاضی یا حاکم ہی کے حکم سے مقرر کرنے کے وقت سے شمار کی جائے گی کسی دوسرے شخص کے کہنے سے قبل از خصومت و تنازع تقرر کا اعتبار نہ ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ : وعبّر بالتأجیل غیر قاضی البلد لا یوجب ولا یعتبر تأجیل غیر القاضی کائناً من کان۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۲ باب العنین بعنوان اعتبر الحاکم الامام) وفی الدر المختار : ویؤجل ولو قِنّا او مُجبوباً ... (ج۲ ص۶۶۲ باب العنین)[1]

---

[1] قال المرغینانیؒ : واذا کان الزوج عنیناً اجلہ الحاکم سنۃ فان وصل الیھا فبہا والا فرق بینھما اذا طلبت المرأۃ ذٰلک۔ (الہدایۃ ج۲ ص۳۹۹ باب العنین وغیرہ)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۵۲۲ الباب الثانی فی العنین۔

ابتداءً رضامندگی سے خیار باطل ہوجاتا ہے

سوال:- اگر کوئی عورت ابتداءً عنین شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سال دو سال بعد شوہر سے الگ ہونے کا دعویٰ عدالت میں دائر کرلے تو کیا اس عورت کو شوہر سے الگ ہونے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر کوئی عورت شادی کے بعد اپنے شوہر کو عنین پائے تو اس کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر جب وہ ایسے شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کردے تو پھر اس کو تفریق یعنی فسخ نکاح کا حق باقی نہیں رہتا۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اشترط الفقہاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وھما .... (۲) الا یرضی بالعیب بعد العقد فان کان طالب التفریق عالماً بالعیب ثم علم بہ بعد ابرام العقد ورضی بہ سقط حقہ فی طلب التفریق ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب)[۱]

خیار فسخ کے ختم ہونے کی شرائط

سوال:- اگر ایک عورت کو کسی طریقے سے یہ معلوم ہوجائے کہ وہ جماع پر قادر نہیں اس کے باوجود وہ اس کے ظاہری حسن وجمال یا اس کے مال ودولت کے لالچ کی وجہ سے اس سے نکاح کرے اور کچھ عرصے کے بعد اس بنا پر تفریق کا مطالبہ کرے کہ یہ شخص جماع پر قادر نہیں ہے تو کیا اس عورت کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- علماء احناف کے ہاں شوہر میں عیب کی وجہ سے فسخ نکاح کیلئے چند شرائط ہیں۔ (۱) یہ کہ اس عورت کو شوہر کے اس عیب کا علم نکاح سے قبل ہو (۲) یہ کہ اس عورت کو شوہر کا یہ عیب نکاح سے پہلے معلوم ہوا ور اس کے باوجود وہ اس سے نکاح کرے تو پھر اس کو طلب تفریق یعنی نکاح فسخ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح صورت مسئولہ

۱ـ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولو اختارتہ بطل حقھا ...... اشار بجعلہ لہا الخیار الی انہ لو فرق بینھما ثم تزوجھا فانہ لم یکن لہا خیار لرضاھا بحالہ کما لو تزوجتہ عالمۃ بحالہ ابتداء ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۶ باب العنین)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۳ باب العنین۔

میں بھی اس عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال الشیخ ابو زھرۃؒ: ویشترط للتفریق فی العنۃ والجب والخصاء ثلاثۃ شروط (۱) ... ان تکون عالمۃ بذلک عند العقد فان علمت به عند العقد ورضیت فانه لیس لها حق فی طلب التفریق بسببه۔

(الاحوال الشخصیۃ ص۳۵۲ التفریق للعیب) [1]

خصی اور عنین کا حکم ایک ہی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! جس طرح عنین کے لیے بغرضِ علاج معالجہ ایک سال کی مہلت ہے تو کیا خصی کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا بغیر مہلت کے ان میاں بیوی میں تفریق کی جائے گی؟

الجواب:۔ عنین اور خصی دونوں کو قاضی علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا تاکہ وہ اس مدت میں اپنا علاج کرا کے جماع کے قابل ہو سکے، اور اگر اس کے باوجود وہ جماع کے قابل نہ ہو سکے تو ایک سال کے بعد دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

لما قال الشیخ الامام ابو زھرۃؒ: أما العنۃ والخصاء فلا یحکم القاضی بالتفریق فیهما بمجرد طلبها وثبوت عدم قبولها بل لابد من تأجیلها سنۃ وثبت انه لم یقربها وذلک لان عمر رضی الله عنه اجل التفریق سنۃ عندما طلبت امرأۃ التفریق لأن زوجها لم یقربها۔ (الاحوال الشخصیۃ ص۳۵۴ التفریق للعیب) [2]

---

[1] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اشترط الفقهاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب (وھما) الا یکون طالب التفریق عالماً بالعیب وقت العقد فان علم به فی العقد او عقد الزواج لم یحق له طلب التفریق لأن قبوله التعاقد مع علمه بالعیب رضا منه بالعیب۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹۴ باب العنین۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: وأجل سنۃ لو عنیناً او خصیاً وھو من نزع خصیتاه وبقی ذکره۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۴ باب العنین)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹۵ باب العنین۔

مقطوع الذکر کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص مجبوب ہو (یعنی جس کا آلۂ تناسل بالکل نہ ہو) تو کیا اسے بھی ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب یا مقطوع الذکر ہو جائے تو اس کو مہلت دینے میں چونکہ کوئی فائدہ نہیں اور نہ وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے جو مہلت دینے سے مقصود ہوتا ہے اس لیے مجبوب کو مہلت دیئے بغیر دونوں کے درمیان قاضی یا جج تفریق کر دے گا۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ : وجدت زوجها مجبوباً فرق فی الحال وهو من استوصل ذکره و خصیتاه ...... وانما لم یؤجل لعدم افادته۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۱۲۴ باب العنین وغیرہ) [1]

عقیم مرد سے فسخ نکاح کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک شخص جماع پر تو قادر ہے لیکن ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اس کے مادۂ منویہ میں اولاد پیدا کرنے والے جراثیم ختم ہو چکے ہیں جبکہ اس کی بیوی تندرست اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو کیا عورت نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی کو اولاد دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے بچے عنایت فرمائے اور جسے چاہے نہ دے، جراثیم کا ختم ہونا کوئی عیب نہیں اور نہ ڈاکٹری رپورٹ حکم قطعی ہے، لہٰذا جب کسی عورت کا خاوند نفس جماع پر قادر ہو تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرلے۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ : اذا کان الزوج عنیناً اجله الحاکم سنۃ فان وصل الیها فیها والا فرق بینهما اذا طلبت المرأۃ ذلک۔ (الهدایۃ ج ۲ ص ۳۹۹ باب العنین)

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله : اذا وجدت المرأۃ زوجها مجبوبا او مقطوع الذکر فقط او صغیره جداً کالزر ...... فرق الحاکم بطلبها ...... بینهما فی الحال ولو المجبوب صغیرا لعدم فائدۃ التاجیل۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۴۹۴ باب العنین)

مطلقہ قبل الدخول کی عدت

سوال:۔ اگر ایک شخص نے قبل الدخول اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو کیا ایسی حالت میں مطلقہ پر عدت گذارنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے کی صورت میں مطلقہ کے ذمہ عدت گذارنا واجب نہیں، لہٰذا طلاق سے جدا ہو کر اس کے فوراً بعد یا تاخیر سے بغیر کسی تحدیدِ مدت کے دوسری جگہ نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال اللّٰہ عزّ وجلّ: وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا. (سورۃ الاحزاب آیت ۴۹) [1]

نابالغہ کی عدت

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی نابالغ بیوی کو ہمبستری کے بعد طلاق دی ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟

الجواب:۔ نابالغ عورت حیض نہ ہونے کی وجہ سے مہینوں کے اعتبار سے عدت گذارے گی لہٰذا تین ماہ گذر جانے کے بعد مطلقہ آزاد ہوگی، تاہم اگر دورانِ عدت حیض آنا شروع ہو گیا تو پھر عدت مہینوں کے بجائے حیض سے شمار ہوگی۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ (سورۃ الطلاق آیت [illegible])

وفی الہندیۃ: والعدۃ لمن لم تحض لصغر او کبر او بلغت بالسن ولم تحض ثلاثۃ اشہر کذا فی النقایۃ، وکذا لو رأت دماً یوماً ثم لم تر فعدتہا بالشہور وہو الصحیح ولو رأت ثلاثۃ دماً ثم انقطع فعدتہا بالحیض۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۵۲۶ باب العدۃ) [2]

---

[1] لما قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللّٰہ: وشرط وجوبہا (ای العدۃ) ... الدخول وما یجری مجری الدخول وہو الخلوۃ الصحیحۃ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص[illegible] باب العدۃ، فصل ومنہا ان یکون النکاح الثانی صحیحاً)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۵۲۶ الباب الثالث عشر فی العدۃ۔

[2] قال العلامۃ برہان الدین المرغینانی: وان کانت ممن لا تحیض من صغر او کبر فعدتہا ثلاثۃ اشہر۔ (الہدایۃ ج۲ ص[illegible] باب العدۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۴ ص[illegible] باب العدۃ۔

معتدۂ عدت کہاں گزارے گی

سوال: عدت گزارنے والی عورت کیلئے عدت کے دوران خاوند کے گھر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ رہائش اختیار کرنا کیسا ہے؟

الجواب: معتدہ کے لیے خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں جس گھر میں اس کو طلاق ملی ہو یا خاوند وفات پا گیا ہو عورت وہاں پر ہی عدت گزارے گی اس لیے کہ جس عورت کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں اس کے لیے خاوند کے گھر سے کسی وقت نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ متوفی عنہا زوجہا کے لیے دن میں اتنی ضرورت کے لیے نکلنا مرخص ہے کہ جتنے وقت میں اپنی دنیاوی ضرورت پوری کرے لیکن رات کو لازمی طور پر شوہر کے گھر آنا ضروری ہوگا تاہم اگر مکان کرایہ کا ہو اور بیوہ کے لیے کرایہ کا انتظام مشکل ہو تو پھر اس ضرورت کے تحت والدین کے گھر بھی عدت گزار سکتی ہے۔

لہ قال العلامة الحصكفي: وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا تخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۴ باب العدة)

دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا ضروری ہے

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں اب دونوں دوبارہ آباد ہونے کیلئے حلالہ پر راضی ہیں لیکن عورت چونکہ حاملہ ہے جس کی وجہ سے وضع حمل کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، اس صورت میں یہ عورت کہاں سکونت اختیار کرے گی؟ کیا خاوند کے ہاں رہ سکتی ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت کے لیے دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے، تاہم اگر نکاح سے قبل خاوند کی طرف سے کسی فسق و فجور کا خطرہ ہو تو

لہ وفي الهندية: على المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة أو الموت ... وفيه - وإن اضطرت إلى الخروج من بيتها ... في عدة الوفاة فلا بأس عند ذلك أن تنتقل ... الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۳۵ الباب الرابع عشر في الحداد)

ومثله في البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۳ فصل في الإحداد۔

اس کے فساد کے پیشِ نظر خلوت سے اجتناب کرنا یا دیگر احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ زنا وغیرہ کے ارتکاب سے بچا جا سکے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ولهما ان يسكنا بعد الثلث في بيت واحد اذا عدلا ولم يلتقيا التقاء الازواج ولم يكن فيه خوف فتنة وفيه عن المجتبى الافضل الحيلولة بستر ولو فاسقاً فبامرأة الخ

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۸۴۱ باب العدة) ؎۱

زنا کے ارتکاب سے عدت متاثر نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر مطلقہ مغلظہ سے خاوند باوجود اقرارِ حرمت کے دورانِ عدت زنا کرے تو کیا اس سے عدت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مطلقہ مغلظہ سے اگر خاوند دورانِ عدت زنا کا ارتکاب کرے تو عدت جاری رہے گی اس سے عدت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما في الهندية: واما المطلقة ثلاثاً اذا جامعها زوجها في العدة مع علمه انها حرام عليه ومع اقراره بالحرمة لا تستأنف العدة۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۳۲ باب الثالث عشر في العدة) ؎۲

عورت کا خاوند کے گھر میں عدت گزارنے کی وجہ

سوال:۔ طلاق ہو جانے کے بعد عورت کو خاوند کے گھر میں عدت گزارنے کا پابند کیوں کیا گیا ہے جبکہ عورت کسی دوسری جگہ بھی عدت گزار سکتی ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ عورت پر یہ لازم نہیں کردہ طلاق سے معتدہ ہونے کی صورت میں خاوند کے

؎۱ قال ابن نجيمؒ: ولا بأس بان يسكنا في بيت واحد اذا كان عدلاً سواء كان الطلاق رجعياً او بائناً او ثلاثاً والافضل ان يحال بينهما في البيتوتة بستر، الا ان يكون الزوج فاسقاً فيحال بامرأة ثقة تقدر على الحيلولة بينهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۵۳ باب العدة فصل في الاحداد)

ومثله في الهندية ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر في الاحداد۔

؎۲ قال العلامة ابن عابدينؒ: لو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نكاح عالماً بحرمتها لا تجب عدة اخرى لانه زنا۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۶۱ باب العدة)

ومثله في الخانية على هامش الهندية ج۱ ص۵۴۳ فصل في انتقال العدة۔

گھر میں رہے لیکن عدت کے دوران چونکہ اس کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا اس لیے شریعت نے اس کے اخراجات کا (قابل انتظام نہ ہونے تک) خاوند کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔ مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ عورت حاملہ ہو اور بچہ کی ولادت تک عورت خاوند کے حق میں محبوس رہے گی، اس لیے عورت کے لیے خاوند کے گھر کے علاوہ کوئی اور بہتر جگہ میسر نہیں اور طلاق رجعی کی صورت ممکن ہے کہ عورت کا خاوند کے گھر میں رہنا دوبارہ تعلقات کی بحالی کا ذریعہ ثابت ہو۔

قال العلامة الامام الکاسانیؒ: وانما تجب هذه العدة ای عدة الاقراء لاستبراء الرحم لوجوب العدة لیعلم بها فراغ الرحم وشغلها - وایضاً قال: وانه تجب لاظهار الحزن بفوت نعمة النکاح - (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱،۱۹۲ کتاب العدة فصل واما العدة بالاقراء فی فصل قلعہ)[۱]

عدت کی کم از کم مدت

سوال: غیر حاملہ عورت طلاق کے بعد دعویٰ کرے کہ میری عدت گزر گئی ہے تو کتنی مدت میں اس کے قول کو اعتبار دیا جائے گا؟

الجواب: صاحبینؒ کے نزدیک ایسے دعویٰ کے لیے کم از کم ۳۹ دن کا ہونا ضروری ہے کیونکہ کم از کم تین حیض کے لیے نو دن اور دو طہر کے لیے تیس ایام درکار ہوں گے تاہم عورت کی عادت کو مدنظر رکھتے ہوئے ۳۹ سے زائد ایام کے وقت فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: قالت مضت عدتی والمدة تحتمله وکذبها الزوج قبل قولها مع حلفها والا تحتمله المدة لا۔ وقال العلامة ابن عابدینؒ: فی هذا المقام وعندهما اقل مدة تصدق فیها الحرة تسعة وثلاثون یوماً ثلاث حیض بتسعة ایام وطهران بثلاثین۔

(رد المحتار ج۲ ص۶۱۲ باب العدة۔ مطلب فی وطء المعتدة بشبهة)[۲]

---

۱ قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی "فی بیان وجه العدة" براءة الرحم وصون النسب واعطاء الفرصة الکافیة للزوج بعد الطلاق لیعود لزوجته المطلقة۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۶۲۵ باب العدة)

۲ قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: واذا قالت المعتدة انقضت عدتی وکذبها الزوج کان القول قولها مع الیمین۔

(الهدایة ج۲ ص۴۲۵ کتاب الطلاق۔ باب العدة)

ومثله فی فتح القدیر ج۴ ص۱۵۱ باب العدة۔ کتاب الطلاق۔

باہمی تعلقات منقطع ہونے کے باوجود مطلقہ کیلئے عدت ضروری ہے

سوال:- اگر ایک عورت اپنے خاوند سے بھاگ کر کسی اور شخص کے پاس مدت دراز تک غیر شرعی سرگرمیوں میں ملوث رہی اور کئی سالوں تک اس کا خاوند سے رابطہ نہیں رہا، اسی حالت میں اگر خاوند اس کو طلاق دیدے تو کیا اس عورت پر عدت گزارنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب تک منکوحہ کو خاوند سے طلاق نہ ملے تو میاں بیوی کی عرصہ دراز تک باہمی جدائی سے نکاح متاثر نہیں ہوتا، نکاح کی موجودگی میں عورت کے ہاں جو بچہ پیدا ہو تو بوجہ نکاح خاوند سے اس کا نسب ثابت ہوگا، اس حالت میں نسب کا انتفاء لعان پر موقوف ہے، بایں وجہ جب تک نکاح کی بقاء زوال پر منتج نہ ہو تو عورت کے لیے عدت ضروری ہوگی اگرچہ عرصہ دراز تک میاں بیوی کا رابطہ منقطع رہا ہو۔

قال الله تبارک وتعالیٰ: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (سورۃ البقرۃ آیت)

وقال النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام: الولد للفراش۔ رواہ ابو داؤد ج۱ ص۳۱۰ عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ [1]

عدت کی ابتداء زوال نکاح سے شمار ہوگی

سوال:- ایک عورت اپنے خاوند سے چار سال تک جدا رہی اور ایک دوسرے سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی، اب جبکہ خاوند نے خلع کر دیا ہے تو کیا اس عورت پر عدت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ کے مطابق میاں بیوی کے ایک عرصہ تک علیحدہ رہنے کے باوجود ان کا نکاح باقی ہے، زوال نکاح چونکہ خلع کرنے یا طلاق دینے سے آتا ہے اس لیے عدت زوال نکاح سے شروع ہوکر عورت پر عدت لازم ہے۔

لما قال ملا نظام الدین الحصکفیؒ: ومبدأ العدۃ بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۸۳۲ باب العدۃ مطلب فی وطی المعتدۃ بشبھۃ) [2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: ویثبت نسب ولد المطلقۃ الرجعیۃ اذا جاءت بہ لسنتین او اکثر مالم تقر بانقضاء عدتھا۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۰۹ کتاب الطلاق باب ثبوت النسب) ومثلہ فی رد المحتار ج۲ ص۶۲۷ باب العدۃ فصل فی ثبوت النسب۔

[2] قال المرغینانیؒ: وابتداء العدۃ فی الطلاق عقیب الطلاق۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۲۴ کتاب الطلاق باب العدۃ) ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۵۳۱ کتاب الطلاق الباب الثالث عشر فی العدۃ۔

عدت کے اندر رجوع بالقول کافی ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی لیکن بعد ازاں عدت کے آخری ایام میں رجوع کا ارادہ کیا، باہمی تعلقات کا سہارا لینے کی بجائے صرف دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے، اگر یہ شخص مذکور اب عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدت گذرنے سے قبل خاوند کا رجوع معتبر ہے، عدت کے دوران رجوع کے لیے کسی عمل یا اقدام کی بجائے رجوع بالقول ہی کافی ہے، اس لیے دو گواہوں کے سامنے اس کے رجوع کو اعتبار دے کر دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الهندية: فالرجعة ان يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها شاهدين. الخ ؎١

(الفتاوى الهندية ج١ ص٤٦٨ كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة وما يتصل به)

عدت کے دوران عورت کے جملہ اخراجات کا خاوند ذمہ دار ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہو، اب جبکہ خاوند اور مطلقہ کے باہمی تعلقات مراجعت یا تجدید نکاح سے نہیں بنتے ہوں تو عدت کے دوران مطلقہ کے اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا؟

الجواب:۔ مطلقہ معتدہ ہو یا بائنہ، عدت کے دوران اس کی خوراک، پوشاک اور رہائش کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں، اگر خاوند باہمی رضامندی سے ان اخراجات کی ادائیگی کیلئے تیار نہ ہو تو عورت حاکم وقت یا قاضی کے ذریعہ اس سے ان حقوق کے حاصل کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

قال المرغينانی: واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيا كان او بائنا. (الهداية ج٢ ص٤٢٤ كتاب الطلاق - باب النفقة) ؎٢

؎١ قال المرغينانی: والرجعة ان يقول راجعتك او راجعت امرأتي. (الهداية ج٢ ص٣٧٢ كتاب الطلاق باب الرجعة)

ومثله في مختار ج٣ ص٤٠٣ كتاب الطلاق، باب الرجعة۔

؎٢ قال ابن عابدين: تحت قوله والسكنى، وتجب للمطلقة الرجعي والبائن ... لان النفقة تابعة للعدة وقيد بالرجعي ونفى ... احترز عن الواطئة ام ولده. (رد المحتار ج٢ ص٩٢٦ باب النفقة مطلب في نفقة المطلقة) ......

ومثله في الهندية ج١ ص٥٥٧ كتاب الطلاق، الفصل الثالث في نفقة المعتدة۔

عدتِ وفات میں عورت کا نان ونفقہ کس کے ذمہ ہے

سوال:- عدتِ وفات میں جہاں بیوہ کو عدت گزارنا لازم ہے اس کے اخراجات کی ادائیگی کس کے ذمہ ہے؟

الجواب:- شوہر کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں لیکن خاوند کی وفات سے باہمی تعلق منقطع ہونے کی وجہ سے خاوند سے یہ ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ورثہ سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا، عورت کو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے۔ تاہم جہاں کہیں عورت اخراجات پورا کرنے سے قاصر ہو تو پھر عصبہ (رشتہ داروں) پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

قال برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولا نفقة للمتوفى عنها زوجها۔

(الهداية ج۲ ص۴۲۳ كتاب الطلاق باب النفقة)

وقال ايضاً: والنفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيراً فقيراً أو كانت امرأة بالغة فقيرة۔ (الهداية ج۲ ص۴۴۸ كتاب الطلاق باب النفقة) [1]

ایامِ عدت میں عورت کا پنشن کیلئے جانا

سوال:- میرا شوہر فوت ہو گیا ہے اور مجھے ہر ماہ پنشن کے لیے اپنے متعلقہ دفتر جانا پڑتا ہے جبکہ دفتر والے میرے بغیر کسی اور کو پنشن نہیں دیتے، غربت و افلاس کی یہ حالت ہے کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا، تو کیا میں دورانِ عدت پنشن لینے کے لیے گھر سے باہر جا سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب:- اگرچہ عورت کے لیے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے مگر ضرورتِ شدیدہ کو شریعتِ مطہرہ نے مستثنیٰ کیا ہے، اس لیے اگر آپ کا بغیر پنشن کے گزارہ نہیں ہوتا ہو تو آپ اس مجبوری کی وجہ سے پنشن لینے کے لیے جا سکتی ہیں۔

---

[1] قال الحصكفي: لا نفقة لأحد عشر ... ومنها معتدة موت۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۔۔ باب النفقة، مطلب لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير)

ومثله في الهندية ج۱ ص۵۶۶ كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، وفيه ... فصول، الفصل الثالث في نفقة المعتدة۔

مگر ضرورت پورا ہوتے ہی فوراً واپس آنا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل في الحداد)[1]

دورانِ عدت عورت کا ویزہ کے حصول کیلئے نکلنا

سوال:- اگر غریب الوطنی میں کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور دورانِ عدت عورت کو ویزہ لگوانے کی ضرورت پڑ جائے اور عورت کے جائے بغیر ویزہ لگوانا ممکن نہ ہو تو کیا یہ عورت دورانِ عدت ویزہ لگوانے کیلئے متعلقہ دفتر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عدت طلاق کی ہو یا وفات کی دونوں کے دوران عورت کا بلا ضرورت شرعی کے گھر سے نکلنا جائز نہیں البتہ اگر ضرورت اتنی شدید ہو کہ اس کے جائے بغیر مسئلہ حل نہ ہوتا ہو تو اس مجبوری کی خاطر عورت گھر سے نکل سکتی ہے مگر رات کو گھر واپس آنا بہرحال ضروری ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت ویزہ کے لیے دورانِ عدت جا سکتی ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل في الحداد)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: فقالوا لا تخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة لأن المطلقة تخرج للضرورة بحسبها ليلاً كان أو نهاراً والمعتدة عن موت كذلك۔
(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۳ فصل في الحداد)

[2] ايضاً (حوالہ مذکورہ بالا)

دارالحرب میں نومسلم عورت کی عدت کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے تو کیا یہ عورت عدت گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو عدت گذارنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلم عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے اور وہاں اس کا شرعی شوہر ہو تو وہ تین حیض عدت گذار کر پہلے شوہر سے آزاد ہو جائے گی اور پھر تین حیض عدت گذارنے کے بعد کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح صحیح اور درست ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ولو أسلم أحدهما ثمة لم تبن حتى تحيض ثلاثاً أو تمضي ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر. قال ابن عابدينؒ وهل تجب العدة بعد مضي هذه المدة. (رد المحتار ج۲ ص۳۹۱ باب نكاح الكافر) مطلب[1]

عدتِ وفات کے دوران حج کے لیے جانا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں نے اپنے بھائی کے ساتھ حج کے لیے فارم دیا ہے اور منظوری بھی ہو چکی ہے کہ اس دوران میرے شوہر کا انتقال ہو گیا، اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں اس حالت میں یعنی عدت کے دوران حج کی ادائیگی کے لیے جا سکتی ہوں؟

الجواب:۔ بیوہ عورت کا عدت کے دوران شرعاً بلا ضرورت شدیدہ کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ جہاں جان و مال یا کسی نظام کے ختم ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے نکلنا مرخص ہے۔ حج اگرچہ اسلامی فریضہ ہے مگر علی الفور نہیں، لہٰذا درخواست کرنے اور منظوری ہو جانے کے بعد رقم واپس مل سکتی ہو تو حج یا دیگر کسی بھی سفر کے لیے نکلنا جائز نہیں اور اگر رقم واپس ملنے کا امکان نہ ہو تو پھر مجبوراً سفرِ حج پر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: لا تخرج من بيتها الا ان

---

[1] لما قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وإذا أسلمت المرأة في دار الحرب وزوجها كافر أو أسلم الحربي وتحته مجوسية لم تقع الفرقة عليها حتى تحيض ثلاث حيض ثم تبين من زوجها. (الهداية ج۲ ص۳۴۲ باب نكاح أهل الشرك)

ومثله في شرح الوقاية ج۲ ص۳۱ باب نكاح الرقيق والكافر.

تخرج او ينهدم المنزل ...... فتخرج لأقرب موضع إليه ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب العدۃ) ۔ [1]

حیض نہ آنے کی صورت میں مطلقہ کی عدت کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کو شوہر طلاق دیدے اور کئی ماہ سے اس کو حیض بھی نہیں آرہا ہو جبکہ عورت کی عمر بھی تقریباً ۲۵،۲۶ سال ہے تو اس عورت کی عدت کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیا یہ عورت حیض آنے تک انتظار کرے یا تین ماہ بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک مطلقہ کی عدت اصل بالاحیاض ہے: عدت بالاشہر آئسہ اور صغیرہ کے ساتھ خاص ہے اس لیے یہ عورت مدت ایاس تک انتظار کرے گی۔ مگر آج کل مجبوری کی وجہ سے متأخرین فقہاء نے امام مالکؒ کے قول "ایک سال تک انتظار کرکے دوسرا نکاح کرنے" پر فتویٰ دیا ہے تاہم اس قول پر عمل تب ہوگا جب علاج معالجہ کے بعد بھی حیض نہ آئے اور یہ دوسرا نکاح بھی باجازت قاضی و حاکم ہو۔

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: حنفیہ کے نزدیک تو مدت ایاس تک انتظار حیض ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک نو مہینے اور بقول بعض ایک سال وقت طلاق سے عدت ہے اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ج۲ ص۴۱۹ کتاب الطلاق۔ فصل فی العدۃ والرجعۃ) [2]

عدت طلاق کے دوران شوہر کا انتقال ہوجانا

سوال:۔ کسی عورت کو شوہر نے دو طلاقیں دیں عدت کے دوران ہی

---

[1] قال الشیخ صدر الشریعۃ رحمہ اللہ: وتخرج معتدة الموت في الملوين أي الليل والنهار وتبيت في منزلها أو لا نفقة لها فتخرج إلى الخروج ...... وتعتد في منزلها وقت الفرقة والموت والطلاق إلا أن تخرج أو خافت تلف مالها أو كان ينهدم ......

(شرح الوقاية ج۲ ص۱۳۵ باب العدة كتاب النكاح)

ومثله في الهداية ج۲ ص۴۲۵ باب العدة كتاب النكاح ۔

[2] قال الشيخ وهبة الزحيلي: سنة كاملة للمرأة التي لم يأتها الحيض … بالقيم ولم تبلغ سن اليأس. (الفقه الإسلامي وأدلته ج۷ ص۶۴۶ الفصل الرابع في العدة …)

اس کا انتقال ہوگیا تو اب یہ عورت کون سی عدت گزارے گی، عدتِ وفات یا عدتِ طلاق؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی عدت کے دوران انتقال کر جائے تو اس کی مطلقہ بیوی کی عدت، عدتِ طلاق سے عدتِ وفات میں تبدیل ہوجائے گی، لہٰذا یہ عورت عدتِ طلاق کی بجائے عدتِ وفات (چار ماہ دس دن) گزارے گی بشرطیکہ شوہر نے طلاقِ رجعی دی ہو۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: اذا مات الرجل فی اثناء عدة زوجته التی طلقها طلاقاً رجعیاً انتقلت بالاجماع من عدتها بالاقراء او الاشهر الی عدة وفاة وهی اربعة اشهر وعشرة ایام سواء أکان الطلاق فی حال الصحة ام فی حال مرض الموت لان المطلقة رجعیاً تعتبر زوجة ما دامت فی العدة وموت الزوج یوجب علی زوجته عدة الوفاة۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۶۳۶ الفصل الرابع فی العدة والاستبراء)[1]

حاملہ من الزنا عورت کی عدت

سوال:۔ اگر کوئی عورت زنا کی مرتکب ہوا اور وہ اس زنا سے حاملہ بھی ہو تو کیا ایسی عورت شادی کے لیے وضع حمل کا انتظار کرے گی یا نہیں؟ اور اگر حمل نہ ہو تو کیا اس عورت پر عدت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدت کی مشروعیت ایک مقدس رشتے کے انقطاع کی صورت میں ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں مشروعیت نہیں لہٰذا حاملہ من الزنا کیلئے کوئی عدت نہیں مگر شوہر جماع کرنے کے لیے ایک حیض تک انتظار کرے کہ کہیں حاملہ نہ ہوا اگر ہو تو وضع حمل تک جماع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الکاسانی: ولا تجب علی الحامل بالزنا لان الزنا لا یوجب العدة الا انه اذا تزوج امرأة وهی حامل من الزنا جاز النکاح عند ابی حنیفة ومحمد لا یجوز له ان یطأها ما لم تضع لئلا یصیر ساقیاً ماءه زرع غیره۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱ فصل واما عدة الحبل)[2]

---

[1] قال المرغینانی: اما اذا کان رجعیا تعتبر عدة الوفاة بالاجماع۔ (الهدایة ج۲ ص۴۲۷ باب العدة)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۲۰۱ فصل فی بیان انتقال العدة وتغیرها۔

[2] قال ابن نجیم: وقد منا ان من الزنا لا عدة علیها عند ابی حنیفة ومحمد فیجوز تزوجها ... فلو تزوجت من الزنا ... وهی حامل من الزنا ثم طلقها او مات عنه فانها تعتد بوضع الحمل۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۳۳ باب العدة) ـــــ وَمِثْلُهٗ فی احسن الاحکام ج۵ ص۳۵۸ باب العدة۔

عدتِ وفات شوہر کے گھر گذارنا لازمی ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت گھریلو ناچاقی کی وجہ سے میکے والدین کے گھر چلی جائے اور وہاں دو تین سالوں تک روٹھی بیٹھی رہے کہ اچانک اس کا شوہر فوت ہو جائے تو اب یہ عورت عدتِ وفات کہاں گذارے گی؟ والدین کے گھر میں یا شوہر کے گھر میں؟

الجواب:۔ عدتِ وفات ایک قسم کا سوگ ہے جو کہ شرعاً شوہر کے گھر میں گذارنا لازمی ہے، شوہر کا گھر عورت کا اپنا گھر ہے، میکے میں جانا اس کا اتفاقی حادثہ ہے لہٰذا یہ عورت عدتِ وفات شوہر کے گھر گذارے گی، تاہم اگر اس کا شوہر کے گھر رہنا باعثِ فتنہ وفساد ہو تو پھر اس مجبوری کی خاطر والدین کے گھر میں بھی عدتِ وفات گذارنا مرخص ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: وتعتد في المنزل يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت ولو زارت اهلها وطلقها زوجها كان عليها ان تعود الى منزلها فتعتد فيه۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج۴ ص۱۴۳ باب العدة) [له]

عدتِ وفات کے دوران عورت کا بیماری کی وجہ سے والدین کے گھر جانا

سوال:۔ اگر کوئی عورت عدتِ وفات کے دوران بیمار ہو جائے اور شوہر کے گھر میں اس کی تیمارداری کے لیے کوئی نہ ہو تو کیا اس مجبوری کی وجہ سے اس کے والدین علاج معالجہ کے لیے اسے اپنے گھر لا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عدتِ وفات کے دوران اگرچہ عورت کے لیے شرعاً شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں مگر اس میں ضروریات مستثنیٰ ہیں، انہی ضروریات میں بیماری بھی داخل ہے اس لیے اس مجبوری کی وجہ سے بیوہ عورت کے والدین کا اسے علاج کی غرض سے اپنے گھر لانا جائز ہے۔

له وفي الهندية: وعلى المعتدة ان تعتد في المنزل الذي يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت ... ولو كانت زائرة اهلها او كانت في غير بيتها لامر حين وقوع الطلاق انتقلت الى بيت سكناها بلا تاخير۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۳۵ فصل في الحداد)

ومثله في البحر الرائق ج۴ ص۱۵۵ فصل في الاحداد۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۵۳۲ باب العدۃ)

ہر بیوی کے لیے عدت وفات اپنے اپنے گھر میں گزارنا لازمی ہے

سوال: اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک کا مکان الگ الگ ہو اور شوہر کسی ایک بیوی کے مکان میں فوت ہو جائے تو دوسری بیوی عدت وفات کہاں گزارے؟

الجواب: عورت جس گھر میں رہتی ہو وہ اسی گھر میں ہی عدت وفات وطلاق گزارے حتی کہ اگر یہ عورت اپنی سوکن کے ہاں اظہار تعزیت کے لیے گئی ہو تو واپس آ کر عدت کے ایام اپنے ہی گھر میں گزارے۔

قال العلامة علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ: طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فورا لوجوبہ علیھا۔ وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۵۳۶ باب العدۃ فصل فی الحداد)

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم، ای معتدۃ الطلاق والموت تعتدان فی المنزل المضاف الیھما بالسکنی وقت الطلاق والموت ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینھدم لما تلونا من الآیۃ۔

(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الحداد)

ومثلہ فی امداد الفتاوی ج۲ ص۴۸۵ کتاب الطلاق باب العدۃ۔

[۲] قال فی الھندیۃ: علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت کذا فی الکافی۔ ولو کانت زائرۃ اھلھا او کانت فی غیر بیتھا لامر حین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناھا بلا تاخیر۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۳ فصل فی الاحداد۔

حیض والی عورت کی عدت حیض سے ہے

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ رضاعت میں طلاق دی ہے جبکہ اس عورت کو رضاعت کی وجہ سے دو یا اس سے زائد ماہ تک حیض منقطع ہوتا ہے۔ اب اس عورت کے لیے عدت کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا تین ماہ عدت گزار کر نکاحِ ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- جن مستورات کو حیض تو آتا ہو مگر کسی عارضی وجہ سے بند ہو تو ان کے لیے عدت بالاحیاض ہے اگرچہ تین چار سالوں میں پوری ہو جائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں رضاعت کی وجہ سے حیض عارضی طور پر بند ہے اس لیے اس عورت کو تین حیض آنے تک انتظار کرنا پڑے گا یہی اس کی شرعی عدت ہے۔

قال العلامة الحصكفي: و هي في حق حرة ولو كتابية تحت مسلم تحيض لطلاق ولو رجعيا او فسخ بجميع اسبابه بعد الدخول حقيقة او حكما ... ثلاث حيض كوامل [illegible] ج۳ [illegible] ص [illegible][۱]

شوہر مرزائی یا عیسائی ہو جائے تو عورت پر عدت واجب ہے

سوال:- اگر کسی عورت کا شوہر عیسائی، قادیانی یا یہودی ہو جائے جس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، کیا ایسی عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعتِ اسلامی میں ہر اس جدائی پر عدت واجب ہے جو میاں بیوی کے مابین کسی وجہ سے آجائے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ خاوند کے غیر مسلم ہو جانے کے دونوں کے درمیان جدائی خود بخود آگئی لہٰذا اس عورت پر عدت لازمی ہے۔

قال في الهندية: وان خرجت الحرة [illegible] زوجها [illegible] لم [illegible] ان تتزوج بآخر بعد انقضاء العدة في رواية الاستحسان وفي [illegible] السير

---

[۱] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء لقوله تعالى: والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء. (الهداية ج۲ ص۴۱۱ باب العدة)
ومثله في شرح الوقاية ج۲ ص۱۴۳ باب العدة۔

يس لها ان تتزوج قال شمس الائمة السرخسي الاصح رواية الاستحسان ۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۴۳ الباب النكاح الكافر) ۔ لہ

خلوتِ صحیحہ کے بعد عدتِ طلاق کا حکم

سوال:۔ والدین نے ایک جگہ اپنے بیٹے کی شادی کردی مگر بیٹا وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ تھا صرف ایک رات بیوی کے پاس چلا گیا اور بغیر جماع کیے صبح باہر آکر گواہوں کے سامنے منکوحہ کو طلاق دے دی کیا اس عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خلوتِ صحیحہ (یعنی شوہر اور بیوی کا ایک کمرہ میں بلاکسی رکاوٹ و ممانعت کے ایک دوسرے کے ساتھ ملنا) ایک قسم کا جماع ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مطلقہ کے ذمے عدتِ طلاق گزارنا لازمی ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: والخلوة بلا مانع حسي وشرعي كالوطء ولو كان الزوج مجبوبا او عنينا او خصيا او خنثى ان ظهر حاله في ثبوت النسب وتأكد المهر والنفقة والسكنى والعدة. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۱۱۴ مطلب في احكام الخلوة) ؎

شادی شدہ حاملہ من الزنا کی عدت

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس بات پر طلاق دے کہ وہ بدکردار ہے جبکہ یہ عورت زنا سے حاملہ بھی ہو تو اب یہ عورت تین حیض عدت گزارے گی یا وضعِ حمل تک انتظار کرے گی؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی نے عدت کی دو قسمیں مقرر کی ہیں (۱) جو عورت حاملہ ہو

لہ قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ثم ان كان الزوج هو المسلم فلها كل المهر ان دخل بها و نصف المهر ان لم يدخل بها۔

(الهداية ج۲ ص۳۲۳ في فصل نكاح اهل الشرك)

ومثله في شرح الوقاية ج۲ ص۲۷ في باب نكاح اهل الرقيق ۔

؎ قال فخر الدين قاضيخان: المهر يتأكد بثلاث بالدخول وموت احد الزوجين وبالخلوة الصحيحة والخلوة الصحيحة ان يجتمعا في مكان ليس هناك مانع يمنعه عن الوطء حسا وشرعا او طبعا۔ (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۳۹۲ فصل في الخلوة وتأكد المهر)

ومثله في الهداية ج۲ ص۳۳۴ الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة ۔

تو اس کی عدت بالاقراء ہے۔ (۲) جو عورت حاملہ ہو (اس بات سے قطع نظر کہ یہ حمل شوہر کے سے ہے یا کسی غیر سے) تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ البتہ صورتِ مسئولہ میں یہ عورت وضع حمل تک انتظار کرے گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: والحامل مطلقاً ولو امة او كتابية ومن زنا ... بالوضع۔

قال ابن عابدينؒ: اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضي به العدة سواء كان من المطلق او من زنا۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۰۴ باب العدة)[1]

عدتِ وفات میں جوؤں کی تلفی کیلئے شیمپو استعمال کرنا

سوال: جناب مفتی صاحب! میرے شوہر کی وفات کو تقریباً دو ماہ ہوگئے ہیں اور مجھے سر میں جوؤں کی سخت شکایت ہے، کیا ازروئے شرع جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والا شیمپو استعمال کر سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ عدتِ وفات کے دوران معتدہ کے لیے زیب و زینت کرنا جائز نہیں مگر بعض حالات ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں جن میں ایک بیماری بھی ہے، اس لیے آپ جوؤں کو ختم کرنے کے لیے ایسی ادویات استعمال کر سکتی ہیں جن میں خوشبو نہ ہو، چونکہ جوؤں کی تلفی کے لیے بننے والے شیمپو میں خوشبو ہوتی ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً جائز نہیں، تاہم اگر کوئی ایسا شیمپو ہو جو بغیر خوشبو کے ہو تو اس کا استعمال مرخص ہے۔

قال الحصكفيؒ: وتحد ... ولو بلا طيب كزيت خالص ... الا بعذر راجع للجميع اذ الضرورات تبيح المحظورات۔ قال ابن عابدينؒ: او تشتكي رأسها فتدهن وتمتشط بالاسنان الغليظة المتباعدة من غير ارادة الزينة لان هذا تداو ولا زينة۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۳۱ فصل في الحداد)[2]

---

[1] قال ابن نجيمؒ: قوله والحامل ... وضع الحمل لقوله تعالىٰ: واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن اطلقها فشمل الحرة والامة المسلمة والكتابية مطلقة او متاركة في نكاح فاسد او وطئ بشبهة والمتوفى عنها زوجها لاطلاق الآية۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۳۳ باب العدة)

ومثله في امداد الاحكام ج۲ ص۸۲۱ باب العدة۔

[2] قال ابن نجيمؒ: قوله الا بعذر متعلق بالجميع لا بالدهن وحده فلها لبس الحرير للحكة والقمل ولها الاكتحال للضرورة۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۵۳ فصل في الاحداد)

ومثله في عمدة الفتاوى ج۲ ص۱۱۱ باب العدة والحداد۔

عدت وفات میں چوڑیاں پہننا

سوال:۔ کیا وہ عورت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو وہ چوڑیاں پہن سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر چوڑیاں پہلے سے اس کے ہاتھوں میں ہوں تو ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جس عورت کا شوہر فوت ہوگیا ہو اس کے لیے چار ماہ دس دن زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کرنا حرام ہے، اس قسم کے تمام امور کو ترک کرنا ضروری ہے، چونکہ چوڑیاں پہننا بھی زینت ہی کی ایک قسم ہے اسلئے عدتِ وفات میں ان کو پہننا جائز نہیں اور اگر پہلے سے ہاتھوں میں ہوں تو ان کا اتارنا لازمی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بترک الزینة بحلی۔ قال ابن عابدینؒ: ای بجمیع انواعه من فضة وذهب وجواهر بحر۔ قال القهستانیؒ: والزینة ما تتزین به المرأة من حلی او کحل۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۳۰ فصل فی الحداد)[1]

دیور کے خوف سے شوہر کا گھر چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی معتدۃ الوفات اور اس کا نوجوان دیور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اور وہ کئی بار اس کی عصمت دری کی کوشش کر چکا ہو تو کیا یہ معتدۃ شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنی عصمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، اگر کسی جگہ معتدہ کو اپنی عصمت دری کا خوف ہو تو وہ اپنی عزت بچانے کیلئے مجبوراً شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے ہاں جا سکتی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر معتدہ کیلئے دیور سے بچنے کا کوئی طریقہ ممکن نہ ہو تو اس کا اپنے والدین کے گھر جانا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: والافضل ان یحال بینهم فی البیتوتة بستر الا ان یکون فاسقا فیحال بامرأة ثقة وان تعذر فلتخرج هی خروجه۔ (رد المحتار ج۲ ص۸۳۵ باب العدة)

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وشمل لبس الحلی جمیع انواعه والوانه ولو اسود وجمیع انواع الحلی من ذهب وفضة وجواهر زاد فی التتارخانیة والقصب۔
(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۱ فصل فی الاحداد)
ومثله فی عمدة الفتاوی ج۲ ص۵۹۳ کتاب الطلاق۔

باب الحلالة

(حلالہ کے احکام ومسائل)

حلالہ کی شرعی حیثیت

سوال: مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ صحبت کے لیے حلالہ کا سہارا لیا جاتا ہے، شریعت مطہرہ کی رو سے یہ کہاں تک جائز ہے؟

الجواب: طلاق ثلاثہ پر اقدام کرنا کسی ناقابل مصالحت حالات کی نشاندہی کرتا ہے اس لیے شریعت نے ایسے خطرناک اقدام پر میاں بیوی کے لیے آپس میں دوبارہ جمع ہونے کی تمام راہیں مسدود کی ہیں تاکہ وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے جدا ہو کر اپنے رویہ پر نظر ثانی کر کے سابقہ خاوند کے ساتھ رہنے پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره۔ (البقرة آیت ۲۳۰) ایسے حالات میں میاں بیوی سے حلالہ کرانا مقصود نہیں اور نہ شریعت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لعن الله المحلل والمحلل له۔

تاہم کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے عورت خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اس لیے اگر بہ حالت مجبوری کوئی مرد یہ کوشش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی حالت میں حلالہ کے بعد میاں بیوی دوبارہ نکاح کر کے نئی زندگی اختیار کر سکتے ہیں، تاہم اس میں صرف نکاح کافی نہیں جب تک دوسرا خاوند بیوی سے ہمبستری نہ کرے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام: لا، حتی تذوق عسیلة الآخر [illegible] (ابو داؤد ج ۱ ص ۳۲۳ کتاب الطلاق باب المبتوتة لا یرجع الیها زوجها [illegible])

لما قال المرغینانی: وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة او ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها۔
(الهدایة ج ۲ ص ۳۹۹ باب الرجعة [illegible])

ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۳ باب الرجعة، مطلب فی العقد علی المبانة

حلالہ کے نکاح میں وطی کے بغیر عورت شوہر اول کیلئے حلال نہیں ہوسکتی

سوال: اگر مطلقہ عورت کسی مرد کے ساتھ نکاح کرے مگر وطی سے قبل اس کی وفات ہو جائے تو کیا یہ عورت شوہر اول کے ساتھ تجدید نکاح کر کے اس کے لیے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک حلالہ کے نکاح میں وطی کرنا ضروری ہے بغیر وطی کے یہ عورت شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی، چونکہ موت قائم مقام وطی نہیں اس لیے شوہر ثانی کی وفات سے عورت شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لو ماتت منها قبل الوطء لا یحلها للاول ... فی الشرح هنا الوطء ۔ (رد المحتار جلد ۲ ص۵۴۹ کتاب الطلاق باب الرجعة) ؎۱

حلالہ کے نکاح میں جماع کے لیے کنڈوم (ربڑ کی تھیلی) استعمال کرنا

سوال: اگر حلالہ کے نکاح میں وطی کے دوران کنڈوم استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ مباشرت ہو تو کیا اس طریقے سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حلالہ کے نکاح میں حشفہ کا داخل کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں کو کچھ حظ حاصل ہو انزال کرنا ضروری نہیں، البتہ اگر کنڈوم کے ساتھ وہی لذت حاصل ہوتی ہو تو یہ وطی شمار ہوگا، پہلے شوہر کے لیے حلال ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

وفی الهندیة: اذا لف ذکره بخرقة وادخل فرجها فان وجد الحرارة تحل والا فلا ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۷۳ الباب السادس فی الرجعة، فصل فیما تحل به) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: والموت لا یقوم مقام الدخول فی حق التحلیل ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۵۸ کتاب الطلاق)

؎۲ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: اذا لف ذکره بخرقة ودخل فرجها فان وجد الحرارة تحل والا فلا ۔ (خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۴۱ الجنس الثانی فی المحلل)

حلالہ کے نکاح میں بوقت جماع انزال کرنے یا نہ کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص مثلاً زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کے لیے حلالہ شرعی کروانا چاہتا ہے۔ تو جس شخص سے وہ حلالہ کروانا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جماع کرتے وقت انزال کرے یا بغیر انزال کے بھی حلالہ ہو جائے گا کیونکہ وہ شخص حمل سے ڈرتا ہے؟ لہٰذا اس بارے میں شرعی حکم کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ حلالہ شرعی میں ایلاج (دخول حشفہ) ضروری ہے اور وہ بھی منتشر حالت میں ہو تاکہ محلل کو کچھ لذت بھی حاصل ہو جائے البتہ انزال ضروری نہیں جس شخص سے بھی حلالہ کرایا جائے اور وہ جماع کرتے وقت نفس دخول منتشر کرکے بغیر انزال کے جماع ختم کرے اور عورت کو طلاق دے دے تو اب یہ عورت عدت طلاق گزارنے کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگی۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وان لم ينزل لان الشرط الذوق لا الشبع ثلاثة وفي المجتبى الصواب حلها بدخول الحشفة مطلقاً۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار جلد ۲ ص۵۴۴ كتاب الطلاق باب الرجعة)[1]

نابالغ سے حلالہ کرانے کا شرعی حکم

سوال:۔ ایک نابالغ لڑکا جس کی عمر ابھی ۱۳، ۱۴ سال ہے لیکن وہ جماع کرنے پر قادر ہے تو کیا اس کے حلالہ سے عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کے لیے محلل (حلالہ کرنے والے) کا بالغ ہونا ضروری نہیں صرف جماع کرنے پر قادر ہونا ضروری ہے اس لیے فقہاء کرام نے مراہق (قریب البلوغ لڑکے) کو جو جماع کرنے پر قادر ہو بالغ کے حکم میں داخل کیا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر یہ نابالغ جماع پر قادر ہے تو اس کا حلالہ کرنا صحیح ہے۔

لما قال العلامة الكاساني في بدائعه: وسواء كان الزوج ... بالغاً او

---

[1] وفی الہندیۃ: اما الانزال فلیس بشرط للاحلال۔
(الفتاویٰ الہندیۃ جلد ۱ ص۴۷۳ کتاب الطلاق فصل فیما تحل به المطلقة)

صبیاً یجامع فجامعها او مجنوناً فجامعها لقوله تعالیٰ: حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ من غیر فصل بین زوج و زوج ولانه الصبی والمجنون یتعلق به احکام النکاح من المهر والتحریم کوطی البالغ العاقل۔

(بدائع الصنائع ج۳ ص۱۸۹ فصل فی ان یکون النکاح الثانی صحیحاً) [1]

دُبر میں جماع کرنے سے حلالہ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص حلالہ کے نکاح میں بیوی کے ساتھ قوم لوط والا عمل کرے (یعنی دُبر میں جماع کرے) تو کیا اس سے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالۂ شرعی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جماع فی القبل ہو، دُبر میں جماع کرنا حلالہ کے لیے کافی نہیں، اور ویسے بھی یہ عمل کبیرہ گناہ ہے۔

کما فی الفتاویٰ الفنیۃ: اذا أتاها فی دُبرها لا تحل للاول۔

(الفتاویٰ الفنیۃ ص۳۳ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)

موت قائم مقامِ وطی نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک عورت نے زوجِ ثانی سے نکاح کیا جبکہ زوجِ اوّل اس کو طلاقِ مغلظہ دے چکا تھا۔ نکاح کے بعد زوجِ ثانی حقوقِ زوجیت ادا کیے بغیر فوت ہو گیا ہے۔ اب یہ عورت زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا اسے یہ حق حاصل ہے اور یہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کے نکاح میں شوہرِ ثانی کا اپنی منکوحہ سے جماع کرنا ضروری ہے صورتِ مسئولہ کے مطابق بدون جماع کئے موت وطی کا قائم مقام نہیں بن سکتی اسلئے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: والموت لا یقوم مقام الدخول

---

[1] وفی الهندیۃ: وفی الذخیرۃ الصبی المراهق فی التحلیل کالبالغ ...... فسر المراهق فی الجامع الصغیر فقال غلام لم یبلغ ومثله یجامع جامع امرأته وجب الغسل علیها واحلها علی الزوج الاوّل ومعنی هذا الکلام ان تتحرک آلته ویشتهی۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۴۷۳)

(وهکذا فی مجموعۃ الفتاویٰ ج۲ ص۱۳ کتاب الطلاق)

فی حق التحلیل۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۵۸ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ) ۱ـــ

عورت کا قول کہ میں حلالہ کر چکی ہوں......

سوال:۔ طلاق ثلاثہ کے بعد ایک عورت اپنے میکے چلی گئی اور ایک سال کے بعد پہلے شوہر کو پیغام دیا کہ میں حلالہ کر چکی ہوں لہٰذا آپ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہوں، تو کیا عورت کے اس طرح کہنے سے زوجِ اول کے لیے اس سے دوبارہ نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کا صرف یہ کہنا کہ میں حلالہ کر چکی ہوں زوجِ اول سے دوبارہ نکاح کی صحت کے لیے کافی نہیں بلکہ زوجِ اول کو چاہیئے کہ عورت کی بات کی خوب تحقیق کرے اور اُن سے تحلیل کیفیات اور حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے اگر وہ صحیح معلومات مہیا کرے اور وہ حلالہ کے طریقے کا مدعی ہوں تو پھر اس صورت میں دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

لہ فی القنیۃ: لو قالت حللت لك او قال حللاً له لم یعمل له التزوج مالم یستفسرها لاختلاف الناس فی کیفیۃ التحلیل وهو الصواب۔

(القنیۃ ص ۸۴ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)

حلالہ کے نکاح میں دوسرے خاوند سے ہمبستری ضروری ہے

سوال:۔ کیا حلالہ کیلئے کی گئی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ہمبستری نہ کی جائے تو کیا عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا شرط ہے بغیر ہمبستری کے یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔

هکذا فی الہدایۃ ج ۲ ص ۳۹۹ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ۔ کتاب الطلاق۔

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولو ماتت عنها قبل الوطء لا یحلها ۲ـــ للاول ..... لان الشرط هنا الوطء (رد المحتار ج ۲ ص ۵۳۷ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ) ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۴۷۳ کتاب الطلاق۔ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ۔

باب ثبوت النسب

(ثبوت نسب کے مسائل واحکام)

قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کے ثابت النسب ہونے کا حکم

سوال: اگر کسی کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: شادی کے چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار ہوگا البتہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار نہیں ہوگا۔

قال في الهندية: وإذا تزوج الرجل فجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعدا يثبت نسبه اعترف به الزوج أو سكت. (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر في ثبوت النسب)[1]

مانع حمل ادویات کے استعمال کا حکم

سوال: مانع حمل ادویات کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن حالات اور صورتوں میں ایسی ادویات استعمال کی جاسکتی ہیں؟

الجواب: نکاح سے مقصد اولاد پیدا کرنا ہے اس لیے مانع حمل ادویات و آلات کا استعمال بعض جزئی صورتوں کے علاوہ شرعاً جائز نہیں اور خصوصاً رزق و وسائل معاش کے خوف کی وجہ سے کیونکہ یہ اسلامی احکامات سے متصادم ہے۔ تاہم اگر بعض حالات میں عورت کو حمل کی وجہ سے بیماری یا غیر فطری طریقہ ولادت (آپریشن وغیرہ) کی ضرورت پڑتی ہو یا اس کے مثل دیگر ضروریات شرعیہ کی صورت میں مانع حمل ادویات و آلات کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ

---

[1] قال الحصكفي: أكثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضي الله عنها كما مر وعند الأئمة الثلاثة أربع سنين وأقلها ستة أشهر إجماعا. (رد المحتار ج۳ ص۵۴۰ فصل في ثبوت النسب)
ومثله في البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ باب النسب۔

جماع کے وقت کنڈوم (ساتھی) کا استعمال کرنا

سوال: کیا شادی شدہ آدمی کیلئے بوقت جماع کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کنڈوم (ساتھی) کا حکم عزل کی طرح ہے اس لیے فی نفسہ جماع کے وقت کنڈوم کا استعمال مباح ہے مگر بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے بدون بیوی کی اجازت کے مکروہ ہے تاہم اگر کوئی شرعی عذر ہو تو بلا اجازت عزل کرنے یا کنڈوم استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرة بإذنها لکن فی الخانیة انه یباح فی زماننا لفساده قال الکمال فلیعتبر عذراً مسقطاً لإذنها۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ باب نکاح الرقیق) [1]

عزل کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک شادی شدہ آدمی کے لیے عزل کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: عزل کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر اس میں آزاد عورت (بیوی) سے اجازت لینا ضروری ہے بغیر اجازت کے عزل کرنا مکروہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرة بإذنها لکن فی الخانیة انه یباح فی زماننا لفساده قال الکمال فلیعتبر عذراً مسقطاً لإذنها۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) [2]

خاوند کے مادہ تولید کا کسی اجنبیہ کے رحم میں نشوونما پانا

سوال: جدید طریقہ تولید میں بعض ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے مادہ منویہ کو ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے اور یہ مادہ اس کے جسم میں

---

[1] و [2] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لأن العزل جائز عن أمة نفسه بغیر إذنها والإذن فی العزل عن الحرة لها ولا یباح بغیر إذنها لأنه حقها، وفی الخانیة ذکر فی الکتاب انه لا یباح بغیر إذنها وقالوا فی زماننا یباح لسوء الزمان الخ

(البحر الرائق ج۳ ص۲۱۳ کتاب النکاح باب نکاح الرقیق)

ومثله فی الهدایة ج۲ ص۳۲۱ باب نکاح الرقیق۔

نشوونما پا کر بچہ بن کر پیدا ہو جاتا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا اور اس اجنبیہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

الجواب: ثبوتِ نسب کے لیے ابتدائی وقت سے میاں بیوی کے نطفوں کا اختلاط ہونا کافی ہے چونکہ صورتِ مسئولہ میں جدید طریقۂ تولید میں ابتداءً میاں بیوی کا نطفہ مختلط ہو جاتا ہے اور اس اختلاط سے وہ ایک علقہ کی صورت اختیار کرتا ہے اور پھر کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے تو ثبوتِ نسب کے لیے اختلاط کی صورت تک یعنی علقہ بننے تک کا زمانہ کافی ہے، باقی یہ اجنبیہ ہونے والے بچے کے لیے بمنزلہ مرضعہ کے ہوگی اس کے حقیقی ماں باپ وہی میاں بیوی ہیں جن کا یہ نطفہ تھا۔

لما قال العلامة ابو بكر الكاساني رحمه الله: النسب الثابت بالنكاح لا ينقطع الا باللعان۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۴۳ باب النسب)

جدید نظامِ تولید کا شرعی حکم

سوال: بعض یورپی ممالک میں جدید نظامِ تولید کے لیے اجنبیہ خواتین کے ارحام کو بطورِ اجارہ لیتے ہیں یعنی میاں بیوی کے نطفوں کے اختلاط کے بعد جب اس کی نشوونما کا مرحلہ آتا ہے تو بجائے بیوی کے رحم میں رکھنے کے کسی اجنبی عورت کو معاوضہ دے کر نشوونما کے لیے اس کے رحم کو استعمال کیا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ اس طریقہ سے ہونے والا بچہ اصحابِ نطفہ سے منسوب ہوگا مگر اس ثبوت سے کسی اجنبیہ کے رحم کو بطورِ اجارہ لینا جائز نہیں ہوتا بلکہ شریعتِ مقدسہ میں اس قسم کی اشیاء صرف اپنے خاوندوں کے استعمال کے لیے جائز ہیں دوسروں کے لیے ان کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالى: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ۔ (سورة البقرة آیت ۲۲۳) [1]

---

[1] روى العلامة جلال الدين السيوطيؒ عن ابن سيرينؒ وحسن بن زياد لا يعار الفرج۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ـ سورة الشورى)

ومثله في جواهر الفتاوى ج۱ ص ۱۰۲ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

طلاقِ رجعی کے دو سال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا ثابت النسب ہونا

سوال:- زید نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دیدی، طلاق کے دو سال بعد بچہ پیدا ہوا، جب زید کو بچہ پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو زید نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے، تو کیا یہ بچہ زید سے ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- طلاقِ رجعی کے بعد اگر عورت نے عدت گذر جانے کا اقرار کیا ہو اور اس کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت نہیں ہوگا، البتہ اگر عورت نے قبل از ولادت عدت گذر جانے کا اقرار نہیں کیا ہو تو بچہ زید سے ثابت النسب تسلیم کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ:- ویثبت نسب ولد معتدة الرجعی ...... وان ولدت لاکثر من سنتین ...... مالم تقر بمضی العدة والمدة تحتمله وکانت الولادة رجعة لو فی الاکثر۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۹ فصل فی ثبوت النسب، ومثله فی ...)[1]

باپ کا بچے کے نسب سے انکار کرنا

سوال:- کوئی شخص اپنی منکوحہ کے اولاد سے انکار کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے تو اولاد کا نسب اس سے ثابت ہوگا یا کسی اور سے؟

الجواب:- منکوحہ سے اولاد کا نسب قوی ہے، اس کے ثبوت کے لیے نہ تو کسی دعویٰ کی ضرورت ہے البتہ خاوند کے انکار سے اس کی نفی ہو سکتی ہے، جو بچہ بھی منکوحہ سے پیدا ہو وہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا، تاہم اگر خاوند بیوی کے پیدا ہونے والے کسی بچے سے انکار کر کے لعان کرے تو پھر خاوند سے اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن بعد ازاں میاں بیوی کی حیثیت سے دونوں کا اکٹھا رہنا مشکل ہے جس کیلئے یا تو خاوند بیوی کو طلاق دے گا یا پھر قاضی کو دونوں کے درمیان تفریق کرنی پڑے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ:- حیث قسم الفراش الی قوله وقوی وهو فراش

---

[1] قال ابن الهمامؒ:- ویثبت نسب ولد المطلقة الرجعیة اذا جاءت به لسنتین او اکثر مالم تقر بانقضاء عدتها۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۸۲ باب العدة)

ومثله فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۱ باب ثبوت النسب۔

المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیه لا ینتفی الا باللعان ۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۲۴ باب ثبوت النسب، کتاب الطلاق، مطلب الفراش علی اربع مراتب)[1]

ولد الزنا کا نسب

سوال:- جو بچہ زنا سے پیدا ہوا اس کا نسب کس سے ثابت ہو گا؟ کیا زانی اس کو اپنا بیٹا کہہ کر پکار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا زانی سے نسب ثابت ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی زانی اس کو بیٹا کہہ سکتا ہے۔ اگر مزنیہ کسی کے نکاح میں ہو تو زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب مزنیہ کے خاوند سے ثابت ہوگا اور اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کی نسبت والدہ (مزنیہ) کی طرف ہوگی۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔

(مشکوٰة ج۲ ص۲۸۷ باب اللعان، کتاب النکاح، فصل الاول)[2]

حاملہ من الزنا سے نکاح کے بعد بچے کا نسب

سوال:- ایک شخص نے آزاد عورت سے زنا کیا، حاملہ ہونے کے بعد اس شخص نے مزنیہ سے نکاح کر کے معاملہ کو دبا دیا، لیکن زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اب شخص مذکور یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرے نطفے سے ہے تو کیا اس سے نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- زنا سے نسب کبھی ثابت نہیں ہوتا، مذکورہ شخص کا دعویٰ نسب ناقابل التفات

---

[1] قال فی الهندیة: قال اصحابنا لثبوت النسب ثلاث مراتب الاولیٰ النکاح الصحیح وما هو فی معناه من النکاح الفاسد والحکم فیه انه یثبت النسب من غیر دعوة ولا ینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان فان کان ممن لا لعان بینهما لا ینتفی نسب الولد۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، کتاب الطلاق)

ومثله فی الفتاویٰ التاتارخانیة ج۴ ص[illegible] باب ثبوت النسب، کتاب الطلاق۔

[2] قال فی الهندیة: واذا زنی رجل بامرأة فجاءت بولد فادعاه الزانی لم یثبت نسبه منه واما المرأة فیثبت نسبه منها۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۴ ص۱۲۷ فی الفصل الثامن فی دعوة الولد من الزنا وما فی حکمه، کتاب الدعویٰ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، کتاب الطلاق۔

ہے تاہم اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو پھر بقدر نکاح سے نسب ثابت ہوگا اور اگر نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو تو پھر اگرچہ خاوند یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرا ہے اگرچہ نسب کے ثبوت کے لیے یہ اقرار مفید نہیں لیکن اس کے اقرارِ نسب سے یہ بچہ میراث لے سکتا ہے جبکہ زنا کا اقرار کرکے بچے کے نسب کا دعویٰ کرنے سے نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ میراث میں حصہ مل سکتا ہے۔

قال في الهندية: ولو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جاءت به لستة أشهر فصاعدا ثبت نسبه الا ان يدعيه ولم يقل انه من الزنا اما ان قال انه مني من الزنا فلا يثبت نسبه ولا يرث منه۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۴۰ في الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، كتاب الطلاق) [1]

داشتہ کی اولاد کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کی منکوحہ کو اغوا کرکے مدتوں سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے جس سے اس کے بچے بھی پیدا ہوئے ہیں جبکہ خاوند نے طلاق بھی نہیں دی ہے تو ایسی حالت میں اس عورت کی اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب:۔ اغوا کنندہ کا منکوحۃ الغیر سے منافع لینا زنا ہے اور زنا سبب ثبوتِ نسب نہیں، اس لیے داشتہ کے بچوں کا نسب خاوند سے ثابت ہوگا، ان کی نفی کے لیے خاوند لعان کا ذریعہ اختیار کر سکتا ہے۔ ایسی عورت کو جب تک خاوند سے باقاعدہ آزادی نہ ملے تو مدتوں تک پاس رکھنے سے نہ تو اس سے نکاح جائز ہے اور نہ اس کی اولاد کا نسب ثابت ہوگا۔

لحديث النبي صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ (مشكوٰة ج۲ ص۲۸۷ باب اللعان، كتاب النكاح)

وقال ابن عابدين: اما نكاح منكوحة الغير ومعتدته ...... لانه لم يقل احد

---

[1] قال العلامة ابن الهمام رحمه الله تعالى: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه۔
(فتح القدير ج۴ ص۱۶۴ باب ثبوت النسب، كتاب الطلاق)
ومثله في البحر الرائق ج۴ ص۱۵۵ باب ثبوت النسب، كتاب الطلاق۔

[illegible] ينعقد [illegible] (رد المحتار ج۲ ص۲۸۳ باب المحرمات كتاب النكاح) ۔

گھر سے نکال دینے کے بعد منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں پیدا ہونے والے بچہ کا حکم

سوال: زید نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے بغیر طلاق دیئے اپنے گھر سے نکال دیا، دو سال بعد اس مذکورہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا، خاوند نے اطلاع ملتے ہی انکار کیا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے، کیا اس کا یہ انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں نکاح کے چھ ماہ پورے ہونے کے بعد جو بچہ پیدا ہو خواہ زوج اس کا اعتراف کرے یا خاموشی اختیار کرے ہر حالت میں بچہ اس سے ثابت النسب ہوگا، گویا گھر سے نکالے جانے کے بعد جب تک اس کے نکاح میں رہی اس عرصہ میں پیدا ہونے والا بچہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا، تاہم اگر اس کو واقعی بچے سے انکار کرنا مقصود ہو تو لعان کا طریقہ اختیار کر سکتا ہے جو اس کے لیے نسب کے انکار کے لیے مفید رہے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه ... وإن جاءت به لستة أشهر فصاعداً يثبت نسبه اعترف به الزوج أو سكت ...... فإن جحد الولادة يثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة حتى لو نفاه الزوج يلاعن لأن النسب يثبت بالفراش القائم۔ (الهداية ج۲ ص۴۰۹ باب ثبوت النسب) اھ

لـه قال العلامة فخر الدين حسن بن منصور رحمه الله الأوزجندي: ولا يجوز نكاح منكوحة الغير [illegible] (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۱ ص۳۶۰ فصل في المحرمات كتاب النكاح)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۱۰۳ باب المحرمات كتاب النكاح ۔

لـه قال في الهندية: وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعداً ثبت نسبه منه اعترف به أو سكت۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر في ثبوت النسب)

ومثله في رد المحتار ج۲ ص۶۲۹ فصل في ثبوت النسب، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب ۔

خاوند کی طویل غیر حاضری میں بیوی کا حاملہ ہونا

سوال:- اگر ایک شخص چند سالوں سے مدینہ میں ہو اس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نسب کے ثبوت کے لیے نکاح اہم سبب ہے اس لیے نکاح کی موجودگی میں جو بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگا، صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر خاوند کی طویل غیر حاضری میں بچہ پیدا ہوا ہو تو خاوند نفی کے لیے لعان کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔

(مشکوٰة ج۲ ص۲۸۶ باب اللعان کتاب النکاح) [1]

مدتِ حمل

سوال:- بچہ زیادہ سے زیادہ کتنی مدت تک ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے اور کم از کم کتنی مدت ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح و سالم پیدا ہو سکتا ہے؟

الجواب:- حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس یعنی کم سے کم چھ ماہ بچہ ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح و سالم پیدا ہو سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے، فقہ حنفی کی رو سے مدتِ حمل دو سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: واکثر مدة الحمل سنتان لقول عائشةؓ: الولد لا یبقی فی البطن اکثر من سنتین ولو بظل مغزل واقله ستة اشهر لقوله تعالیٰ: وحمله وفصاله ثلٰثون شهرا ثم قال وفصاله فی عامین فبقی للحمل ستة اشهر۔ (الهدایه ج۲ ص۴۲۱ باب ثبوت النسب) [2]

کم از کم مدتِ حمل سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:- ایک شخص نے کسی مطلقہ عورت سے نکاح کیا

---

[1] وقال ابن عابدینؒ: حیث قسم الفراش علی اربع مراتب وقوی وهو فراش المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیه لا ینتفی الا باللعان۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۹۴ مطلب الفراش علی اربع مراتب)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۳۶ باب الخامس عشر فی ثبوت النسب۔

[2] وقال شیخ الاسلام احمد بن عبدالله التمرتاشیؒ: واکثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشةؓ رضی الله عنها..... واقلها ستة اشهر اجماعا۔ (تنویر الابصار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۶۳۳ فصل فی ثبوت النسب)

ومثله فی الکنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۴ ص۱۴۳ باب ثبوت النسب۔

ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار وقتِ نکاح سے ہے

سوال:- ایک لڑکا لڑکی کا نکاح اپریل ۱۹۸۸ء میں ہوا اور لڑکی کی رخصتی ۸ جولائی ۱۹۸۸ء کو ہوئی، رخصتی کے تقریباً تین ماہ بعد لڑکی کے ہاں سسرال میں بچہ پیدا ہوا، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس بچے کا نسب اس لڑکے سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ جبکہ لڑکی اور لڑکا آپس میں خالہ زاد ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا۔

الجواب:- صورتِ مذکورہ میں اگر نکاح واقعی اپریل ۱۹۸۸ء میں ہی ہوا ہو اور رخصتی جولائی ۱۹۸۸ء میں ہوئی ہو اور پھر جولائی سے تین ماہ بعد نومبر میں بچہ پیدا ہو جائے تو اندریں صورت ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے ہوگا رخصتی کے وقت سے نہیں۔ لہٰذا اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہو تو یہ بچہ اسی خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر خاوند اس سے انکار کرے تو اس کے لیے لعان کا ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے اور چھ ماہ سے کم مدت کی صورت میں بچہ ثابت النسب نہ ہوگا۔

لما فی الہندیة: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشہر منذ تزوجها لم یثبت نسبه وان جاءت به لستة اشہر فصاعدا یثبت نسبه الخ وفیه بعد اسطر: ولو جاءت لاقل من ستة اشہر من وقت النکاح لا یثبت الخ

(الفتاوی الہندیة ج۱ ص... الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [1]

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمه الله: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشہر منذ یوم تزوجها لم یثبت نسبه لان العلوق سابق علی النکاح فلا یکون منه وان جاءت به لستة اشہر فصاعدا یثبت نسبه منه .... لان الفراش قائم والمدة تامة الخ

(الہدایة ج۲ ص... باب ثبوت النسب)

ومثلہ فی فتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیة ج۱ ص... فصل فی النسب۔

کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

لما فی الهندیة : ولو مات عنها قبل الدخول او بعده ثم جاءت بولد من وقت الوفاة الی سنتین یثبت النسب منه وان جاءت به لاکثر من سنتین من وقت الوفاة لا یثبت النسب۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۔۔۔ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)۔

بارہ سال کے لڑکے سے ثبوت نسب کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقہ غیر میں لوگ اپنے بچوں کی شادیاں بہت کم سنی میں کر دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی لڑکے کی عمر ۱۲/۱۳ سال ہو اور اس کی بیوی کو حمل ہو جائے تو کیا حمل کا نسب اس لڑکے سے ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکا مراہق یعنی قریب البلوغ ہو جس کی ادنیٰ مدت عمر لڑکے کے لیے ۱۲ سال اور لڑکی کے لیے ۹ سال ہے، تو اس سے حمل کا نسب ثابت ہو سکتا ہے ورنہ نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق اس حمل کا نسب اس لڑکے سے ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: ولا نسب فی حالیة اذ لا ماء للصبی ثم ینبغی ثبوته من المراهق احتیاطاً۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله اذ لا ماء للصبی) ای فلا یتصور منه العلوق وانما ثبت نسب ولد المشرقی من مغربیة لقیامه مقام الماء والعلوق متصور حقیقة بخلاف الصبی کما فی البحر (قوله ثم ینبغی) عبارة الفتح ثم یجب کون ذلک الصبی غیر المراهق اما المراهق فیجب ان یثبت النسب منه۔ (ردالمحتار ج۲ ص۸۳۳ باب العدة)

وقال ایضاً: وادنی مدته ای البلوغ له اثنا عشرة سنة ولها تسع سنین فان راهقا بان بلغا هذا السن۔ (ردالمحتار ج۵ ص۱۳۲ فصل فی بلوغ الغلام بالسن)

⟡ ⟡

لہ قال الشیخ [illegible] ابو زهرةؒ: [illegible] صغیرا لا یتصور [illegible] الحمل لا ینسب [illegible] وقد اتفق علی ذلک الائمة۔

(الاحوال الشخصیة [illegible] ص ۳۹۱ [illegible] ثبوت النسب)

بغیر حلالہ کے نکاح ثانی سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں پھر چند دنوں کے بعد دوبارہ بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح کر لیا اس لیے کہ اس کو ایک غیر مقلد عالم دین نے تجدید نکاح کا فتوی دیا تھا جبکہ یہ شخص حنفی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نکاح ثانی سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے اس کے نسب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- صورت مسئولہ کے مطابق یہ نکاح ثانی شرعاً فاسد ہے بغیر کسی تاخیر کے زن و شو کو جدا ہو جانا چاہیئے البتہ بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔

لما فی الهندية: ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجاً غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كان يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضاً عند ابی حنيفةؒ كذا فی التاتارخانية۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۴۰ الباب الخامس فی ثبوت النسب)[1]

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق کی وجہ یہ تھی کہ موصوف کی بیوی کو شک تھا کہ اس کے سالی سے ناجائز تعلقات ہیں اور اسی وجہ سے دونوں اکثر اوقات خلوت میں رہتے ہیں۔ اب یہ عورت حاملہ ہے اور اس کا شوہر سالی سے نکاح کرنے کے فرار ہو گیا ہے اور ان کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ تو کیا اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ کے مطابق دوران عدت سالی کے ساتھ نکاح جائز نہیں اگر کیا جائے تو نکاح فاسد ہوگا جو واجب الفسخ ہے۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح فاسد سے پیدا شدہ ولد ثابت النسب ہوتا ہے اس لیے اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔ تاہم ان دونوں کے لیے زوجہ اول مطلقہ کی عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح

---

[1] وقال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجاً غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كان يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضاً عند ابی حنيفةؒ۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۲۸۰ كتاب الطلاق۔ الفصل التاسع والعشرون باب ثبوت النسب)

کرنا ضروری ہے بدون اس کے دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

لما قال العلامۃ الکاسانیؒ: ان تزوج احداھما بعد الاخری جاز نکاح الاولیٰ وفسد نکاح الثانیۃ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح)

وقال ایضاً: واما نکاح الفاسد فلا حکم لہ قبل الدخول واما بعد الدخول فیتعلق بہ احکام منھا ثبوت النسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۵ باب ثبوت النسب) ؎

ساس سے نکاح کے بعد پیدا ہونے والے بچوں کے نسب کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی منکوحہ کے انتقال کے بعد ساس سے شادی کرلی، کئی سال تک دونوں ساتھ رہے اس دوران ان کے ہاں چار بچے بھی پیدا ہوئے، اب اس شخص کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا وہ بچے ثابت النسب ہوکر موصوف کے ترکہ میں میراث کے حقدار ہیں یا نہیں؟ جبکہ مرحوم کی پہلی بیوی سے ہونے والے بچے ان بچوں کو اپنے بہن بھائی نہیں مانتے اور باپ کے ترکہ سے ان کے حقِ میراث کو تسلیم نہیں کرتے۔ مہربانی فرماکر قرآن وسنت کی روشنی میں اس نزاع کو ختم فرمائیں؟

الجواب: ساس سے نکاح کرنا شرعاً ناجائز ہے اور اگر کرلیا جائے تو نکاح فاسد ہے جبکہ نکاح فاسد سے عدت اور ثبوت النسب کے مسائل ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگرچہ ساس سے نکاح فاسد اور واجب الفسخ تھا مگر پیدا شدہ بچوں کا نسب باپ سے شرعاً ثابت ہے اور یہ بچے باپ کے مرنے کے بعد دیگر بھائی بہنوں کی طرح ترکہ میراث میں برابر کے حقدار ہونگے، کوئی بھی شخص ان کو اپنے حقِ میراث سے منع نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا کوئی اختیار ہے۔

لما فی الھندیۃ: رجل مسلم تزوج بمحارمہ فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منہ عند ابی حنیفۃؒ خلافاً لھما بناءً علی ان النکاح فاسد عند ابی حنیفۃؒ باطل عندھما۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب)

؎ لما فی الھندیۃ: وان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد ویجب علیہ ان یفارقھا...... یجب الاقل من المسمی ومن مہر المثل وعلیھا العدۃ و یثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضی عدۃ اختھا۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۷۷/۲۷۸ کتاب النکاح القسم الرابع المحرمات بالجمع)

داخل ہو جائے اور جب ولادت کا وقت آئے تو نطفہ یا رحم کے کونوں کے ذریعے اس کا بروقت بذریعہ آپریشن چاک کر دیا جائے کاٹ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حرمت نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا یعنی ماں، باپ، دادا، دادی وغیرہ کا سلسلہ نسب ٹھیک اسی طرح حرام ہو جائے جس طرح فطری توالد و تناسل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صورت علاوہ زنا ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا۔ البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ یہ سزا صرف ناجائز حمل پر ہی نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے پر ہے۔ (جدید فقہی مسائل جلد ص)

مذکورہ بالا صورت میں اس آدمی کا کیا ہوا عمل جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ البتہ اس پر نسب وغیرہ کے احکام سب ثابت ہونے ہیں خواہ اس بچی کی شکل و صورت اس خاندان کے افراد سے مشابہ ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم

چودہ پندرہ سال جدائی کے باوجود بچہ ثابت النسب ہے

سوال:- ایک صاحب ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں لاپتہ ہو گیا کئی سال تک اس کی موت و حیات کا کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا۔ اب اس کے لاپتہ ہونے کے تقریباً چودہ پندرہ سال بعد اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا براہ مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:- اسلام نے ہر ممکن حد تک بچے کا نسب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ صورت مسئولہ میں اگرچہ بظاہر شوہر سے اثبات نسب مشکل نظر آتا ہے مگر شریعت مطہرہ نے اس بچے کے نسب کو بھی ثابت کر دیا ہے اور اس کے لیے ایک قانونی ضابطہ چھوڑا ہے کہ الولد للفراش وللعاهر الحجر (بخاری شریف) بچہ فراش کا تابع ہوگا اور زانی کے لیے صرف پتھر ہے۔ اسی قانون کے تحت صورت مسئولہ میں بھی اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے اگرچہ وہ حقیقتاً نہیں ہے۔ اس کا نسب علاوہ لعان کے ختم نہیں ہوگا۔

لما في الهندية: والحكم فيه انه يثبت النسب منه بغير دعوة ولا ينتفي بمجرد النفي وانما ينتفي باللعان۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص باب ثبوت النسب)

مسائلِ شتّی

(طلاق کے متفرق مسائل)

طلاقِ مغلظہ سے بچنے کے لیے حیلہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! میری اور میرے بھائی کے درمیان کچھ ناراضگی تھی، اب ہماری صلح ہو چکی ہے اور صلح کے وقت میں نے بھائی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں نے فلاں شخص کے ساتھ تعلقات رکھے تو میری بیوی کو تین طلاق ہو، اب جبکہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ بول چال شروع کر لوں کیونکہ یہ شخص میرا قریبی رشتہ دار بھی ہے، اب از روئے شرع مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ مجھے کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ ہماری بول چال بھی شروع ہو جائے اور بیوی پر طلاق بھی نہ پڑے؟

الجواب:- ویسے تو صورتِ مسئولہ میں تین طلاق مشروط بالشرط ہیں، جب بھی شرط پوری ہو جائے تو طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ اب اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اولاً آپ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر جدا کر دیں اور جب اس کی عدت ختم ہو جائے تو آپ اس شخص سے بول چال شروع کر دیں اور پھر دوبارہ عورت سے نکاح کر لیں، صرف اس صورت میں آپ کی بیوی طلاقِ مغلظہ کے وقوع سے بچ سکتی ہے ورنہ شخصِ مذکور کے ساتھ بول چال اور تعلق شروع کرتے ہی آپ کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص۵۴۵ قبيل مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط)

مضارع کے صیغہ سے طلاق کا حکم

سوال:- اگر کسی عورت سے کوئی غلط کام ہو جائے اور اس کا شوہر بطورِ تنبیہ کے اسے یہ کہے کہ اگر تم نے آئندہ یہ کام کیا تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، چند دنوں بعد اس عورت سے وہی کام سرزد ہو گیا تو کیا اس عورت پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:- اگر ائمہ کے اصول کے مطابق مضارع کے صیغے دو طرح کے ہیں، بعض ایسے صیغے ہیں جو حال کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور بعض صیغے مستقبل کے لیے استعمال ہوتے

ہیں، چونکہ صورتِ اولیٰ میں انشاء فی الحال اور انشاء فی الماضی ہے لہٰذا مضارع کے ان صیغوں کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی، اور صورتِ ثانیہ میں چونکہ اظہارِ ارادہ ہوتا ہے لہٰذا اس میں بغیر انشاءِ طلاق واقع نہ ہوگی۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں فقط اظہارِ ارادہ ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: صیغة المضارع لا یقع بها الطلاق الا اذا غلب فی الحال، کما صرح به الکمال ابن الهمام۔ (تنقیح الحامدیة ج۱ ص۳۸ کتاب الطلاق)[1]

بلانیتِ طلاق بیوی کو ”دوسرا خاوند تلاش کرو“ کے الفاظ کہنا

سوال: اگر کوئی شخص بیوی سے لڑائی جھگڑے کے دوران یہ کہے کہ ”جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرو“ مگر اس میں اس کی نیتِ طلاق کی نہ ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ”جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرو“ یہ طلاقِ کنائی کے الفاظ ہیں جو وقوعِ طلاق میں نیت یا دلالتِ حال و قرینہ وغیرہ کے محتاج ہیں۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس آدمی کی نیتِ طلاق کی نہیں اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی ورنہ بصورتِ نیت بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

وفی الهندیة: وابتغی الازواج تقع واحدة بائنة ان نواها او اثنتین وثلاث ان نواها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

اور طلاقِ بائن کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر یا عدت گزر جانے کے بعد تجدیدِ نکاح سے بیوی خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی حلالہ کی ضرورت نہیں۔

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: صیغۂ مضارع چاہے وہ مضارع ہے وقوعِ طلاق نہیں ہوتا اگرچہ مضارع بمعنی حال غالب ہو جیسا کہ فقہاء نے اس سے وقوعِ طلاق کی تصریح کی ہے۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۳۸۶ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامة ابو البرکات النسفی رحمه الله: وفیها بائنة وان نوی ثنتین، وتصح نیة الثلاث وهی بائن، بتة، بتلة، حرام ...... تزوجی ابتغی الازواج۔
(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۳۰۱، ۳۰۲ باب الکنایات)

نافرمان بیوی کو طلاق دینا مستحب ہے

سوال :- ایک شخص کی بیوی فاحشہ اور نافرمان ہے اب اگر یہ شخص اس کو طلاق دیدے تو گنہگار تو نہیں ہوگا ؟

الجواب :- جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہو اور اس کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہو اور حدود شرعی کو بھی پامال کرتی ہو تو اسس کو طلاق دینے سے شوہر گنہگار نہ ہوگا بلکہ ایسی عورت سے علیحدگی حاصل کرنا مستحب امر ہے ۔

قال العلامة الحصكفيؒ : وايقاعه مباح وقيل الاصح حظره الا لحاجة كريبة وكبر ... بل يستحب لو مؤذية او تاركة صلوٰة غاية ومفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلي ويجب لو فات الامساك بالمعروف ۔ قال ابن عابدين تحت قوله (مؤذية) اطلقه فشمل المؤذية له او لغيره بقولها او بفعلها ۔ الخ

(ردالمحتار ج ۲ ص ۴۱۵ كتاب الطلاق)[1]

لڑکی پسند نہ آنے کی صورت میں طلاق دینے کا حکم

سوال :- والدین نے ایک جگہ میری شادی کر دی، رخصتی کے بعد مجھے لڑکی پسند نہیں، تو کیا اب میں اسس کو طلاق دے سکتا ہوں یا نہیں ؟

الجواب :- طلاق دینا شوہر کی ملکیت ہے وہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتا ہے مگر بلا عذر شرعی طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں ۔ صورت مسئولہ میں چونکہ طلاق کی صورت میں والدین کی نافرمانی بھی لازم آتی ہے اس لیے حتی الامکان طلاق دینے سے گریز کیا جائے، اور اگر باوجود کوشش کے نباہ ممکن نہ ہو تو پھر طلاق دینا مباح ہے ۔

قال العلامة الحصكفيؒ : وايقاعه مباح عند العامة لاطلاق الآيات اكمل وقيل قائله الكمال الاصح حظره اي منعه الا لحاجة كريبة وكبر ۔ (الدرالمختار على هامش ردالمحتار ج ۲ كتاب الطلاق)[2]

---

[1] وهكذا قال الشيخ وهبة الزحيليؒ : ذهب الحنفية والحنابلة الى ان ايقاع الطلاق مباح لاطلاق الآيات ...... قال الكمال بن الهمام : الاصح حظر الطلاق اي منعه الا لحاجة كريبة وكبر ۔ قال ابن عابدين : هذا الرأي وليست الحاجة مختصة بالكبر والريبة بل هي اعم ۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۷ ص ۳۵۸ المبحث الاول حكم الطلاق)

صرف طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کسی شخص کے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہو کہ میری بیوی مجھ پر طلاق ہے جبکہ ابھی تک اس نے زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں کیے ہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے الفاظ طلاق کا زبان سے ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے نفس طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: فقد علمت ان ركنه اى الطلاق اللفظ الدال على ازالة حل المحلية۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۵۲ کتاب الطلاق) ؎۱

شک کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی

سوال:۔ اگر کسی شخص کو طلاق کی تعداد میں شک پڑ جائے کہ اس نے بیوی کو ایک طلاق دی ہے یا دو یا تین، تو اس صورت میں اس شخص کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

الجواب:۔ تعداد طلاق میں شک پڑنے سے چونکہ صرف اقل متیقن ہوتا ہے وہی واقع ہوگا جب تک اس کو اکثر کا یقین ہو جائے، لہٰذا صورت مسئولہ میں بصورت شک دو طلاق واقع ہوں گی، تاہم اگر تین طلاق کا گمان زیادہ ہو تو تین ہی واقع ہوں گی۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: رجل حلف بالطلاق وشك الرجل انه طلق واحدة او ثنتا فهي واحدة حتى يستيقن ويكون اكثر ظنه على خلافه۔ (خلاصة الفتاوى ج۲ ص۳۱ کتاب الطلاق) ؎۲

؎۱ قال الشيخ وهبة الزحيلي: يشترط بالاتفاق القصد فى الطلاق وهو ارادة التلفظ به ولو لم ينوه۔ (الفقه الاسلامى وادلته ج۷ ص۳۶۹ المبحث ما يشترط فى الركن ثانى للطلاق القصد)

؎۲ قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلي: ومن شك فى صفة الطلاق، انه طلقها رجعية أو بائنة يحكم بالرجعية لانها اقل۔ الطلاقين وانها متيقنة به۔ (الفقه الاسلامى وادلته ج۷ ص۴۵۲ المبحث السادس الشك فى الطلاق)

مرض الموت کی طلاق سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک شخص نے مرض الموت کی حالت میں بیوی کو طلاق دی اس کے چند دن بعد وہ اس بیماری سے فوت ہو گیا تو کیا اس مطلقہ عورت کو خاوند کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مرض الوفات میں طلاق دینے سے خاوند کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس نے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہو، اس لیے از روئے شرع مرض الموت میں طلاق دینے سے عورت کا حق میراث ختم نہیں ہوتا۔

لما في الهندية: الرجل اذا طلق امرأته طلاقاً رجعياً في حال صحته او في حال مرضه برضاها او بغير رضاها ثم مات وهي في العدة فانهما يتوارثان بالاجماع۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۶۲ الباب الخامس في طلاق المريض) ؎۱

فاحشہ عورت کو طلاق واجب نہیں مستحب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کی بیوی آوارہ پھرتی رہتی ہو اور خاوند کی طرف سے پابندی کو ایک بوجھ سمجھ کر اکثر اس کی خلاف ورزی کرتی ہو یہاں تک کہ اس سے فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی ہو تو ایسی حالت میں عورت کو طلاق دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ فاحشہ اور فاسقہ عورت کے بارے میں اس کے خاوند کو فکرمند ہونا چاہیے، اولین فرصت میں اس کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے، ممکن ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر کے فسق و فجور سے باز آجائے، لیکن اگر خاوند تمام کوشش کے باوجود اس کی اصلاح سے کلی طور پر ناامید ہو جائے تو پھر ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے تاہم واجب نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: بل يستحب (اي الطلاق) لو مؤذية او تاركة صلوة ۔ قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: اطلقه فشمل المؤذية له او لغيره بقولها ۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۲ كتاب الطلاق) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن عابدين: الطلاق اذا كان رجعياً فانها ترثه ولكن لا يرثها لو ماتت في العدة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۷ باب طلاق المريض)

ومثله في كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج ۴ ص ۴۲ باب طلاق المريض۔

وفیہ کذلک فی موضع آخر لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیہا تسریح الفاجر (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۹ فصل فی المحرمات، مطلب فیما لو زوج المولی امتہ) ۔ [1]

طلاق کے لیے خاوند پر جبر کرنے کا حکم

سوال :۔ کن صورتوں میں خاوند پر جبر و اکراہ کر کے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے؟

الجواب :۔ طلاق میں خاوند مستقل ہے، طلاق حاصل کرنے کے لیے اس پر جبر کرنا اس کے حقوق میں دخل اندازی کے مترادف ہے، تاہم لعان کی صورت میں جب خاوند طلاق نہ دے تو قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کر سکتا ہے، ایسے ہی ظہار میں کفارہ کی ادائیگی یا طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

لما فی الہندیۃ : المظاھر اذا لم یکفر رفع امرہ الی القاضی یحبسہ القاضی حتی یکفر او یطلق ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۵۰۷ الباب التاسع فی الظہار) [2]

والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دینا

سوال :۔ ایک شخص کی بیوی میں کوئی شرعی نقص نہیں کہ جس کی وجہ سے اُسے طلاق دی جائے لیکن خاوند کے والدین اور بیوی کا آپس میں اکٹھا رہنا مشکل ہے تو ایسی حالت میں کیا یہ شخص محض والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دے سکتا ہے؟

الجواب :۔ والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو قربان کرنا اگرچہ بیٹے کی فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ ہے، لیکن ایسی حالت میں جبکہ عورت کا کوئی جرم بھی نہ ہو ایک عورت کی زندگی سے کھیلنا

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ : وفی غایۃ البیان یستحب طلاقہا اذا کانت سلیطۃ مؤذیۃ او تارکۃ للصلوٰۃ الخ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۵ کتاب الطلاق)

وفیہ ھکذا :۔ وفی المجتبی من الحظر والاباحۃ لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیہا تسریح الفاجر ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۰ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

[2] وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : وعلیہا ان تمنعہ من الاستمتاع حتی یکفر وعلی القاضی الزامہ بہ بالتکفیر دفعاً للضرر عنہا بحبس وضرب الی ان یکفر او یطلق ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۹ باب الظہار)

ومثلہ فی الفتاویٰ الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۵۲۴ باب الظہار مطلب ما یتعلق بالظہار .

اور اس کو معمولی کی وادی میں دھکیل دیا، اپنے آپ کو جدائی کے ناقابلِ برداشت بوجھ کے نیچے دبا دیا کسی بھی اعتبار سے کم نہیں، عام معاشرہ میں حضرت عمرؓ جیسے والد کہاں نصیب ہوتے ہیں کہ جن سے ابن عمرؓ کے کردار کی توقع رکھی جاسکے، اس لیے والدین کی رضامندی کے لیے طلاق دینا اگرچہ جائز ہے لیکن حالات پر نظر رکھنے کے بغیر یہ اقدام کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَۃِ (النساء، آیت ۱۲۹)

وایضاً قال: وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۱) ؎۱

مطلقہ کی میراث کا حکم

سوال: اگر عدت کے دوران مطلقہ کے خاوند کا انتقال ہو جائے تو کیا مطلقہ معتدہ کو خاوند کی جائیداد میں وراثت کا حق مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عورت کے مطالبہ پر خاوند نے طلاق دی ہو تو ایسی صورت میں مطلقہ حق وراثت سے محروم رہے گی اس کے علاوہ چونکہ معتدہ خاوند کے نکاح میں پابند رہتی ہے اس لیے اس کو میراث سے حصہ ملے گا اگرچہ عورت مطلقہ مغلظہ ہی کیوں نہ ہو۔

لما فی الہندیۃ: رجل طلق امرأتہ طلاقا رجعیا فی حال صحتہ او فی حال مرضہ برضاہا او بغیر رضاہا ثم مات وہی فی العدۃ فانہم یتوارثان... ولو طلقہا طلاقا بائنا او ثلاثا ثم مات وہی فی العدۃ فکذلک عندنا ترث۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) ؎۲

؎۱ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت تحتی امرأۃ احبہا وکان عمر یکرہہا فقال لی … رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلقہا، رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۴ کتاب الطلاق)

وقال الشیخ عبد الحق فی شرح ھذا الحدیث: ان کان الحق فی جانب الوالدین فطلاقہا واجب لمزید رعایۃ الحقوق وان کان فی جانب المرأۃ فان طلقہا لرضاء والدیہ فہو جائز۔ (اللمعات شرح المشکوٰۃ)

؎۲ قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاری: اذا طلق المریض امرأتہ طلاقا رجعیا ورثت ما دامت فی العدۃ، ولو طلقہا بائنا او ثلاثا ثم مات وہی فی العدۃ فکذلک عندنا ترث۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۳ ص ۲۵۵ الفصل العشرون فی طلاق المریض …)

ومثلہ فی الدر المختار ج ۲ ص ۵۲۲ باب طلاق المریض۔

بغیر رجوع کیے عدت گذرنے پر عورت جدا ہوگی

سوال:- ایک شخص نے بیوی سے غصہ کی حالت میں کہا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" جبکہ اس وقت طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا لیکن عورت کو ناچاقی کی وجہ سے کہہ دیا، اس کے بعد عورت والدین کے گھر چلی گئی اور پانچ سال تک ان کے باہمی تعلقات نہیں رہے۔ اب وہ دونوں دوبارہ نکاح بحال کرنا چاہتے ہیں تو انہیں شرعاً کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب:- "تو مجھ پر طلاق ہے" کے الفاظ صریح ہیں، ایسے الفاظ میں نیت وارادہ کی ضرورت نہیں، اس کے بغیر بھی طلاق ہو جاتی ہے، صورت مذکورہ میں چونکہ ایک طلاق واقع ہو کر عدت گذر گئی ہے، اگرچہ عدت کے دوران خاوند کیلئے رجوع با قول یا بالفعل کا حق تھا لیکن رجوع کے بغیر عدت گذرنے سے عورت جدا ہو گئی ہے، اب دونوں باہمی رضامندی سے تجدید نکاح کے ذریعے دوبارہ اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: والرجعی لا یزیل الملک الا بعد مضی العدة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۹ کتاب الطلاق: باب الرجعة)[1]

مطلقہ مغلظہ کا خاوند کے گھر رہنا

سوال:- ایک شخص نے بیوی کو طلاق مغلظہ دے کر فارغ کر دیا ہے، معاملہ کے لیے تیار نہ ہونے کی وجہ سے اگر یہ عورت خاوند کے گھر میں بطور خادمہ کے رہے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:- اگر خاوند فاسق فاجر نہ ہو اور اس سے زنا کا خطرہ نہ ہو تو مطلقہ مغلظہ کا بطور خادمہ خاوند کے گھر میں رہنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم پھر بھی احتیاط ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی بے راہروی میں مبتلا نہ ہو۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: سئل شیخ الاسلام عن زوجین افترقا ولکل منهما ستون سنة وبینهما اولاد تتعذر علیهما مفارقتهم فیسکنان فی بیتهم ولا یجتمعان

---

[1] قال العلامة کمال الدین البابرتیؒ: فما دامت العدة باقیة دامت ولایة الرجعة باقیة واذا انقضت من غیر رجعة بانت۔ (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر ج ۳ ص ۲۵۲ باب ایقاع الطلاق، کتاب الطلاق)

ومثله فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۳ ص ۲۵۲ باب الطلاق۔

ذ فرق ولا يلتفتان اعتقاداً لا زواج على نفسهما ذلك قال نعم ۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۲۵ باب العدة، كتاب الطلاق) [۱]

عدت گذرنے میں عورت کے بیان پر اعتماد کرنا

سوال:۔ اگر کسی عورت نے یہ کہا کہ میرا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اس کے بعد میری عدت گذر گئی ہے تو کیا اس کے بیان کو درست تسلیم کرتے ہوئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں!

الجواب:۔ اگر عورت کا بیان غالب ظن کا مفید ہو اور اس کے بیان میں سچائی کی طرف میلان زیادہ ہو تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم بہتر یہ ہو گا کہ عورت کے بیان کو معاشرہ کے حالات کے مطابق پرکھا جائے، قرائن خارجیہ کا سہارا لیے بغیر شاید صرف اس عورت کا بیان ظن کے لیے مفید نہ ہو سکے ۔

لما في الهندية: ولو أن امرأة قالت لرجل إن زوجي طلقني ثلاثاً وانقضت عدتي فإن كانت عدلة وسعه أن يتزوجها وإن كانت فاسقة تحرى وعمل بما وقع عليه تحريه كذا في الذخيرة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۱۳ كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة) [۲]

نفاس کی عدت طلاق

سوال:۔ ایک آدمی نے حالت نفاس میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اب یہ عورت عدت گذارے بغیر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت حیض کے آنے سے ناامید ہو چکی ہو تو اس صورت میں اس پر

---

[۱] وفي الهندية: إذا طلقها ثلاثاً أو واحدة بائنة وليس له إلا بيت واحد فينبغي له أن يجعل بينهما حجاباً حتى لا تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية ۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۳۵ كتاب الطلاق، باب الثالث عشر في العدة)
ومثله في الخانية على هامش الهندية ج۱ ص۵۵۵ كتاب الطلاق، باب الرابع عشر في العدة)

[۲] قال العلامة الحصكفي: وحل نكاح من قالت طلقني زوجي وانقضت عدتي أو كنت أمة فلان وأعتقني۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۹۴ كتاب الطلاق، باب العدة)
ومثله في الفتاوى الخانية على هامش الهندية ج۱ ص۲۳ كتاب الطلاق، باب العدة ۔

تب حیض گذارنا لازم ہیں اور اگر سن ایاس کو پہنچنے کی وجہ سے حیض آنے سے نا امید ہو چکی ہو تو اس صورت میں تین ماہ کی عدت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، بہرحال عدت گذارنا ضروری ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: وإذا طلق الرجل امرأته ... وهي ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء۔ (الهداية ج۲ ص۴۲۲ كتاب الطلاق، باب العدة) له

غیر مسلم عورت کی عدت کا حکم

سوال: اگر ایک عورت اسلام سے مشرف ہو جائے اور اس کا خاوند اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو یہ عورت اگر کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی عدت کیا ہوگی؟

الجواب: مسلمان عورت کا خاوند اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہا ہو تو یہ عورت کسی غیر مسلم شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اس لیے مسلمان حاکم یا قاضی خاوند کے اسلام لانے سے انکار کے بعد دونوں کے درمیان جدائی کا حکم صادر کرے گا جو عورت کے حق میں طلاق شمار ہوگی۔ ایک اسلامی ملک اور معاشرہ میں رہائش رکھتے ہوئے عورت کے لیے یہی بہتر اور مناسب ہے کہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: وإذا أسلمت المرأة وزوجها كافر عرض عليه الإسلام فإن أسلم فهي امرأته وإن أبى فرق القاضي بينهما وكان ذلك طلاقاً عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى
(الهداية مع فتح القدير ج۳ ص۲۹۸ كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك) ٢ـه

له وفي الهندية: وإذا طلق الرجل امرأته ... وهي ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۲۶ كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۸۲۵ كتاب الطلاق، باب العدة۔

٢ـه قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وإذا أسلم أحد الزوجين المجوسيين أو امرأة الكتابي عرض الإسلام على الآخر فإن أسلم فبها وإلا بأن أبى أو سكت فرق بينهما۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۸ باب نكاح الكافر)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۲۱۳ باب نكاح الكافر۔

تجھے طلاق دی، دی، دی سے تین طلاق کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، دی، دی تو کیا اس سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟ جبکہ اس کی نیت بھی تین ہی کی ہو؟

الجواب: جب کسی آدمی کی نیت ایسے الفاظ سے تین طلاق کی ہو تو اس سے تین طلاق واقع ہوں گی اور بدون حلالہ شرعیہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہو سکتے۔

لما فی الهندیة: ولو قال هو طالق انت طالق انت طالق فقال لم ... کرر ذکر ... تطلق ثلاثا وهو الاصح۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۸۳ کتاب الطلاق)

بنتِ فلاں کو طلاق ہو کا شرعی حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو فلاں کی بیٹی (اپنے خسر کا نام لیا) کو طلاق ہو، چند دنوں بعد اس نے وہی کام کر لیا، اب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ ان الفاظ سے میں نے اپنی بیوی کی نیت نہیں کی تھی، تو کیا شریعت مقدسہ کی رو سے موصوف کی بیوی کو طلاق ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ کے مطابق موصوف کا مذکورہ الفاظ ادا کرنے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی قضاءً اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، دیانتاً دوسرا معاملہ ہے۔

لما قال العلامة قاضی خان: ولو قال بنت فلان طالق وذکر اسم الاب ولم یذکر اسم المرأة وامرأته بنت فلان وقال لم اعن به امرأتی لا یصدق قضاءً وتطلق امرأته۔ (الفتاوی قاضی خان ج۱ ص۲۱۹ کتاب الطلاق)

امداد الفتاوی ... حضرت ... التھانوی رحمہ اللہ: **الجواب:** جب ان سے کہا گیا کہ میں نے طلاق دی، دے دی، دے دی، اگر نیت ... تاکید ہو ... کا کہ اس کا مطالبہ کیا تھا ... تب تو تین طلاق واقع ہو گئیں بدون حلالہ تجدید نکاح درست نہیں۔ الخ

(امداد الفتاوی ج۲ ص۴۲۳ کتاب الطلاق)

ولا نية له لا تطلق ...... وان نوى امرأته في ذلك او لوجود طلقت ديانة لا قضاء رقيقا بينه وبين الله كذا في خزانة المفتين .

(الفتاوى الهندية ج ا صـ ۳۶۲ الفصل الاول في الطلاق الصريح، مطلب في ذلك الى حق الخ) لـه

کسی جاہل سے امرأتی طالق کے الفاظ کہلوانے کا حکم

سوال: ایک صاحب نے ایک جاہل آدمی سے کہا کہ تم یہ الفاظ کہو کہ امرأتی طالق تو اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے حالانکہ یہ الفاظ کہنے والا نہ تو ان کے معانی کو جانتا ہے اور نہ اس کی نیت طلاق کی تھی تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: الفاظ صریح میں اگرچہ نیت کی ضرورت نہیں تاہم وقوع طلاق کیلئے ضروری ہے کہ طلاق کی اضافت میں بیوی کا قصد و ارادہ ہو، اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی، لہٰذا بشرط صحت سوال صورت مذکورہ میں اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لما قال العلامة ابن عابدين: ولكن لا بد في وقوعه قضاء وديانة من قصد اضافة لفظ الطلاق اليها عالماً بمعناه ولم يصرفه الى ما يحتمله كما افاده في الفتح وحققه في النهر احترازاً عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها او كتب ناقلاً من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ او حكى يمين غيره فانه لا يقع اصلاً ما لم يقصد زوجته وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع اصلاً على ما افتى به مشائخ۔ (رد المحتار ج ۳ صـ ۲۵۰ كتاب الطلاق)

"تیرا میرا معاملہ ختم" کہنے کے نکاح پر اثرات

سوال: میاں بیوی کے مابین کسی وجہ سے تلخ کلامی پیدا ہوگئی تو شوہر نے بیوی کو مخاطب کرکے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اسلئے کہ میرا اور تیرا معاملہ ختم

لـه قال العلامة ابن نجيم: ولذا لو قال بنت فلان طالق ولم يسم الاب وتحته بنت لها اسم المرأة وامرأته بنت فلان وقال لم اعن امرأتي لا يصدق قضاء وتطلق امرأته .

(البحر الرائق ج ۳ صـ ۲۶۳ كتاب الطلاق باب الصريح)

ہو چکا ہے تو کیا ان دونوں کا نکاح برقرار ہے یا ختم ہو چکا ہے؟

الجواب:۔ "میرا تیرا معاملہ ختم ہو چکا ہے" یہ الفاظ طلاق کنائی کے ہیں اگر شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی ہو تو اس کی بیوی مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے۔ تجدید نکاح ضروری ہے۔

لما في الهندية: لم يبق بيني وبينك عمل ونوى يقع۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص[illegible] كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات)

اثبات طلاق کے لیے باپ کی گواہی کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاق دی ہیں جبکہ اس کا خاوند اس بات کا منکر ہے، عورت گواہی میں اپنے باپ اور ایک اجنبی کو پیش کرتی ہے، کیا اس گواہی سے عورت کا دعویٰ طلاق درست ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دعویٰ طلاق کے اثبات کے لیے دیگر معاملات کی طرح دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ گواہوں میں کوئی ایسا گواہ نہ ہو جس کی گواہی سے اقربا پروری کی تہمت لگ سکتی ہو۔ چونکہ صورت مسئولہ میں اثبات طلاق کا ایک گواہ عورت کا باپ ہے جس کی گواہی اس دعویٰ طلاق کے اثبات کے لیے شرعاً درست نہیں لہٰذا ایک گواہ سے دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے عورت پر وقوع طلاق کا فیصلہ کرنا مشکل ہے، تاہم اگر واقعتاً ایسا معاملہ ہو چکا ہو تو عورت کسی اور ذریعہ (خلع) سے شوہر سے جدائی اختیار کر سکتی ہے۔

لما في الهندية: لا تجوز شهادة الوالدين لولدهما۔ (الفتاوى الهندية ج۳ ص[illegible] باب الشهادة) لہ

تعداد طلاق میں شک ہو تو

سوال:۔ اگر کسی شخص کو یہ شک پڑ جائے کہ اس نے بیوی کو دو طلاق دی ہیں یا تین، تو کیا یہ شخص بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا پھر حلالہ شرعی لازمی ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کو تعداد طلاق میں شک پڑ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ

لہ قال المرغيناني: ولا شهادة الوالد لولده وولد ولده، ولا شهادة الولد لأبويه وأجداده، والأصل فيه قوله عليه السلام: لا تقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجها الخ۔ (الهداية ج۳ ص۱۶۱ كتاب الشهادة، فصل من يقبل شهادته ومن لا يقبل)

کم عدد پر عمل کرتے اس لیے کہ وہ یقینی ہے۔ اس لیے صورت مسئولہ کے مطابق عورت پر دو طلاق واقع ہو چکی ہیں اور طلاق رجعی ہونے کی بناء پر آدمی رجوع کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو شك أطلق واحدة أو أكثر بنى على الأقل۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۳ باب الصریح) ۱؎

رجوع میں بیوی کی رضامندی شرط نہیں

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے دی۔ اب وہ اپنے اس اقدام پر نادم اور پشیمان ہے، گواہوں کے سامنے اس نے رجوع کا اعلان کیا ہے لیکن بیوی نہیں مانتی وہ کہتی ہے کہ مجھے رجوع قبول نہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عورت کی رضامندی کے بغیر خاوند رجوع کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رو سے طلاق رجعی میں نکاح زائل نہیں ہوتا صرف عدد میں کمی آتی ہے اس لیے خاوند کے رجوع کرنے کے لیے بیوی کی رضامندی شرط نہیں منکوحہ راضی ہو یا نہ ہو لیکن جب خاوند باقاعدہ رجوع کرے تو دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔

لما فی الهندیة: وإذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة أو تطلیقتین فله أن یراجعها فی عدتها رضیت بذلك أو لم ترض (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۴۷۰ کتاب الطلاق الباب السادس فی الرجعة) ۲؎

○

۱؎ وفی الهندیة: عن محمدؒ إذا شك فی أنه طلق واحدة أو ثلاثا فهی واحدة حتی یستیقن أو یکون أکبر ظنه علی خلافه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۶۳ کتاب الطلاق الفصل الثانی فی الطلاق الصریح)

۲؎ قال الحصکفیؒ: وتصح الرجعة بتزوجها فی العدة، وفیه: إن لم یطلق بائنا فإن أبانها فلا وإن أبت۔ قال ابن عابدینؒ: أی سواء رضیت بعد علمها أو أبت۔

(رد المحتار ج۲ ص[illegible] کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

ومثله فی فتح القدیر ج۴ ص۱۵۹ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة۔

موجودہ جج قاضی شرعی کے قائم مقام ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب۔ ایک عورت نے کسی مرد سے شادی کی، شادی کے چند ماہ بعد شوہر نے بیوی کو نان و نفقہ دینا چھوڑ دیا۔ کئی بار علاقائی بزرگوں کے ذریعے آنے کے باوجود وہ لیت و لعل سے کام لیتا رہا۔ آخر کار عورت نے مجبور ہو کر عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر دیا۔ عدالتی حکم پر شوہر صرف ایک بار عدالت میں حاضر ہوا، اس کے بعد عدالتی اطلاع اور سمن کے باوجود عدالت میں حاضر نہ ہوا۔ آخر کار عدالت نے عورت کے حق میں تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر دی۔ اب دریافت طلب امر یہ کہ:

(۱) کیا موجودہ عدالتوں کے جج صاحبان قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں یا نہیں؟
(۲) کیا ان عدالتوں کے جج صاحبان بیوی کو نان و نفقہ نہ دینے والے شوہر کی بیوی کی درخواست پر اس کا نکاح فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- پاکستان کے عائلی لاء میں سے بعض کا تعلق قضاء قاضی کے ساتھ ہے بغیر اس کے وہ حکم تمام نہیں ہوتا، مگر قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ گورنمنٹ یعنی حاکم وقت کا مقرر کردہ ہو، بغیر حاکم کی اجازت کے کوئی شخص قاضی یا جج نہیں بن سکتا۔

قال الامام ماوردیؒ: والثانی لان التقلید لا یصح الا من جهته والیه فصل القضاء من جهته فرض یتعین علیه۔ (ادب القاضی ج ۱ ص ۱۳۶)

اگرچہ حکومت کسی فاسق و فاجر یا کافر کی ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: فیہ دلیل علی جواز التقلید من الکافر لمسلم اذا لم یأمر بالاوزار۔ (اعلاء السنن ج ۱۵ ص ۲۵ کتاب القضاء باب تحریم تقلید القضاء...الخ)

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ”جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے“۔ (جلد ثانی جزء ۵ ص ۱۲۸ امداد الفتاویٰ (تتمۂ ثانیہ))

اس لیے موجودہ جج و مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے ان احکامات کے اجراء کیلئے مقرر ہوں قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں بشرطیکہ فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہو۔

اسی طرح جو شخص بیوی کو باوجود وسعت کے نان و نفقہ نہ دیتا ہو اور نہ ہی اسے طلاق دینے پر آمادہ ہو اور نہ خلع کرنا چاہتا ہو تو اگرچہ حنفیہ کے ہاں عورت کو نکاح کی تنسیخ کی

اجازت نہیں مگر بنا بر مجبوری متاخرین علماء نے مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ شوہر طلاق یا خلع سے بھی انکاری ہو اور نان و نفقہ بھی نہ دیتا ہو اور عورت کے نان و نفقہ کا کوئی متبادل انتظام بھی نہ ہو سکتا ہو جیسا کہ صورت مسئولہ میں مذکور ہے کہ بار بار سمجھانے اور منت کے باوجود شوہر بیوی کو نان و نفقہ نہیں دیتا اور طلاق وغیرہ سے کنارہ کشی کر رہا ہے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے اس مسئلہ کے حل کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اب اگر عدالت تحقیق حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کردے تو یہ عورت شوہر کے نکاح سے آزاد ہو جائے گی اور عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: لا یجوز فی مذھب الحنفیۃ والامامیۃ التفریق لعدم الانفاق واجاز الائمۃ الثلاثۃ التفریق لعدم الانفاق .... والراجح لدی رأی الجمھور لقوۃ ادلتھم ودفعاً للضرر عن المرأۃ ولاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۵۲۷ کتاب الطلاق)

(وھکذا فی الحیلۃ الناجزۃ ص ۷۳ حکم زوجہ متعنت)

برطانیہ میں شریعت کونسل کی طرف سے فسخ نکاح کے فیصلے کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب!

یہاں برطانیہ کی شریعت کونسل نے ایک مقدمہ میں مدعیہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری کی ہے اب آنجناب سے عرض ہے کہ قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں، اس مقدمہ کا پس منظر یہ ہے کہ:۔

مسمی صفدر زمان نے ۱۹۸۲ء دسمبر میں بی بی فاطمہ سے پاکستان میں شادی کی اور کچھ عرصہ بعد انگلینڈ آگئے پانچ سال تک اچھے تعلقات رہے اس کے بعد اس نے ظلماً بی بی فاطمہ کو گھر سے نکال دیا اور وہ اس وقت سے اب تک (تقریباً بارہ سال سے) بہن کے گھر بیٹھی ہوئی ہے۔ کوئی بھی اسے منانے نہیں آیا، اس دوران صفدر زمان نے دوسری شادی کر لی جس سے اس کی چار بچیاں بھی ہو گئی ہیں، چونکہ صفدر زمان نہ تو بی بی فاطمہ کو طلاق دینے پر تیار تھا اور نہ آباد کرنے کے لیے، مجبوراً بی بی فاطمہ نے شرعی کونسل برطانیہ میں دعویٰ دائر کر دیا، ایک سال تک کیس چلتا رہا اس کے بعد شریعت کونسل نے بی بی فاطمہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری

کر دی اور لکھ دیا کہ بی بی فاطمہ عدت گذار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

شریعت کونسل برطانیہ کے چیئرمین مفتی محمد اسلم صاحب ہیں، دیگر ممبران حضرات بھی علماء کرام ہیں۔ مفتی صاحب جمعیۃ علماء برطانیہ کے جنرل سیکریٹری بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا محمد امداد اللہ قاسمی صاحب خطیب مسجد برمنگھم، فاضل بنوری ٹاؤن کراچی، مولانا حافظ محمد یحییٰ صاحب خطیب جامع مسجد حنفیہ الیمن شاہ اور حضرت محمد حنفی، مولانا محمد زمان صاحب فاضل جامعہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک بھی شریعت کونسل کے ممبر ہیں۔

فسخ نکاح کے فیصلہ کی نقل حاضر خدمت ہے۔

(بی بی فاطمہ ... شکایت)

الجواب: اسلام نے کسی کو بھی دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کا کوئی حق نہیں دیا ہے چاہے وہ اس کا مملوک ہو یا منکوحہ ہو بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اور ہر وقت بیوی کو طعن و مار دو کوب کرتا رہتا ہو، سب و شتم سے اس کا جینا دوبھر کر دیا ہو، نان و نفقہ سے بھی پہلو تہی کرتا ہو، بیوی کو نہ تو اچھے طریقہ سے آباد کرتا ہو اور نہ اس کو چھوڑتا ہو، تو مذہب مالکیہ کے مطابق ایسی مجبور عورت زوج کی خلاصی کے لیے عدالت میں دعویٰ کرنے کا حق رکھتی ہے اور عدالت پوری تحقیقات اور کوشش کے بعد صلح نہ ہونے کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کی مجاز ہے۔ تنسیخ نکاح کی ڈگری ملنے کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر کہیں شرعی عدالت نہ ہو یا دارالحرب ہو تو وہاں جماعت پنچایت یہ کام جو کہ چند مسلمانوں پر مشتمل ہو، سنبھال سکتی ہے اور اس کی طرف سے جاری کی گئی تنسیخ نکاح کی ڈگری شرعاً قوانین کے مطابق مقبول ہوگی اور اس کا بھی وہی مقام ہے جو کسی شرعی عدالت کے فیصلے کا ہوتا ہے۔ فقہ حنفی میں بھی بنا بر ضرورت شدیدہ دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق برطانیہ میں شرعی عدالت کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہاں کی شریعت کونسل (جو ایک قسم کی پنچایت ہے) اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہے اور اس کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔ بی بی فاطمہ کے نکاح کی تنسیخ کا فیصلہ بھی اسی طرح ضرورت شدیدہ کے تحت ہوا ہے کہ اس کا شوہر مسمی صفدر ... نہ تو خلع کے لیے تیار تھا اور نہ طلاق دینے پر آمادہ تھا اور نہ اس کو اچھی طرح آباد کرنے کے لیے تیار تھا اس لیے شریعت کونسل کا تنسیخ کا یہ فیصلہ شرعاً

درست اور صحیح ہے اب بی بی فاطمہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اس کا نکاح شوہر اول سے ختم ہو چکا ہے ۔

(۱) لقوله تعالیٰ: ولا تمسكوهن ضرارا لتعتدوا (البقرة) وقال الله تعالیٰ: فامساك بمعروف او تسريح باحسان (البقرة) وان ابقاء مع عدم الانفاق ضرار و امساك بغير معروف فتعين عليه ان يطلق زوجته فلما لم يقم بذلك وقد تعين عليه قام القاضي مقامه فيه ۔

قال صلی الله عليه وسلم لا ضرر ولا ضرار ولا شك ان الامساك مع عدم الانفاق ضرر وان الامساك مع عدم الانفاق مضارة وعلى القاضي ان يزيل الضرر بفك تلك العقدة التي اصبحت ضررا لا مصلحة فيها ۔ (الاحوال الشخصية لابي زهرة ص ۲۲۲)

(۲) في مقدمات لابن رشد: ان تبين ان الضرر من قبل الزوج فرق بينهما بغير عوض تلزمه المرأة (الاحوال الشخصية ص ۶۱ التفريق للضرر ۳۶)

(۳) واجاز المالكية التفريق للشقاق وللضرر منعا للنزاع وحتى لا تصبح الحياة الزوجية جحيما وبلاء ولقوله عليه السلام لا ضرر ولا ضرار و بناء عليه ترفع المرأة امرها للقاضي فان اثبتت الضرر او صحة دعواها طلقها (الفقه الاسلامي وادلته ج ۷ مبحث ثالث التفريق للشقاق)

(۴) اگر کسی جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو اس وقت مذہب امام مالک کے موافق ذیل کا اختیار کرنا بقدر ضرورت شریعت حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے دیندار لوگ یا اگر مسلمانوں کی ایک جماعت جس کا عدد کم از کم تین ہو، کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت اس معاملے کی تحقیق کر کے شریعت کے مطابق فیصلہ کر دے ۔

(حیلۂ ناجزہ ص ۴۳-۴۲ المرقومات المتعلقة و تفریق بین الزوجین بحکم حاکم)

وهکذا فی اسلام کا عائلی نظام طلاق ص ۲۰۹ تا ۲۱۱ ۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

ہر دور میں سائنسی ایجادات نے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ پیدا کیا ہے علماء اُمت اور مفتیانِ کرام نے شرعی نقطۂ نظر سے ان ایجادات پر بحث و تحقیق کرتے ہوئے قرآن و سنت کے دلائل و شواہد کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنے کے لئے پُر مغز مقالے، مضامین اور کتابیں تحریر فرمائیں جن کو اپنے اور بیگانے سب نے تسلیم کیا۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی بھی ان ہی سائنسی ایجادات کی کرشمہ سازی ہے جس میں نسلِ انسانی تولید کے جدید (مگر حیاسوز اور اخلاق باختہ) طریقے وضع کئے گئے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے اس کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کو دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ الحق نے اپنی اشاعت کی زینت بنایا۔ نیا ذہن اور عمیق مباحث کی مناسبت سے افادۂ عام کے لئے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

نیک اور صالح اولاد انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے۔ اولاد والدین کے لیے صرف دنیاوی عزت و افتخار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اخروی سعادت اور نجات کے لیے بھی بہترین توشہ ہے۔ اسلام میں اولاد کی زیادتی پر کوئی پابندی نہیں۔ افرادی قوت کے اضافہ کے لیے اسلامی تعلیمات میں نکاح کی بار بار ترغیب دلائی گئی ہے۔ پھر ایسی عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دی گئی ہے جو زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ (ابو داؤد، نسائی)

ترجمہ: "تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو، جو زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو، کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔"

یہی وجہ ہے کہ جب ضبط تولید (FAMILY PLANNING) کی تحریک چلی تو علمائے حق نے اس بے مقصد اور بے فائدہ تحریک کی شدید مخالفت کی۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا عقیدہ ہے کہ اولاد کا دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسباب اور وسائل، ذریعہ و ذرائع کا حصول، ان کا استعمال اپنی جگہ ضروری اور مسنون ہے مگر اولاد جیسی نعمت عظمیٰ کے حصول کا توقف اور دارومدار مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۔ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (سورۃ الشوریٰ آیت ۴۹، ۵۰)

ترجمہ: "اللہ ہی کی ہے سب سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اور

یا ان کو جمع کر دیتا ہے یعنی بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، بیشک وہ بڑا جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔

اس آیت کریمہ کے مطابق اولاد کے اعتبار سے افراد انسانی چار اقسام میں منقسم ہیں۔

(الف) ایسے افراد جن کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں دیتا ہے جیسا کہ انبیاء کرام میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی صرف بیٹیاں تھیں ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی تین یا دو بیٹیاں (زربتا اور زعورا) اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دو (ریا، صفورا) بیٹیاں تھیں۔

(ب) ایسے افراد جن کو بیٹے دے کر بیٹیوں سے محروم کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے تھے آپ کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے اسماعیل، اسحٰق، مدین، مدائن، نقشان، زمران، نشبق اور شیوخ۔

(ج) ایسے افراد جن کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے کر دونوں نعمتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ اور تین یا چار بیٹے بھی عطا فرمائے تھے قاسمؓ، طاہرؓ و طیبؓ اور ابراہیمؓ۔

(د) آخر الذکر وہ قسم ہے جن کو اللہ تعالیٰ ہر دو نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے انبیاء ہیں جو اولاد سے محروم رہے۔

اگرچہ نوع انسانی کی یہ تمام اقسام معاشرے کے عام افراد میں پائی جاتی ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے سے مقصد یہ ہے کہ نبی ہونے کے باوجود بیٹے یا بیٹی سے محروم ہونے میں یہ سبق ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بیٹوں کے دائرے میں محبوس کر دیتا ہے تو وہ بیٹی کے لیے ترستا ہے اور کسی کی زندگی بھر میں صرف ایک بیٹی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار رہتا ہے لیکن تادم آخر اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی۔ عربی میں "عقیم" اور اردو میں "بانجھ" کہتے ہیں۔

بانجھ پن کے اسباب

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اولاد کا نہ ہونا مشیت الٰہی

کا نتیجہ ہے۔ ممکن ہے کہ میاں اور بیوی میں ہر لحاظ سے بچے کی پیدائش کی صلاحیت موجود ہو لیکن
جب اللہ تعالیٰ نے ہی نہ چاہا ہے تو دنیا بھر میں گھومنے اور بہتر سے بہتر علاج کرانے کے باوجود محروم
ہمیشہ کے لیے محروم ہی رہتا ہے۔

اس باطنی اور حقیقی سبب کے علاوہ "اہل طب" کے نزدیک کچھ ظاہری اسباب اور عوامل
کا بھی اثر رہتا ہے۔ اگرچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اس کا سختی سے انکار کیا ہے وہ
فرماتے ہیں کہ کسی کے نطفہ میں بچے کی پیدائش کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نتیجہ ہے
طبعی اسباب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، لیکن زیر نظر مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے ہمیں ان طبعی
اسباب پر بھی نظر رکھنا ہوگا تاکہ اصل مسئلے کے فہم و ادراک میں کوئی دشواری نہ رہے۔ [illegible]
اور موت علیہ اصول اور وسائل و ذرائع کے اختیار کرلینے کے باوجود اولاد نہ ہونے کے
چند عوارض ہو سکتے ہیں، مثلاً:

(الف) ممکن ہے کہ مرد کے مادۂ تولید یعنی نطفہ میں وہ صلاحیت ہی نہ ہو کہ جس سے بچہ پیدا ہو۔
(ب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصور عورت کی طرف سے ہو۔ عورت میں قصور ہونے کے مختلف اسباب ہیں
کبھی مادۂ تولید میں صلاحیت نہیں ہوتی اور بعض اوقات مادۂ تولید میں صلاحیت تو موجود ہوتی
ہے لیکن رحم میں استقرار کی طاقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نطفہ مقررہ مدت تک
رحم مادر میں نہیں رہ سکتا۔ انفرادی نقصان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس جوڑے کے
درمیان جدائی ہو جائے تو کسی ایک طرف کے ذی صلاحیت ہونے کی صورت میں کسی
دوسرے ذی صلاحیت فرد سے رشتہ ہو جانے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور
میں یہ بیماری لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے۔
(ج) ممکن ہے کہ دونوں جانب قصور کی وجہ سے یہ جوڑا اولاد کی نعمت سے محروم ہے جوڑے
کی تبدیلی کے باوجود کسی ایک طرف سے ثمر آور ہونے کی امیدیں بہت کم ہوتی ہیں۔

بانجھ پن کے علاج کی ممکنہ صورتیں

بانجھ پن کے علاج کی جدید صورت "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ اس سے بانجھ پن کی تمام
صورتوں کا علاج ممکن ہے کیونکہ اس طریقہ علاج کے باوجود کئی محروم جوڑوں کی ناامیدی غلط ثابت
کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں سب سے پہلے یہ تجربہ گیارہویں مرتبہ کامیاب ہوا ہے۔ گویا متعلقہ ڈاکٹروں
کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود اگر سو بیماروں کا علاج کیا گیا ہے تو ان میں صرف دو ہی فرد کے

بارے میں کامیابی ہوئی ہے اور باقی نوے فیصد کے بارے میں ناکامی ہوئی۔ اس تکنیکی ذرائع سے بھی کامیابی سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ بانجھ پن کی بعض صورتیں ابھی تک لاعلاج ہیں۔ بہرحال مرد یا عورت کی جانب سے قصور کی صورت میں علاج کی چند صورتیں ہیں:۔

(الف) مرد کے مادۂ تولید میں ضعف کا علاج ہو جائے یا متعدد مادہ کو علیحدگی کے لیے منتقل کیا جائے تاکہ اس علاج کے بعد اس سے مطلوبہ نتائج برآمد ہوں، از روئے شرع یہ عام علاجوں کی طرح ایک علاج ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) ایسا ہی عورت کے قصور کی صورت میں اگر مادۂ تولید میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کیلئے کوئی دوائی کھانا یا کھلانا جائز اور مشروع ہے۔

(ج) لیکن عورت میں نقص کی صورت میں اگر یہ نقص "رحم" میں ہو یعنی "رحم مادر" میں استقرار کی صلاحیت موجود نہ ہو تو اس صورت میں بھی اگر عورت کوئی ایسی دوائی کھائے جس سے رحم میں امساک اور استقرار کی صلاحیت پیدا ہو جائے، بظاہر یہ علاج بھی ممنوع نہیں بلکہ دوسری بیماریوں کے علاج کی طرح یہ بھی مشروع ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقۂ علاج

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے ذریعہ آخر الذکر بیماری کا علاج دریافت کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو لیکن "رحم مادر" میں امساک اور استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ پیدا نہ ہوتا ہو تو جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ طریقۂ علاج ایجاد کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید کو ملا کر ایک خاص ترتیب کے بعد عورت کے پیٹ میں ایک خالی جگہ میں معمولی آپریشن کرنے کے بعد رکھ دیا جاتا ہے اور متعلقہ ضروریات پہنچانے کے بعد مقررہ مدت میں یہ مادہ تدریجی ادوار طے کرنے کے بعد مکمل بچہ بن جاتا ہے۔

روزنامہ مشرق کے میگزین ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۵ء کے ایک جائزہ کی تجرباتی رپورٹ سے اس طریقۂ علاج کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اخبار لکھتا ہے:۔

"آج سے آٹھ سال قبل انگلینڈ کی ایک ۳۲ سالہ عورت مارگریٹ نے مئی ۱۹۷۸ء میں بالکل نارمل ایک تندرست بچی کو جنم دیا، اس بچی کی پیدائش معمول کے مطابق نہ تھی، چونکہ اس عورت کا جسمانی نظام بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے عاری تھا اس لیے

اس کے شوہر سے نطفہ کو لیبارٹری میں "پیٹری ڈش" تکنیک کے ذریعہ ایمبریو کی شکل
دے کر اس کی پرورش اس کے بطن میں کی گئی جہاں اس بچے نے بغیر "بلڈ لیزن" کی مدد
کے تمام غذائیت حاصل کی، وہیں پروان چڑھ کر اپنے دن پورے کیے، بچے کی پیدائش
اپریشن کے ذریعہ ہوئی تھی"۔

یہ طریقہ علاج دن بدن متعارف ہو رہا ہے، ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں تین ہزار بچے ایسے ہیں جو اس جدید طریقہ تولید کی برکت سے پیدا ہوئے ہیں، وہ اب پاکستان بھی اس ملک کی صف میں شامل ہو گیا ہے جو اس طریقہ تولید کے مطابق صف اول میں ہیں۔

بعض سادہ لوح احباب بھی عجلت پسندی میں بغیر کسی تحقیق کے حکم لگانے کے قائل ہیں، چنانچہ ہمارے چند معزز ڈاکٹروں کے حوالے سے چند روز قبل یہ خبر شائع ہوئی کہ:

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی کسی مرتبان یا ٹیسٹ ٹیوب میں نہیں بلکہ ماں کے جسم میں ہی پروان چڑھتی ہے اور اس کا نام ٹیسٹ ٹیوب نہیں ہونا چاہئے، یہ ایک جدید طریقہ علاج ہے اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر یوں ہی شور ہے ہر دوسری طرح علاج کو بھی چھوڑ دیا جائے تو معلوم نہیں فائدے کی جگہ کس قدر نقصان کیا ہوں گے؟"

اگرچہ تجربہ کی رو سے اس جدید عمل تولید میں میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کام لیا گیا ہے لیکن کیا اس بات کی کوئی ضمانت موجود ہے کہ آئندہ بھی یہ عمل صرف میاں بیوی تک ہی محدود رہے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ بطور ترقی کے اس تجربہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے جس میں اب میاں بیوی کی تمیز باقی نہیں رہی بلکہ عمدہ اور حسین نسل کے تخم حاصل کئے جا رہے ہیں اور معلوم نہیں کہ آئندہ اس کو کہاں تک پہنچانے کا امکان ہے (العیاذ باللہ) اور اگر امکانی صورتوں کو مدنظر رکھ کر اس عمل کو دیکھا جائے تو اس کے بہت سے خطرناک نتائج کی نشاندہی بھی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نتائج کسی وقت بھی محض امکان کی جگہ ایک حقیقت واقعہ کی صورت اختیار کر لیں۔ اب اصل مسئلہ کا حکم بیان کرنے سے قبل ایک مقدمہ بطور تمہید پیش خدمت ہے:

سد ذرائع اور اسلام

اسلامی نقطہ نظر سے کسی شے کے حکم میں اس کے اسباب و عوامل طریقہ کار یا نتائج کا بہت زیادہ دخل رہتا ہے، اسلام کسی شے کی عارضی اور وقتی مصلحت کو دیکھ کر عجلت پسندی کے فیصلے کا حامی نہیں۔ اسلام چونکہ ابدی اور دائمی دین ہے اسلئے

اس میں موجودہ اور آئندہ ہر دور میں ہر حالت کی امکانی صورتوں کو مدنظر رکھ کر حکم دیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ بہت سے امور بظاہر اچھے اور خوبصورت ہوں، ان میں کوئی قصور اور نقص نہ ہو لیکن اس ظاہری حسن کے باوجود اگر کوئی شے کسی دوسرے ناجائز کام کے لیے مقدمہ اور پیش خیمہ ہو تو شریعت میں ناجائز کام کے لیے ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اس کام کا درجہ بھی ناجائز کام کا ہو جاتا ہے، اس دوسرے ناجائز فعل کی وجہ سے اس ذریعہ اور مقدمہ کو بھی حرام کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے فقہاء کرام کے ہاں یہ حکم "سد الذرائع" کے نام سے متعارف ہے۔ علماء کرام کے ہاں یہ معتبر ہے، تاہم حنابلہ اور مالکیہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی رو سے اس قاعدہ کی تائید بھی ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے قاعدہ کی وضاحت

مثلاً صحابہ کرامؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شفقت اور توجہ دلانے وقت "راعنا" کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کا مقصد واضح تھا کہ یا رسول اللہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے۔ اس میں کوئی بے ادبی نہیں تھی، لیکن یہود اور منافقین اس لفظ کو بول کر اس سے ایسا معنی مراد لیتے تھے جو منصب نبوت کے مناسب نہیں تھا اور اس سے یہودیوں کو شرارت کے لیے ایک موقع ملتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شرارت اور فساد کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے اس جائز لفظ کے کہنے پر پابندی لگا کر متبادل لفظ تجویز فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا ۔ (سورۃ البقرۃ ۱۰۴)

(ترجمہ) "اے ایمان والو تم راعنا کا لفظ مت کہا کرو اور اس کی جگہ لفظ انظرنا کہہ دیا کرو۔"

حدیث سے قاعدہ کی وضاحت

ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں متعدد نقائص نظر آئے۔ آپ کو محسوس ہوا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں قریش مکہ نے اختیاری یا غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے ایسے تصرفات کئے ہیں جو بناء ابراہیمی کے خلاف ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اسے بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دوں لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے میں سر دست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔"

ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر ایک اہم اور ضروری مسئلہ تھا لیکن ناجائز امور یعنی فتنہ و فساد کے لیے پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آپ نے قریش مکہ کی تعمیر کو اسی حالت پر چھوڑ دیا۔

اس قاعدے کے ذہن نشین ہونے کے بعد اب ہم ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے طریقہ علاج کے نتائج پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس طریقہ علاج کے معاشرہ پر مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی پہلو سے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ اس سے معاشرہ کس حد تک متاثر ہوتا ہے یا کوئی فائدہ بھی پہنچتا ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ نسب محفوظ نہیں رہتا

اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو انسانیت کے لیے سب سے اہم مسئلہ تحفظ نسب کا ہے۔ دنیا باوجود ترقی کے آج اس میدان میں حیران ہے اور غیر ثابت النسب بچوں کی تعلیم و تربیت موجودہ دنیا کے لیے ایک عظیم مسئلہ ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین اور مذہب ہے جس میں تحفظ نسب کی مکمل ضمانت موجود ہے۔ زنا اور دواعی زنا کی حرمت، رضاعت سے وہ تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں جن سے نسب متاثر ہوتا ہو، لیکن مذکورہ طریقہ علاج کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں انسان کا نسب محفوظ نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس عمل کا تجربہ اگرچہ ایک میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کیا گیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کو صرف میاں بیوی تک محدود رکھا جائے گا کیونکہ ایک خاوند کے نطفہ میں جب خود صلاحیت موجود نہ ہو اور مذکورہ طریقہ علاج میسر ہو تو اس میں مانع کیا ہے کہ ایک غیر شخص کے ذی استعداد نطفہ سے یہ کام لیا جائے اور یا ایک عورت کو یہ معلوم ہو کہ میرا خاوند ناقابل اور نالائق ہے تو ممکن ہے کہ اس کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ بھی باپ کی طرح نالائق اور ناقابل ہو اور عورت بہ نفس نفیس یا خاوند کے مشورہ سے کسی قابل اور ماہر شخص کے نطفہ سے یہ مسئلہ حل کر سکتی ہے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ قابل اور ذہین ثابت ہو۔ چنانچہ اس تجربہ کے کامیابی کے بعد ایک اخباری اطلاع ملاحظہ فرمائیے:۔

"آجکل امریکن ریاست کیلی فورنیا کے علاقہ ڈسکوکے کے ڈوٹین میں رابرٹ گراہم نے والی نطفوں کا ایک بینک قائم کیا ہے جس میں بڑے بڑے فنکاروں، سائنسدانوں، اساتذہ، فلسفی اور دیگر اعلیٰ صلاحیت کے حامل لوگوں کو ترجیح دیتے ہوئے محفوظ کیا گیا ہے اور ان نطفوں کی تفصیل کیٹلاگ شائع کی جاتی ہے اور وہ ایسی ماؤں کی تلاش میں رہتے ہیں جو ان نطفوں کے لیے مختلف خصوصیات کی حامل ہوں تاکہ "بہتری نسل" سے اولاد پیدا کر کے اعلیٰ عقل و خرد کے لوگوں کی آبادی میں اضافہ کر سکیں۔"

ظاہر ہے کہ شوہر کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ اگرچہ قضاء (الولد للفراش وللعاہر الحجر) سے باپ کا بیٹا کہلائے گا لیکن خود جب اس بچے کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ میں اس شخص کے نطفے سے نہیں ہوں میری پیدائش کے لیے مادۂ تولید کسی غیر شخص سے حاصل کیا گیا ہے تو یہ بچہ کبھی اس کو باپ تسلیم نہیں کرے گا اور نہ دنیا میں یہ شخص باپ کہلانے کا مستحق ہے۔

مادۂ تولید کا مذموم کاروبار روزمرہ کا معمول بن جائے گا

اگر اس عمل کو جاری رکھا گیا اور ان عالی ظرف نطفوں سے بچوں کی پیدائش کے اس طریقہ کو آگے بڑھا دیا گیا تو ظاہر ہے کہ عوام الناس کے رجحان کو دیکھ کر نطفوں کا باقاعدہ کاروبار شروع ہوجائے گا کیونکہ بغیر قیمت کے میسر ہونے کی صورت میں خواہ مخواہ خریدنے کی ضرورت ہوگی، شریعت میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہے، لیکن عام انسان بھی طبعی طور پر اس مذموم کاروبار سے متنفر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خون کی خرید و فروخت کی طرح اس کو بھی بعض لوگ آمدنی کا ذریعہ بنالیں۔

معاشرہ میں نکاح کی اہمیت ختم ہوجائے گی

موجودہ دور میں ہر ایک معاشرے اور مذہب میں نکاح کے لیے قانونی صورتیں موجود ہیں زنا سے نفرت کے لیے مذہب، قانون، فطرت ایک اہم سبب ہے۔ اگرچہ یورپی دنیا والوں کے ہاں اخلاق سوز برائیوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن پھر بھی زنا سے کچھ نہ کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوں گے، لیکن زیر نظر طریقۂ علاج اپنانے سے نکاح کی یہ وقعت بھی ختم ہوجاتی ہے اور ایک لڑکی یا عورت کے لیے اس میں کون سی رکاوٹ ہے کہ وہ بغیر خاوند کے کسی غیر شخص کے نطفہ سے حاملہ ہو کر ماں بن جائے، بغیر خاوند کے حاصل ہونے والے بچے کو کنواری ماں اپنا بچہ سمجھے گی، اور یہ بچہ کل بڑا ہو کر اپنی پہچان کے لیے صرف ماں کی طرف نسبت پر اکتفاء کرے گا، یوں اس کی بچے کی خواہش تو پوری ہو جائے گی جبکہ طبعی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر شرعی اور غیر فطری طریقے اپنائے جائیں گے اور نکاح کو زائد از ضرورت چیز کہا جائے گا۔

افزائش نسل انسانی کے فارم

جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک مرد کے نطفہ سے متعدد عورتیں حاملہ ہوسکتی ہیں تو پھر جس ملک کو فوجی قوت کی ضرورت ہوگی اور جہاں افزائش نسل پر متعلقہ جوڑوں کو انعام دیا جاتا ہے وہاں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک آسان نسخہ ہاتھ آجائے گا کہ اعلیٰ نسب اشخاص کے نطفوں کو اکٹھا کر کے

ذی استعداد عورتوں کے مرغیوں، گائے اور بھیڑ بکریوں کی طرح فارم بنا کر بچے پیدا کرائے جائیں گے، ایک ہی انجکشن سے نا معلوم کتنے بچے پیدا ہوں گے، آگے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان فارمی نوزائیدہ بچوں سے قوم و ملک اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے کیا امید کی جا سکتی ہے؟ جبکہ ایسے بچوں کا مستقبل تو درکنار خود افزائش نسل کا یہ طریقہ ایک قبیح حرکت ہے۔

ممکن ہے کہ اس سفر کی انتہا یہیں نہ ہو بلکہ اس کے بعد ان فارموں کے لیے ذی استعداد عورتوں کی ضرورت ہوگی اور اس مقصد کے لیے رضا کار عورتوں کے میسر نہ ہونے کی صورت میں مطلوبہ عورتوں کو قیمتاً خریدنا پڑے گا۔ چنانچہ عورتوں کی خرید و فروخت کا ایک مذموم کاروبار شروع ہو کر زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ ہوگی۔

مرد بھی بچے پیدا کر سکیں گے

جب ایک نطفہ بغیر رحم مادر کے تولیدی ادوار طے کر کے بچہ بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور عورت کے پیٹ کے ایک خالی حصہ سے یہ مقصد پورا ہوتا ہو تو پھر ممکن ہے کہ آئندہ اس عمل کا عورت کے پیٹ سے کوئی تعلق نہ رہے بلکہ مرد کے پیٹ میں بھی اس عمل کو جاری رکھ کر بچہ پیدا کیا جا سکے گا جیسا کہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے، تو مرد کے ماں بن جانے کی صورت میں دوسرے مسائل تو درکنار خود مرد کیلئے بھی یہ ذلت اور رسوائی کا مقام ہے۔ مزید برآں عورت طبعی طور پر بچے کی تربیت اور پرورش کی صلاحیت رکھتی ہے، ایک عورت بچے کی جو تربیت کر سکتی ہے مرد میں اس ذمہ داری کا بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے یا نکاح قائم رہے حق حضانت یعنی بچوں کی تربیت کا حق عورت کو ہی حاصل رہے گا۔

فتاوی عالمگیری جلد ا ص ... میں ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد بھی لڑکے کے لیے سات یا نو سال تک اور لڑکی کیلئے تا بلوغ حق حضانت والدہ کو حاصل ہے۔ جبکہ مرد کے ماں بن جانے کے بعد دوسرے مسائل کے علاوہ ماں کی شفقت اور اس کے حق تربیت سے محروم ہو جائیں گے۔

زنا کاری کا بند نہ ہونے والا دروازہ کھل جائے گا

جب مرد خود بچے پیدا کرنے کا بوجھ اپنے کندھوں پر ڈال لے تو اس کو عورت کی ضرورت ہی کیا رہے گی، ایسے ہی جب ایک عورت خاوند کے بغیر بچے کو جنم دے سکتی ہے تو ایسی حالت میں وہ شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرے گی، مرد اور عورت الگ الگ بچے پیدا کریں گے تو طبعی اور فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے اور پھر زنا اور لواطت کا ایک بند نہ ہونے والا دروازہ

کھل جائے گا۔ جس سے پوری انسانیت کی ہلاکت اور بربادی یقینی ہے۔

انسان کا رشتہ بندروں اور کتوں سے جڑ جائے گا

جب اس جدید طریقہ تولید کو جاری رکھا گیا اور تحقیق و ریسرچ کسی خاص حد تک منتہی ہوئی تو یہ بھی ممکن ہے کہ انسانی مادۂ تولید کسی بندریا یا کتیا کے پیٹ کی خالی جگہ میں رکھ کر اس عمل کو پورا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انسانی نطفے سے پیدا ہونے والا بچہ انسان ہی شمار ہوگا لیکن ماں کا یہ پیدائشی رشتہ پھر بندروں اور کتوں کی نوع سے منسلک ہو جائے گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ ترقی ہے یا تنزلی کہ اشرف المخلوقات اور مخدوم عالم کسی کتیا یا بندریا کا بچہ کہلائے۔

ان متعدد ناجائز اور غیر شرعی امور کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ تولیدی عمل از روئے شریعت ناجائز ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں لوگ اسے علمی اور سائنسی ترقی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں رسوائی اور تباہی کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آئندہ اس پر کنٹرول کرنا ایک مشکل مسئلہ ہوگا۔

خاندانی منصوبہ بندی

عالمِ کفر مسلم قوم کی ایمانی قوت کے ساتھ ساتھ ان کی افرادی قوت سے بھی خائف ہے۔ ان دونوں قوتوں کو ختم کرنے کے لیے اس نے خاندانی منصوبہ بندی کا غیر فطری طریقہ ایجاد کیا، اور اپنے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے امت مسلمہ کے سربراہوں کے ذریعہ وسائل کی کمی، رزق کی تنگی، بچوں کی تعلیم و تربیت، خصوصاً عورتوں کی صحت وغیرہ کا نعرہ لگایا، جبکہ اس دلفریب نعرہ کی آڑ میں چھپا ہوا اصل مقصد مسلمانوں میں جنسی اختلاط کے ساتھ ساتھ ان کی ایمانی و افرادی قوت کو ختم کرنا ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خاندانی منصوبہ بندی کے خطرات اور نتائج پر دردمندانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے، مولانا صاحب کے اس مقالہ کو افادۂ عام کے لیے خطبات حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

کے اسباب میں کثرت آبادی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم نے جاپان میں محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے لشکریوں کو بے اثر بنا دیا۔ آج جو بات چین و جاپان میں نہیں اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو ایک عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے قلعہ کو کھلم کھلا چیلنج کر رہا ہے اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لئے قدرت کے عطا کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لا رہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے اضافے سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اور دفاعی ضرورت

مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی کثرت آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آ رہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح تناسل آبادی کو روکا جائے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر انہیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ہم

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا۔
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا بلکہ موجودہ ملکی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے سیاسی اور خالصتاً ایک دفاعی مسئلہ بنا دیا ہے پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری حلیف طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت چین کے سامنے اپنے عزائم کو جب تک خاک میں ملا دیا جائے ہم ہندو سامراجیوں سے کیونکر جیت سکتے جہاں کی آبادی سات گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں جو عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس تحریک کے ڈھنڈورے پیٹ رہے ہیں وہ یقیناً عالم اسلام اور پاکستان دونوں کی سالمیت کے لئے چیلنج اور قومی و ملی موت کے مترادف ہے اور اسلامی و قومی تقاضوں

کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قوم کو نا عاقبت اندیشی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بنا پر آئندہ ہر اس تحریک، منصوبہ اور تکمیل سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھاتے اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس ذہنی و عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان مہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹاتے اور جس سے اس عظیم قوم کی مومنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی پر فریب شکل یا تجدد و ترقی اور روشن خیالی کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں ———— ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقا و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی وہ طریقہ حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے نتیجہ میں ہمارے لائق اور قابل احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ :-

> یہ تجربات گہرے اور ہمہ گیر ہیں کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں اور نہ وقتی اور نہ گزرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشا ہے اور یہی دراصل اسلام کا نصب العین حیات ہے۔ انشاء اللہ اب یہی طریق عمل ہمارے آئندہ طرز فکر و عمل کے لئے مشعل راہ ہوگا۔ (نوائے وقت ۲۵ ستمبر)

منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی ترویج میں ہمارے ملک کی پوری

اس سے قبل آبادی کی قلت اور قومی خودکشی کا تلخ تجربہ فرانس اور کئی دیگر ممالک کو
ہو چکا ہے اور اس حماقت نے ان ممالک کی عظمت و شوکت میں ہلاکت کے رنگ بھر دیا ہے۔ رہا
اس تحریک کا اخلاقی اور سماجی پہلو تو اس کا اندازہ آپ یورپ کے ہر اس ملک سے لگایا جا سکتا ہے
جہاں اخلاق و شرافت کے تمام بندھن ٹوٹ گئے ہیں اور جنسی ہیجان کے طوفان میں انسان محض
"ایک انسان نما بھیڑیا" بن کر رہ گیا ہے۔ ذیل کے چند تازہ اطلاع و شماریات سے اس رجحان کا اندازہ
لگائیے اور اس آئینہ میں اپنے ملک اور معاشرہ کے سیاہ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ امریکہ
میں صرف پچھلے ایک سال میں ۲۴ لاکھ ۵۰ ہزار طالبات کا اسقاط حمل کرایا گیا۔ (مجلۃ العربی کویت)

خاندانی منصوبہ بندی کے آلات و ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارہ دیا ہوگا،
اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے۔ یہ مذکورہ تعداد میں صرف طالبات کی ہے۔ انگلستان میں پچھلے ایک
سال کے اندر ایک لاکھ ۱۰ ہزار ناجائز (حرامی) بچے پیدا ہوئے (العربی کویت) اور اس طرح
حرامیوں کے اس لشکر نے نسلی پیداوار کا گڑھ پورا کر دیا —— اب ایک ایسے ملک کا حال
سنئے جو یورپ کا نہیں مشرق وسطیٰ کا ملک ہے اور جہاں کی تقریباً نصف آبادی مسلمانوں کی
ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ "العربی" رقمطراز ہے:-

بیروت میں ۹۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے
دنوں ہمارے ملک کے سرکاری حلقوں میں بھی اس تحریک کے ناجائز استعمال پر تشویش ظاہر کی گئی ہے
جس کی خبریں اخبارات میں آ چکی ہیں۔ انسان کے حقیقی رشد و ہدایت کی سچی اور لاجواب کتاب
قرآن مجید نے بہت پہلے "قتل اولاد" سے منع کرنے کے فوراً بعد "زنا" اور اس کے محرکات
سے روک کر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ قتل اولاد کی ہر شکل اور زنا و فحاشی میں چولی دامن کا
ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے باہمی تعلق سے عیاں ہے کہ پہلا جرم "قتل اولاد" دوسرے جرم (زنا اور
فحاشی) کا محرک ہے —— پڑھئے اور قربان جائیے اس لافانی کتاب کے اعجاز سے
ارشادِ ربانی ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق	اور مت کرو قتل اپنی اولاد کو مفلسی کے
نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم	خوف سے۔ ہم ان کو بھی روزی دیں
کان خطأً کبیراً۔	گے اور تم کو بھی دیتے ہیں۔ بیشک
بنی اسرائیل ۳۱	اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

ولا تقربوا الزنیٰ انہ	اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ
کان فاحشۃ	زنا بڑی بے حیائی کی بات ہے
وساء سبیلاً۔ ۳۲	اور بہت بری راہ ہے۔

نہ صرف اس مقام پر بلکہ دوسری جگہ انعام میں بھی قتل اولاد سے منع کرنے کے معاً بعد فحاشی اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس انداز بیان سے یہی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فحاشی) پہلے جرم (قتل اولاد) برتھ کنٹرول کا لازمی اور طبعی ردعمل ہے۔ ارشاد ہے :۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق	اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غربت
نحن نرزقکم وایاھم ولا تقربوا	کے سبب۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے
الفواحش ما ظھر منھا	ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی
وما بطن ۔	باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ
آیت ۱۵۱۔ انعام	اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

وزیر حسین